بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

وسائل اردو

منہاج العابدین

مؤلفہ

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و حواشی

مولانا محمد سعید احمد نقشبندی لاہور

سندھ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

GOVT. SIDDIQUE TRAINING COLLEGE FOR TEACHERS
SARGODHA ★ PUNJAB ★ PAKISTAN

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

اردو ترجمہ کتاب مستطاب

منہاج العابدین

تصنیف

امام ہمام حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و حواشی

از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی

خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ بندر روڈ۔ کراچی

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No 91735
MAILSI

(جملہ حقوق ترجمہ بحق ناشر محفوظ ہیں)

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

آفسٹ طباعت

کتاب منہاج العابدین اردو

تصنیف حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ترجمہ وحواشی مولانا محمد سعید احمد نقشبندی خطیب مسجد حضرت داتا صاحب لاہور

کاتب محمد یوسف خوشنویس ۔ سکنہ حضرت کیلیانوالہ ۔ ضلع گوجرانوالہ

طابع وناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی

تعداد ایک ہزار (۱۰۰۰)

صفحات ۳۴۶

قیمت

Masood Faisal Jhandir Library

فہرست مضامین منہاج العابدین اُردو

عنوان	نمبر صفحہ
فہرست کتاب	۳
پیش لفظ	۵
مقدمہ کتاب	۹
پہلی گھاٹی علم کے بیان میں	۲۲
سوال وجواب	۲۹
سوال وجواب	۳۰
دوسری گھاٹی توبہ کے بیان میں	۳۵
سوال وجواب	۳۶
سوال	۳۸
جواب	۳۹
فصل	۴۵
تیسری گھاٹی عوائق اربعہ کے بیان میں	۴۹
پہلا عائق (مانع) دنیا اور جو کچھ اس میں ہے	۴۹
سوال وجواب	۵۱
سوال وجواب	۵۲
دوسری رکاوٹ مخلوق سے میل جول	۵۲
حکایت	۷۵
سوال وجواب	۷۵
تیسری رکاوٹ شیطان	۷۶
چوتھا عائق (مانع) نفس	۸۸
سوال وجواب	۹۰
سوال وجواب	۹۱
سوال وجواب	۹۷
سوال وجواب	۱۰۲
فصل اوّل، آنکھ کے بیان میں	۱۰۳
پہلا اصول	۱۰۳
دوسرا اصول	۱۰۵
تیسرا اصول	۱۰۵
فصل دوم کان کے بیان میں	۱۰۶
تیسری فصل زبان کے بیان میں	۱۰۷
پہلا اصول	۱۰۸
دوسرا اصول	۱۰۸
تیسرا اصول	۱۰۹
چوتھا اصول	۱۱۰
پانچواں اصول	۱۱۱
پہلی وجہ	۱۱۲
دوسری وجہ	۱۱۲
تیسری وجہ	۱۱۲
چوتھی وجہ	۱۱۲
چوتھی فصل دل کے بیان میں	۱۱۳
پہلا اصول	۱۱۳
دوسرا اصول	۱۱۴
تیسرا اصول	۱۱۴
چوتھا اصول	۱۱۵
پانچواں اصول	۱۱۵
سوال	۱۱۷
جواب	۱۱۸
طول امل کا بیان	۱۱۹
دوسری آفت حسد	۱۲۴
جلد بازی کے نقصانات	۱۲۶
کبر کا بیان	۱۲۸
سوال وجواب	۱۳۰
اَمَل کی حقیقت کا بیان	۱۳۱
سوال	۱۳۲
جواب	۱۳۳
حسد کی حقیقت کا بیان	۱۳۳
عجلت کی حقیقت	۱۳۵
کبر کی حقیقت	۱۳۵
پانچویں فصل بشکم کی حفاظت کے بیان میں	۱۳۶
پہلی آفت	۱۳۸
دوسری آفت	۱۳۹
تیسری آفت	۱۳۹

عنوان	نمبر صفحہ
چوتھی آفت	۱۴۰
پانچویں آفت	۱۴۰
چھٹی آفت	۱۴۱
ساتویں آفت	۱۴۱
آٹھویں آفت، نویں آفت	۱۴۲
دسویں آفت	۱۴۳
فصل	۱۵۳
ابلیس کے شر سے بچنا ضروری ہے	۱۵۵
لوگوں سے میل جول کی مذمت	۱۵۶
مذمت نفس کا بیان	۱۵۷
فصل۔ آنکھ کی حفاظت	۱۶۲
زبان کی حفاظت	۱۶۲
پیٹ کی حفاظت	۱۶۳
دل کی حفاظت	۱۶۵
فصل	۱۶۸
چوتھا باب چوتھی گھاٹی میں	۱۷۳
یہ گھاٹی عقبۃ العوارض کے نام سے موسوم ہے	۱۷۳
اوّل عارضہ رزق	۱۷۳
توکل کی تعریف	۱۸۳
توکل پیدا کرنے کا طریقہ	۱۸۴
دوسرا عارضہ سفر کے خطرات	۱۹۱
حکایت	۱۹۲
تفویض کے معنی	۱۹۴

عنوان	نمبر صفحہ
تیسرا عارضہ	۱۹۹
قضاء الٰہی پر راضی ہونے کی دوسری وجہ	۲۰۰
چوتھا عارضہ مصائب اور تکالیف	۲۰۳
سوال صبر کی حقیقت۔ جواب	۲۰۹
صبر کس طرح پیدا کیا جائے؟	۲۰۹
فصل	۲۱۰
فصل	۲۱۴
پہلا نکتہ	۲۱۵
دوسرا نکتہ	۲۱۶
تیسرا نکتہ۔ چوتھا نکتہ	۲۱۷
تفویض کا بیان	۲۲۲
رضا بالقضا کا بیان	۲۲۴
صبر کا بیان	۲۲۶
صبر ضرر رساں چیزوں کو دور کرتا ہے	۲۳۷
فصل	۲۳۱
پانچواں باب۔ پانچویں گھاٹی	۲۳۶
عقبۃ البواعث	۲۳۶
رجاء کا بیان	۲۳۸
حکایت	۲۳۵
فصل	۲۴۳
اصل اول۔ ترغیب و ترہیب	۲۴۶
دوسری اصل۔ اللہ تعالیٰ کے افعال	۲۴۹
تیسری اصل۔ آخرت کے وعد و وعید	۲۵۹
موت کا بیان	۲۵۹

عنوان	نمبر صفحہ
قبر اور بعد الموت کا حال	۲۶۱
روز قیامت	۲۶۲
جنت اور دوزخ کا بیان	۲۶۵
فصل	۲۷۰
چھٹا باب۔ عقبۃ القوادح	۲۷۲
عجب، عجب کی حقیقت اور معنی	۲۷۳
عجب اور ریا سے بچنے کے اصول	۲۸۷
پہلا اصول	۲۸۳
دوسرا اصول	۲۸۸
تیسرا، چوتھا اصول	۲۸۹
حکایت	۲۹۰
عُجب کا بیان	۲۹۲
حساب	۲۹۳
فصل	۲۹۶
فصل	۲۹۷
فصل	۳۰۷
ساتویں گھاٹی شکر کے بیان میں	۳۱۰
نعمت توفیق اور نعمت عصمت	۳۱۱
فصل	۳۱۶
فصل	۳۲۷
فصل	۳۳۳
اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ثمرہ	
چالیس عنایات بیس دنیا میں	۳۳۷
اور بیس آخرت میں	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

(از جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب امرت سری)

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی قدس سرہٗ (متوفی ۵۰۵ھ) اسلام کے جلیل القدر عالم، عارف، مفکر اور مجدد تسلیم کیے گئے ہیں۔ انھوں نے فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر، کلام، اصول کلام، اخلاق، تصوف، احسان، فلسفہ، مناظرہ اور دیگر علوم و فنون پر ایک سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں جو ان کی زندگی ہی میں مقبول ہو گئی تھیں۔ ان کی تعلیمات و افکار کو اسلامی دنیا میں بے پناہ قبولیت و پذیرائی کے علاوہ یورپ میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اور ایک عرصہ تک ان کی تصانیف وہاں کے اہل علم کی تحقیق کا مرکز بنی رہیں۔

امام غزالی کے زمانے میں فلاسفہ، متکلمین اور بدمذہبوں نے اپنے عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ کو بڑے شد و مد سے پھیلانا شروع کر دیا تھا اور دین کے نام پر طرح طرح کے فتنے سر اٹھا رہے تھے۔ امام حجۃ الاسلام نے ان بدمذہبوں کے مذموم و مسموم نظریات کا بلیغ رد کیا، اور اپنے علم کلام کے ذریعے عقیدۂ اسلام کی پرزور ترجمانی کی۔ حق یہ ہے کہ امام غزالی اپنے علم کلام کے خود موجد اور خود خاتم تھے۔ ان کا طریق استدلال اور انداز افہام بالکل نرالا ہے۔ ان کے بعد ان جیسا کوئی اور مفکر اور متکلم دنیائے اسلام میں پیدا نہیں ہوا۔ علامہ اقبال نے بھی اسی لیے فرمایا ہے ؎

رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مشہور و معروف اور مقبول و مطبوع تصانیف میں سے ایک "منہاج العابدین الی جنت رب العالمین" ہے۔ جس کا ترجمہ پیش نظر ہے۔ اس کتاب بارے میں حضرت امام غزالی کے شاگرد جناب عبداللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ امام صاحب کی آخری تصنیف ہے اور اس کو ان کے خاص شاگردوں کے سوا کسی اور نے نقل نہیں کیا ——— کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے

اور خود مصنف علام نے موضوع اور مقصدِ تصنیف کو ابتداءِ کتاب میں بصراحت بیان کیا ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت امام نے غایتِ تخلیق جن و انس اور جنت میں داخل ہونے کا واحد ذریعہ "عبادت" کے موضوع پر متصوفانہ انداز میں یہ کتاب لکھی ہے۔ سالک کو اس راہ میں قسم قسم کی جو رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، ان کی اور شیطانی و نفسانی وساوس کی ہلاکت آفرینیوں کی نشان دہی کر کے ان سے بچنے کی تدابیر بتائی ہیں اور محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر بندگی کرنے کی تلقین کی ہے اور بے شمار مسائل شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے۔ غرض کہ یہ کتاب طالب حق و سالک راہِ ھُدیٰ کے لیے مرشدِ طریق کا حکم رکھتی ہے اور خود امام غزالی اس کتاب کے ثنا خواں اور اس کی عمدہ الہامی ترتیب پر نازاں ہیں۔ مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں:

"بزرگانِ دین نے جن کا درگاہِ ایزدی میں بلند مقام ہے، فضول اعتراضات کی پروا نہ کرتے ہوئے اور تمام امت پر نظرِ کرم فرماتے ہوئے اس موضوع پر کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ میں بھی اس ذاتِ اقدس کی طرف ملتجی ہوا جس کے قبضۂ قدرت میں تمام عالم خلق و امر کی چیزیں ہیں کہ مجھے ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کی توفیق دے جس پر سب متفق ہوں اور جس کے پڑھنے سے تمام کو فائدہ پہنچے۔ تو اس رحیم و کریم ذات نے میری التجا قبول فرمائی۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے عبادت کے عجیب و غریب اسرار و رموز پر مطلع فرمایا۔ اور مجھے اس کتاب کی عجیب ترتیب و تدوین کا الہام فرمایا ـــــ ایسی ترتیب میں کسی اور کتاب کی تصنیف میں قائم نہیں رکھ سکا۔ یہ وہ تصنیف ہے جس کی میں خود تعریف کرتا ہوں"۔

اس تصنیفِ منیف کی افادیت و اہمیت کے پیشِ نظر بعض علماء و صوفیہ نے اس کی شروح لکھیں اور ملخص تیار کیے۔ استاد جلال الدین ہمائی (تہران) رقم طراز ہیں:

"این کتاب را ہم بعض علماء شرح و تلخیص کردہ اند، از جملہ شمس الدین بلاطنسی دو شرح مختصر و مفصل بر آں نوشت و نیز آں را تلخیص کردہ "بغیۃ الطالبین" نام نہاد"[1]۔

مشہور عارف و عالم اور متعدد کتب تصوف کے مصنف حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی جہان آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ۱۰۷۳ھ میں "منہاج العابدین" کی تلخیص کی۔ جس کا نام "ما لا بد" ہے۔ شاہ کلیم اللہ نے منہاج العابدین کو علم سلوک کی معیاری کتاب قرار دیا ہے۔

---

[1] غزالی نامہ مطبوعہ تہران ص ۲۶۶

پاک و ہند میں منہاج العابدین کے متعدد اردو تراجم ہوئے۔ اس وقت میرے پیش نظر صرف تین ترجمے ہیں۔ ان میں قدیم ترجمہ وہ ہے جسے مطبع نظامی لدھیانہ نے ۱۲۷۲ھ میں شائع کیا تھا۔ دوسرا ترجمہ مولانا محمد منیر نے ۱۲۸۰ھ میں کیا اور ۱۲۸۸ھ میں مطبع منشی نولکشور سے طبع و شائع ہوا۔ یہ دونوں ترجمے اپنے زمانے کے لحاظ سے بہت اچھے ہیں۔ تیسرا ترجمہ مولانا عابدالرحمٰن کاندھلوی کا ہے جو چند سال ہوئے کراچی سے چھپا تھا۔

منہاج العابدین ایسی عمدہ، مفید اور نافع کتاب کے ایک اچھے ترجمے کی اشد ضرورت تھی۔ الحمدللہ کہ فاضل محترم حضرت مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مجددی مدظلہ خطیب جامع مسجد دربار حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ العزیز نے اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

مولانا محمد سعید احمد زید مجدہٗ کے ترجمے کو میں نے پہلے اکثر تراجم سے بہتر پایا ہے۔ فاضل مترجم نے آیات و احادیث کے علاوہ اقوال بزرگان دین اور اشعار کو بھی اصل عربی زبان میں درج کر کے ان کے بالمقابل ترجمہ دیا ہے۔ جس سے ان کی نورانیت و برکت قائم رہنے کے ساتھ ساتھ عربی ادب سے شغف رکھنے والوں کے ذوق کی تسکین کا سامان موجود رہا ہے ——— اللہ تعالیٰ جناب مترجم کو جزائے خیر سے نوازے اور اس کتاب کے قارئین اور احقر کو جنت میں جانے والے سیدھے راستے پر گامزن ہونے کی توفیق عطا کرے۔ آمین ثم آمین بجاہ نبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

محمد موسیٰ عفی عنہ — لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شہادت و نعت بر رسول الکریم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رہے۔ اور ہمیشہ آپ کی اور آپ کے متعلقین کی عظمت قائم رہے۔

امّا بعد! اے عزیز بھائیو! (اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اپنی رضا کا پابند بنائے جو جنت فردوس کی راہ ہے) خداوند کریم کا ارشاد ہے:

وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ — میں ہی تمہارا رب ہوں اس لیے میری ہی عبادت کرو۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ فرمایا:

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ — (جنتیوں کو جنت میں داخل ہوتے وقت کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (جو تم نے دنیا میں کی) مقبول ہوئی۔

آیات مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ جنت میں جانا اسی کو نصیب ہوگا جس نے دنیا میں کوشش کی اور اپنا وقت خدا کی بندگی میں صرف کیا۔ اس لیے ہم نے عبادات کی حقیقت میں نظر کی، اس کے طریقوں پر غور کیا، اس کے بنیادی امور اور ان مقاصد میں نظر دوڑائی جو سلک سے آخرت کو درپیش ہیں۔ تو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ طریق عبادت نہایت دشوار اور مشکل ہے۔ اس راہ میں نہایت تنگ و تاریک گھاٹیاں عبور کرنا پڑتی ہیں۔ شدید مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بڑی بڑی آفات راستے میں پیش آتی ہیں اور منزل مقصود تک پہنچنے میں بہت موانع اور رکاوٹیں درپیش ہیں اور طول و طویل غیر مرئی مسافتوں کو طے کرنا پڑتا ہے۔

غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت کے راستے میں گوناگوں خطرناک اور تباہ کن چیزیں مخفی ہیں۔ دریہ کہ یہ راستہ خطرناک دشمنوں اور ڈاکوؤں سے گھرا ہوا ہے۔ دریہ کہ اس راستے کی مسافتیں دور دراز ہیں ——— مگر اس راستے کا ایسا مشکل و پیچیدہ ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ جنت کا راستہ ہے۔ اور جنت میں پہنچنا کوئی آسان نہیں۔

اور عبادت کا اتنا مشکل ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی تصدیق کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے:

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ — جنت خلاف نفس کام کرنے سے حاصل ہوگی۔

وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ — دوزخ میں لوگ شہوت کی پیروی کی وجہ سے جائیں گے۔

اسی بارے میں آپ کا دوسرا ارشاد یہ ہے:

أَلَا وَإِنَّ الْجَنَّةَ حَزْنٌ بِرَبْوَةٍ وَإِنَّ النَّارَ سَهْلٌ بِسَهْوَةٍ۔

سن لو کہ جنت اونچے ٹیلے پر مشکل خیز زمین کی طرح ہے اور دوزخ ہموار نرم زمین کے مانند ہے

یعنی اول تو کار زمین میں کاشت کر کے پھل حاصل کرنا نہایت محنت طلب ہے۔

پھر عبادت سے متعلقہ مشکلات کے ساتھ ساتھ انسان ایک کمزور مخلوق ہے اور زمانہ حرص و ہوا کی معصیتوں سے لبریز ہے اور دین کا معاملہ ترقی کے بجائے تنزل کی طرف رجوع کر رہا ہے۔ پھر دنیوی مشغولیتیں بہت ہیں اور عبادت کے واسطے وقت بہت مختصر ہے۔ اور انسان کی عمر بہت کم ہے اور مزید یہ کہ انسان اعمال صالحہ کی بجا آوری میں بہت بے پروائی کرتا ہے یعنی خشوع اور خضوع وغیرہ کا خیال بہت کم رکھتا ہے۔ اور جس ذات نے اعمال کو پرکھنا ہے وہ انتہائی بھید ہے ——— ان تمام پریشانیوں کے ساتھ ساتھ موت بہت قریب آ رہی ہے اور انسان کو جو سفر درپیش ہے وہ بہت طویل ہے۔

مندرجہ بالا مشکلات میں گھرے ہوئے انسان کو پتہ ہونا چاہیے کہ اس خطرناک اور طویل سفر کا توشہ نیت عبادت ہے۔ اور سفر میں زیادہ کا ہونا ضروری ہے اور اس زیادہ کو فراہم کرنے کا وقت اس تیزی سے گزر رہا ہے کہ ہرگز واپس نہیں آئے گا۔ تو ہر شخص اس مختصر سے وقت میں زادِ آخرت تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا سمجھو وہ نجات پا گیا اور اس نے ہمیشہ کی سعادت حاصل کر لی لیکن جس انسان نے اس انتہائی قیمتی وقت کو کھیل و لعب میں کھو دیا اور زادِ آخرت مہیا نہ کر سکا تو وہ بلاشک و شبہ نامراد رہا اور تباہ و برباد لوگوں میں سے ہو گیا۔

مذکورہ وجوہات کے باعث یہ عبادت جس قدر مشکل ہے اس سے کہیں زیادہ اہم بھی ہے۔ اسی لیے اس سفر پر کمر بستہ ہونے والے تھوڑے ہیں۔ اور پھر جو اس سفر کی منازل طے کرنے والے ہیں ان سے تھوڑے ہیں۔ مگر منزلِ مقصود تک پہنچنے والے ہی خدا کو پیارے ہیں۔ انہی کو اللہ نے اپنی محبت و معرفت کے لیے چنا اور منتخب کیا۔ اور انہی لوگوں کو رب تعالیٰ توفیق و عصمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ یہی لوگ جنت فردوس کے مستحق بنتے ہیں اور اس کی رضا کا مقام پاتے ہیں ——— تو ہم اللہ تعالیٰ سے جس کا ذکر بلند ہے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمہیں اپنی رحمت سے سعادت مند کرے اور کامیاب

لوگوں میں شامل کرے۔

جب تم نے طریق عبادت و ریاضت کو مذکور ہ نوعیت کا پایا اور اس روش کو تبع کرنے کے اسباب پر پورا پورا غور کیا اور ان چیزوں پر غور کیا جن کا انسان فریضۂ عبادت ادا کرتے وقت محتاج ہے۔ مثلاً عبادت کی استعداد اور قوت جو اسے عملی صورت پر لانے اور اس سے متعلق ضروری علم حاصل کرنا اور دیگر ضروری تدابیر اختیار کرنا جو اللہ کی توفیق و اعانت سے ہی عمل میں لائی جا سکتی ہیں اور اللہ کی نعمت سے ہی بندوں کی مساعی کو نتیجہ خیز کرتے ہیں کامیاب ہو سکتا ہے۔ تو تم نے آخرت کو حاصل کرنے کے متعلق مندرجہ ذیل کتابیں لکھیں جو اس موضوع پر قابل قدر اضافہ ہیں اور جن میں جہالت کے دقیق و عمیق پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ ان کتابوں میں ان چیزوں کا ذکر ہے جن کو عامۃ الناس سمجھ نہیں سکتے۔ جب تم ان مشکل مقامات کو حل کر چکے تو تم نے ان پر نکتہ چینی کرنے والوں کے اعتراض کا جواب دیا۔ لیکن اس قسم کے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ جب تک وہ خود نہیں کہ دیتے کہ فلاں فلاں مقام پر ہم سے غلطی ہوئی ہے اس وقت تک ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْحَقُّ الْيَقِيْنُ ۔ بے شک یہ قطعی حق ہے۔

اور کیا آپ نے حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نہیں سنا:

(۱) اِنِّیْ تَرَکْتُ مِنْ عِلْمِیْ جَوَاهِرَهٗ ۔ کَیْ یَرَی ذَا شَفٍّ جَفْنَهٗ جَفْنَهٗ

(۲) وَتَقَدَّمَ فِیْ هٰذَا اَبُوْ حَسَنٍ ۔ زَیْنُ الْحُسَیْنِ وَصِنْوُ الْحَسَنَیْنِ

(۳) یَا رَبِّ جَوْهَرِ عِلْمٍ لَوْ اَبُوْحُ بِهٖ ۔ لَقِیْلَ لِیْ اَنْتَ مِمَّنْ یَعْبُدُ الْوَثَنَا

(۴) وَلَاسْتَحَلَّ رِجَالٌ مُسْلِمُوْنَ دَمِیْ ۔ یَرَوْنَ اَقْبَحَ مَا یَاْتُوْنَهٗ حَسَنَا

ترجمہ

(۱) میں نے اپنے علم کی بہت سی جواہر پارے چھوڑ دیئے ہیں تاکہ ہوشیار لوگ ان کی قدر کریں۔

(۲) اور اس میں ابو حسن زین الحسین و وصی ابنہ الحسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آگے بڑھ گئے۔

ترجمہ:

(۱۳۱) ۔۔۔ بیشک جو لوگ بت بنانے والوں سے محبت کرتے ہیں تو بیشک وہ بت پرست ہے

(۱۳۲) ۔۔۔ اور جو بت بنانے والوں سے محبت کرتے ہیں تو بیشک وہ بت بنانے والوں کی مثل ہیں۔

ترجمہ: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[

اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةِ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ بِالْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْمَوْتِ۔

اِس فانی دنیا سے کنارہ کشی، آخرت کی طرف رجوع، موت آنے سے پہلے موت کی تیاری۔

تو سب سے پہلے بندے کے دل میں جب یہ خیال اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوتا ہے کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی قسم قسم نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہوں جیسے زندگی کی نعمت۔ قدرت عقل بول چال اور دیگر اعلیٰ صفات و لذات کی چیزیں اور اس نے میرے لیے ایسے سباب بھی پیدا فرمائے جن کے ذریعہ میں اپنے آپ کو تکلیف دینے والی دو چیزوں سے محفوظ رکھ سکتا ہوں اور آفت سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہوں۔ اور پھر بندہ جب یہ بھی سوچتا ہے کہ جس منعم نے مجھے یہ نعمتیں عطا کی ہیں وہ مجھ سے ان نعمتوں کا شکر اور اپنی خدمت کا مطالبہ کرے گا۔ اور اگر میں نے نعمتوں پر شکر اور اس کی خدمت نہ کی تو وہ یہ نعمتیں مجھ سے چھین لے گا اور اس ناشکری کی وجہ سے وہ مجھ پر غصہ اور ناراض ہوگا اور ایک روز سزا دے گا۔

اور بندہ جب یہ بھی خیال کرتا ہے کہ اس منعم نے اپنی معرفت و خدمت کے آداب بتانے کے لیے ہماری طرف رسول بھیجے جن کو ایسے ایسے معجزات عطا کیے جو انسانی عقل و طاقت سے باہر تھے۔ انھوں نے آکر بتایا کہ اے بندے! تیرا ایک پروردگار ہے جو ہر شے پر قادر ہے، ہر شے کو جانتا ہے، ہمیشہ زندہ رہے گا، یہ اس کا حکم ہے، جو چاہتا ہے ارادہ فرماتا ہے۔ اس نے تجھے بعض کام کرنے کا اور بعض نہ کرنے کا حکم دیا ہے اسے یہ بھی طاقت ہے کہ اگر میں نے نافرمانی کی تو مجھے عذاب دے گا اور اطاعت کا نیک صلہ دے گا۔ وہ میرے تمام پوشیدہ امور کو جانتا ہے اور جو کچھ میرے دل میں آتا ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔ اور اس نے اطاعت کرنے والوں سے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرایا ہے۔ اور اس نے احکامِ شرع کی بجا آوری مجھ پر لازم کی ہے۔

ان تمام امور کا تصور کرنے سے بندے کے دل میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ میں ایک ممکن و فانی چیز ہوں۔ میرے اندر خود کوئی کمال نہیں اور نہ ہی کوئی ذاتی خوبی ہے ــــ اپنے تعلق یہ راستے قائم کرنے میں عقل انسانی کو زیادہ غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

تو ان تمام امور کا تصور کرنے سے بندے پر اپنے پروردگار کا خوف طاری ہوتا ہے اور وہ جبر و قہر

ہے۔ یہی گہرائی بندے کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتی ہے۔ وہی گہرا دینے والا تصور انسان
حجت کرتا ہے اور انسان کے تمام بہانوں کو قطع کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہی خیال سے آیات الٰہی میں خود
فکر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ چنانچہ اس خیال سے ایک سلیم فطرت انسان چونک جاتا ہے اور اس میں
قلق و اضطراب پیدا ہوتا ہے تو بندہ اپنی نجات کی راہ تلاش کرتا ہے اور حصولِ امن کے ذرائع
ڈھونڈتا ہے۔ کچھ تو اپنے دماغ سے سوچتا ہے اور کچھ دوسروں سے معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
تو بندہ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں پاتا کہ کائنات میں غور و فکر کرے تاکہ خالق کی معرفت و پہچان
حاصل ہو اور تاکہ وہ خدا و بندہ کے تعلق جو اس سے واجب ہے اس یقین حاصل ہو اور یہ جانے کہ
یہ ایک رب ہے جس نے اسے اور تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے۔

تو یہ غور و فکر کرنا اپنے خالق کے تعلق علم الیقین حاصل کرنا ہے جو اس کی عبادت
میں تاثیر پیدا کرتی ہے۔ اسے علم و معرفت کی گہرائی سے اور قریب کرتا ہے۔ یہ علم و معرفت اس بندے کی
بنتا کہ بندے کو عبادت کے معاملہ میں ہر معلومات کی دقیقیت حاصل ہو اور تاکہ اس کو صحیح بصیرت
اور عقل و فکر سے کرے۔ یہ سوچ و بچار اور غور و فکر علم و معرفت کی گہرائی میں داخل ہے۔ بندے
کو بتاتا ہے کہ آخرت کی نجات و کامیابی کرنے والے عمل کے راستے میں اس عقبہ کو طے کرنے سے متعلق معلومات
حاصل کرے۔

ہم نے علمائے آخرت کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ یہ علماء ہی صحیح و مستقیم راہ دکھا
سکتے ہیں۔ یہ علماء ہی اُمت کے چشمہ و چراغ ہیں اور یہی اُمت مسلمہ کی قیادت کے لائق ہیں۔ یہ تو صرف
آخرت کے مسافر کو چاہیے۔ یہ ہی علماء سے استفادہ کرے اور ان کی کتابوں و تحریروں سے۔ کیونکہ یہ
پاکیزہ سیرت لوگوں کی دعا ہی وسیلہ اور رحمت و توفیق خداوندی کا موجب ہوتی ہے۔ تاکہ بندہ ان کی
نیک صحبتوں اور سب تعلیمی کی توفیق سے اپنا راہ آخرت کو طے کر سکے۔

اس علم و معرفت کے ذریعہ جو غور و تفکر یقین کی موجب ہوتے ہیں کہ یہ ایک معبود برحق ہے جس کا کوئی
شریک نہیں اُس نے اپنے پیدا کردہ مخلوق کی ضرورتوں کے لئے زمین و آسمان کو مسخر کر دیا ہے۔ اس
نے اپنے پیدا کردہ مخلوقوں کے لئے کائنات کی ہر چیز کو مسخر کر دیا ہے۔ ان میں خدمت و محبت کا
جذبہ ہے۔ ان کو خوبصورت بنایا ہے۔ اور یہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ جو بندہ

اس کی خدمت وہ عبادت کرے گا تو وہ آخرت میں اسے بخشش کا فیصلہ اور پروانہ عطا فرمائے گا اور اس کی
وجہ کشتی کرنے والے کو دائمی عذاب میں مبتلا کرے گا۔

تو یہ یقین و معرفت بندے کو اپنے مالک و مولیٰ کی خدمت و عبادت پر ابھارتے ہیں اور اس
آقا کی خدمت کی ترغیب دیتے ہیں جس نے اس کو ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائیں اور بندہ ان نعمتوں سے
اس آقا کی نافرمانی کرے تو اسے بارگاہ سے اس کی پہچان و معرفت محو ہو جاتی ہے اور وہ اپنے
جاہل ہوتا ہے۔

اگرچہ بندہ اس معرفت و پہچان سے رب تعالیٰ کی عبادت و خدمت کی ادائیگی سے قاصر ہوتا ہے
لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی عبادت کیسے کی جاتی ہے اور اس سے بندہ کن باتوں
میں کیا کیا چیزیں لازم ہیں۔ اس لیے مذکورہ دو عقیدوں کے ساتھ ساتھ فرائض سیکھنے کی ضرورت
پڑتی ہے جن کا تعلق بندے کے ہر وہ عمل سے ہے جس کا بندہ جب فرائض کی ادائیگی کرتا ہے تو
اب انہیں عملی طور پر بجا لانے کا ارادہ کرتا ہے جب تک ارادہ نہ ہو تو بندہ کچھ نہیں کر سکتا
کے گناہوں اور معاصی سے توبہ کرتا ہے۔ اور یہ کہ لوگوں کا حال ہے۔

تو جب بندہ اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوتا ہے تو دل میں گناہ کرنے کی نفرت پیدا ہوتی ہے تو جب
ہو سکتا ہے جبھی اس کے دل سے گناہوں کی محبت نکل جاتی ہے اور جب یہ اس گناہ کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ
ہے۔ جب اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے قبل مجھ پر لازم ہے کہ گناہوں سے سچی توبہ کروں تاکہ میں کی
نجاست سے پاک ہو سکوں۔ اور مجھ میں کی خوبیں قید و بند سے فرائض پر کروں تاکہ میں
ہے۔ تو جب بندہ اپنے دل میں گناہوں کی نجاست سے پاک ہو جاتا ہے تو اللہ کی طرف متوجہ ہونے
کی طرف متوجہ ہونے سے قبل توبہ کی ادائیگی لازم ہے۔ اس کی دلیل "عَقَّبَهُ التَّوَّابُ" کے
نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ تو اس بندے کو ضروری ہے کہ پہلے گناہوں کو چھوڑ دے تاکہ اس
مقصود کی طرف متوجہ ہونے کے لائق ہو سکے۔ اس لیے بندے پر لازم ہے کہ پہلے گناہوں
کے ساتھ توبہ کرے اور پھر ہی نیکیاں کرنے کے ساتھ اس گناہ کو چھوڑ کر ہے تب توبہ صادق نصیب ہوتی ہے
اور یہ صادق کرے تو عبادت کی طرف متوجہ ہو۔

مگر جب بندہ توبہ سے فارغ ہو کر عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو عبادت کو بھی ٹھیک

کی بکاؤں اور مشکلات میں گھرا ہوا پاتا ہے۔ ہر بندہ اپنی فریضت کے اعتبار سے اپنی عبادت سے رکتا ہے اور عبادت سے دور کرنے والی چار چیزیں ہیں:

(۱) دنیا۔ (۲) لوگوں سے میل جول۔

(۳) شیطان۔ (۴) نفس

لہذا بندے ان چار چیزوں کو دور سے پہچانا اور دور کرنا ضروری ہے۔ ورنہ بندہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تو ان چار چیزوں کو چار طریقوں سے دور کرے:

(۱) دنیا سے قناعت کرے۔ (۲) لوگوں سے میل جول ترک کرے۔

(۳) شیطان سے محتاط اور چوکنا رہے۔ (۴) نفس پر سختی کرے۔

مگر نفس پر سختی کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے۔ نہ تو بندہ اس سے بالکل بے نیاز ہو سکتا ہے اور نہ ہی شیطان کی طرح اس پر حد سے زیادہ سختی کی جا سکتی ہے کیونکہ عبادت کی منزل طے کرنے کے لیے یہ نفس ہی بندے کی سواری اور واحد ذریعہ ہے۔ اور اگرچہ نفس عبادت کا آلہ اور ذریعہ ہے مگر عبادات میں اس کی موافقت و مساعدت کبھی نہیں کی جا سکتی کیونکہ نیک کام کی طرف نفس کی جبلت میں رغبت ہے۔ یہ تو لہو و لعب کا مشتاق ہے۔ اس لیے اس سے کام لینے کے لیے ضروری ہے کہ اسے تقویٰ کی لگام دی جائے۔ تاکہ یہ بندے میں رہے تو سہی مگر حکم و فرمان بردار ہو کر نہ کہ سرکش و باغی ہو کر۔ تب جا کر نفس نیک کاموں میں اس طرح لگ جائے گا اور بندے کو کہیں بھٹکنے نہیں دے گا۔

ہر بندہ جب چار چیزوں کو روکنے سے بچ لیتا ہے تو خدا کی مدد و اعانت سے اس مرحلے کو جلد طے کر لیتا ہے اور عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اب چند اور موانع اسے پیش آتے ہیں جو عبادت کے لیے فراغت دل جمعی اور یکسوئی پیدا نہیں ہونے دیتے۔ اور یہ موانع بھی تعداد میں چار ہیں:

اول رزق کا ہیجان نفس ہے جو بندے کو اندیشہ میں مبتلا کرتا ہے اور بندے کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تیرے پاس رزق اور غذا نہ رہی تو زندگی کیسے گزرے گی۔ اگر تو دنیا سے کنارہ کش ہو کر اور لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لے تو تیرا رزق کہاں سے آئے گا۔

دوم ہر رشتہ دار و عزیز اس کی محبت میں جو بندے کے دل میں ہر اس چیز کے متعلق پیدا ہوتے

ہیں جس سے انسان ڈرتا ہے یا جس چیز کی امید رکھتا ہے جسے پسند یا ناپسند تصور کرتا ہے۔ اسے نہیں معلوم ہوتا کہ اس کام میں خیر ہے یا شر ہے یا خرابی کیونکہ امور دنیا کے نتائج پوشیدہ ہیں۔ تو بندہ انہی خیالات میں کھو جاتا ہے اور بسا اوقات پراگندہ خیالی کے باعث ہلاکت و تباہی میں جا پڑتا ہے۔

یکسوئی سے عبادت کرنے میں تیسرا عارضہ یہ ہے کہ بندہ جب خلوص قلب سے عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ہر طرف سے دنیوی مصائب و تکالیف اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ کبھی بیماری کبھی فقر و فاقہ کبھی کسی عزیز کی موت کبھی مال کا ضیاع ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ ہر طرف سے مصائب و تکالیف کا ہجوم ہو جاتا ہے تو عبادت میں مشغول ہونے کے بجائے ان مصائب کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔

عبادت کے سلسلے میں چوتھی رکاوٹ نفسانی خواہشات کی ہے جو مختلف حیثیتوں میں بندے پر وارد ہوتی ہے یعنی کبھی آرام کبھی عیش و عشرت کا نفس بھی تجارت و کاروبار کی طرف مائل ہے۔ غرضیکہ جب بندہ عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو نفس کی خواہشات کی گھاٹی بھی عبور کرنا پڑتی ہے۔

یہ عوارض چند چیزوں کے ذریعہ دور ہو سکتے ہیں:

(۱) رزق کے معاملہ میں خدا تعالیٰ پر توکل کرے۔

(۲) خیالات و تفکرات کے ہجوم سے وقت پیشتر ہی کوشش کرے۔

(۳) تکالیف و مصائب پیش آنے پر صبر کرے۔

(۴) قضا کے حق پر راضی رہے۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق اور نصرت سے ان تمام رکاوٹوں کو قطع کر کے عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو پھر اس کو شیطان کے وسوسے کہ عبادت میں لذت نہیں ہے اور عبادت سے رغبت دور ہو جاتی ہے۔ نیک کاموں کی طرف رغبت نہیں ہوتی بلکہ بری باتوں کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ تب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا زیادہ تر دل نفسانی خواہشوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ غرضیکہ ہر طرف سے شیطان کی طرف سے

کے فضل وکرم، اس کے اذن اور اس کی رحمت سے پوری احتیاط اور دانش مندی کے ساتھ عبور کرتا ہے تاکہ اس کی نیکیاں ریا و عُجب وغیرہ جیسی آفتوں سے سالم و محفوظ رہیں۔

جب ان مندرجہ بالا دشوار گزار گھاٹیوں سے گزر جاتا ہے تو اب کما حقہٗ عبادت بجا لانے کے قابل ہوتا ہے اور اب اس کی بندگی تمام عیوب و نقائص سے پاک ہوتی ہے۔ لیکن پھر جب بندہ اپنے عبادت زندگی پر نظر کرتا ہے تو اپنے آپ کو رب تعالیٰ کے بے شمار احسانات، بے شمار نعمتوں اور ہر قسم کی نعمتوں میں ڈوبا ہوا پاتا ہے۔ مثلاً عبادت اور ان مشکل گھاٹیوں کو عبور کرنے کی توفیق، صحت، رسان چیزوں سے حفاظت، دوسری مخلوقات پر عظمت و بزرگی وغیرہ وغیرہ۔ تو ان احسانات و نعمتوں کو یاد کر کے اس کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے کہ کہیں میں ان کے شکر سے غافل نہ ہو جاؤں اور کفرانِ نعمت کے گناہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں اور کفرانِ نعمت کے باعث کہیں اس کے مقصودِ خدا کے بلند مرتبہ سے گر نہ جاؤں اور نہ شکری کرنے سے یہ نعمتیں مجھ سے کہیں چھن نہ جائیں، اور میں اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت اور اس کے الطاف کریمانہ سے محروم نہ ہو جاؤں۔ تو اس لیے وہ شکر کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کثرتِ ذکر و شکر کے ذریعہ اس عَقَبَۃُ الْحَمْدِ وَالشُّکْرِ کو عبور کرتا ہے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے مقصود کے قریب اور اپنے مطلب کو پا لیتا ہے۔

چنانچہ اس کے بعد صفت رضا کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کے الطاف کی زمین اور شوق و محبت کے میدان میں جا پہنچتا ہے۔ پھر رضا کے باغ، انس کے گلستان اور روحانی فرحتوں کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ جب اسے خدا کا قرب خاص عطا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے والوں کی مجلس میں جگہ پا لیتا ہے اور اس کی حضرت سے خاص انعامات و کرامات سے شرف ہوتا ہے تو بندہ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اپنی عمر کے بقیہ ایام روحانی راحت و سرور میں بسر کرتا ہے یہاں تو ہر ہر جسم کے اعضاء سے آرام پاتا ہے اور آخرت میں روحانی اعضاء سے۔

ایسا انسان ہر وقت پیغامِ الٰہی یعنی اس دنیا سے کوچ کرنے کا منتظر رہتا ہے۔ اس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو جاتا ہے۔ دنیا کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ موت کا مشتاق رہتا ہے اور ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہونے کا خواہشمند رہتا ہے۔ چنانچہ خدا کے قاصد جب اس کے پاس جنت کی خوشخبری اور جنت کے فرشتے جنت کی خوشبوئیں لے کر نزولِ حور و جنت میں اس کو پاک روح

مسرت انگیز بشارت اور کامل اُنس و پیار کے ساتھ اس دربانی سے جنت کے باغات کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ وہاں یہ مومن اپنی ضعیف و حقیر جان کے لیے دائمی نعمتیں اور بہت بڑا ملک پاتا ہے اور فضل و کرم کرنے والا مہربان رب سے مرحبا کہتا ہے۔ اپنا قرب خالص عطا کرتا ہے، اور انعام و اکرام کرتے ہوئے اس سے ملاقات کرتا ہے۔ یہ مومن بندہ وہاں ایسے انعامات سے نوازا جاتا ہے جن کے بیان سے بیان کرنے والے عاجز ہیں۔ اور صفت کرنے والے جن کی صفت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اس کو ہمیشہ نئی نئی اور اعلیٰ نئی اور عمدہ عمدہ نعمتیں عطا ہوتی رہیں گی۔

تو ایسے انسان کو کتنی بڑی سعادت نصیب ہوتی ہے اور یہ مومن کتنی بڑی دولت کا مالک بن جاتا ہے اور کتنی عظیم کامیابی حاصل کرتا ہے اور کیسی بلند شان کا حامل بن جاتا ہے۔ ایسے شخص کو ہزار ہزار مبارک۔ کیونکہ اس کا انجام بہت اچھا ہے ——— ہم بھی دربار ایزدی میں التجا کرتے ہیں کہ ہم پر بھی یہ احسان عظیم فرمائے اور ہمیں بھی اس نعمت عظمیٰ سے نوازے ——— اور رب تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں۔

ہم دربار خداوندی میں یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں سے نہ کرے جن کو اس احسان عظیم سے زبانی بیان صرف سننے، سرسری علم اور وقتی آرزو کے سوا عملی طور پر کوئی حصہ نہیں ملا۔ ہم یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ قیامت کے روز ہمارا علم ہم پر حجت نہ بنے۔ اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ثابت قدمی میں استقامت دے۔ وہی سب سے بہتر رحم و کرم کرنے والا ہے ——— اور ہمارے آقا دونوں جہان کے سردار محمد رسول اللہ پر بے حد درود و سلام نازل ہو اور آپ کے صحابہ و آپ کی آل پر بھی۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں زیادہ سے زیادہ شرف و عزت عطا فرمائے۔

یہ ہے اس کتاب کی ترتیب جو میرے مولیٰ نے عبادت کے سلسلے میں مجھے الہام فرمائی۔

اے عزیز نوجوان! اب تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ جان کہ کل سات گھاٹیاں بنتی ہیں۔ پہلی علم کی۔ دوسری توبہ کی۔ تیسری عوائق و موانع کی۔ چوتھی عوارض کی۔ پانچویں بواعث یعنی عبادت پر ابھارنے والی چیزوں کی چھٹی فوادح یعنی ان چیزوں کی جو عبادت میں خرابی پیدا کرتی ہیں۔ ساتویں حمد و شکر کی۔ اس کتاب منہاج العابدین میں انہی سات عقبات کا ذکر ہے۔

ب ہم ہر ایک کی ان شاء اللہ تشریح کرتے ہیں کہ [illegible] ہیں۔ ہم ہر ایک کی شرح الگ الگ باب میں کریں گے [illegible] ورجہ ہے اور اس کے کرنے کے بیان میں دلیل ہے۔ [illegible] وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

پہلی گمراہی علم کے بیان میں

[illegible] اللہ کی توفیق سے کہتے ہیں کہ اسے خوش کی [illegible] اور [illegible] طلب کرنے والے! اللہ تعالیٰ تجھے خیر کی توفیق دے [illegible] حاصل کرے کیونکہ یہ عبادت کی [illegible] کہ جلد اور اس کے [illegible] کے وغیرہ [illegible] حاصل کرنے کے [illegible] وہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پرستش رب کی بندگی عبادت۔ قرآن میں علم و عبادت کو سب سے زیادہ عظمت والی چیز تصور کرنا چاہیے کیونکہ پیدائش کائنات سے مقصود انہی دو چیزوں کا حصول ہے۔ اس لیے بندے کو چاہیے کہ انہی دو کے ساتھ مشغول رہے۔ انہی دو کے حصول کے لیے مشقتیں برداشت کرے اور انہی دو میں غور و فکر کرتا رہے۔

اسے چاہیے کہ فضول کاموں کو چھوڑ دے جن سے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں اور ان کے علاوہ جو چیزیں ہیں جن سے کچھ حاصل نہیں۔ جب تیرے ذہن میں علم و عبادت کی محبت آئی تو تب یہ بات آئی کہ علم عبادت سے افضل و اشرف ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ فَضْلَ الْعِلْمِ خَيْرٌ مِنْ فَضْلِ الْعِبَادَةِ

علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے

وَخَيْرُ دِينِكُمُ الْوَرَعُ۔

اور تمہارے دین کی بہتری پرہیزگاری ہے۔

ایک جگہ آپ نے فرمایا:

نَوْمُ الْعَالِمِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الْجَاهِلِ

عالم کا سونا جاہل کی عبادت سے افضل ہے

وَرُبَّ كَلِمَةٍ مِنَ الْعِلْمِ تَنْفَعُ صَاحِبَهَا

اور کبھی علم کا ایک کلمہ صاحب علم کو فائدہ دیتا ہے

وَتُنْجِيهِ۔

اور اسے نجات دیتا ہے۔

ایک اور جگہ آپ نے فرمایا:

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَشْرَفِ الْمَنَازِلِ

کیا میں تمہیں سب سے زیادہ شرف والے منزل کی خبر نہ دوں

فَإِنَّ الْعِلْمَ يَرْفَعُ صَاحِبَهُ

کیونکہ علم اپنے صاحب کو بلند کرتا ہے

وَيُعَلِّمُهُ۔

اور اسے سکھاتا ہے۔

فضیلت علم سے ثابت ہوا کہ علم عبادت سے افضل ہے لیکن علم کے ساتھ تقویٰ و طہارت نہ ہو تو علم بے فائدہ ہے۔ بغیر عبادت علم کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ علم درخت کی مانند ہے اور عبادت پھل ہے اور درخت کی قدر پھل سے ہوتی ہے۔ لہٰذا بندے کے لیے علم و عبادت دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا گیا کہ تم کو جس حاصل کردہ عبادت کا نقصان نہ ہو اور عبادت اس طرح کرو کہ علم کو نقصان نہ ہو۔ اور یہ بڑی پختہ

بات ہے کہ علم و عبادت دونوں ضروری ہیں۔ مگر پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ علم عبادت کی بنیاد اور اس کا رہنما ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ اِمَامُ الْعَمَلِ وَالْعَمَلُ تَابِعُهٗ۔ علم عمل کی بنیاد ہے اور عمل اس کے تابع ہے۔

علم کا عبادت کی اصل ہونا اور اسے عبادت سے پہلے حاصل کرنا دو وجہ سے ضروری ہے:

ایک اس لیے تاکہ بندہ رب کی عبادت کر سکے اور اس عبادت کو تمام عیوب و نقائص سے محفوظ رکھ سکے۔ کیونکہ بندے پر لازم ہے کہ پہلے اپنے معبود کو پہچانے اور پھر اس کی عبادت میں مشغول ہو۔ اور بندہ اپنے معبود برحق کی عبادت کر ہی کیسے سکتا ہے جبکہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس معبود کے نام کیا ہیں۔ اس کی صفتیں کیا ہیں اور کون سی چیزیں اس کی شان کے لائق ہیں اور کون سی باتیں اس کی شان کے خلاف ہیں۔ ایسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جہالت کی بنا پر بندہ اپنے معبود برحق کے لیے ایسی صفتیں پر تقدس رکھتا ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہوتیں۔ اور اس سوء اعتقادی کے باعث عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔ ہم نے اس عنصر خطرے کی پوری طرح شرح اپنی کتاب احیاء العلوم کے باب التوحید میں کر دی ہے۔

پھر اے عزیز! تجھ پر لازم ہے کہ تو تمام فرائض و واجبات شرعیہ کا علم حاصل کرے جن کا تجھے حکم دیا گیا ہے تاکہ تو انہیں صحیح طور پر ادا کر سکے۔ اور تو تمام امور کا کچھ علم حاصل کرے جو تجھے جائز اور ضروری ہیں تاکہ تو ان سے بچ سکے۔ ورنہ جب تک طہارت و عبادت کی حقیقت، فرضیت و فضیلت اور محرم نہ ہو اس کی صحیح بجا آوری کیسے ہو سکتی ہے۔ اور جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیزیں کن کن اوقات تک کیسے کن سے پرہیز کرنا ہے؟

اس لیے پہلے عبادات شرعیہ جیسے نماز، روزہ وغیرہ کی حقیقت ان کے احکام اور ان کی تمام شرائط معلوم کرنا ضروری ہیں۔ اور پھر ہی درست طریقہ سے ان کو ادا کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے علم کے سبب بہت ممکن ہے کہ انسان نہ صرف اور صرف ایک بہت عمل کو نیک نیتی کے ساتھ کرتا رہے۔ جو درحقیقت اس کی طہارت اور اس کی نماز کو خراب کر رہا ہو۔ بلکہ طہارت اور نماز میں ضعف حتیٰ طریقہ پر ادا ہو رہی ہیں۔ اور کرنے والے کو بالکل علم نہ ہو۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش آتا ہے تو وہ خود سیکھنے کی بجائے ورثہ ہی پر وقت اسے حل کرنے کو کہتا ہے۔ کوئی شخص تو وقت

ہوگی۔

پہلی نماز کی عبادت اور طاعات کی قبولیت کا دارومدار باقی اخلاق فاضلہ پر ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔ جیسے توکل کی حقیقت تفویض رضا صبر، توبہ، انابت، خوف و خشیت کے معانی جن کا مفصل ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ بھی آئے گا۔ ان کے ساتھ ساتھ ان امور کے معانی کا جاننا بھی ضروری ہے جو اس کے سبب ہیں اور جو توکل صبر اور رضا وغیرہ کی ضد ہیں۔ جیسے غفلت طول امل ریا اور تکبر وغیرہ کیونکہ ان خصائل رذیلہ سے بچنا بھی لازم اور ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اخلاق فاضلہ پیدا کرنے اور خصائل رذیلہ دور کرنے کا حکم اپنی کتاب میں واضح طور پر دیا ہے۔ توکل کے متعلق فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

شکر کے متعلق فرمایا:

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۔ اور میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ

کرو۔

صبر کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔ صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

خوف کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ اگر تم ایمان والے ہو تو مجھ سے ڈرو۔

ان طرح دیگر آیات بینات میں اخلاق فاضلہ کے متعلق حکم دیا گیا ہے۔ تو جس طرح نماز، روزہ وغیرہ فرائض کی ادائیگی قرآن پاک کی آیات سے ثابت ہے اسی طرح توکل، رضا، صبر وغیرہ بھی قرآن پاک کی آیات سے ثابت ہیں۔

تو جب توکل وغیرہ بھی ایسے ہی ضروری ہیں تو صرف نماز، روزہ وغیرہ پر ہی سارا زور دینا اور علم خاص کا حاصل نہ بنانا درست نہیں کیونکہ دونوں قسم کے امر کی ادائیگی کا حکم کے متعلق ایک ہی سب نے بیان کتاب میں حکم دیا ہے۔ مگر قرب باطنی اوصاف سے متعلق ہے جو پختہ ہوں اور ایسے لوگوں کے لیے فوز سے کنارے ہیں۔ جو وقت تو انہوں نے دنیا کی کھیتی تصور کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے نیکی

کوئی کام کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے فوراً تیار ہو جاتی ہے۔ افسوس! تم ایسے لوگوں کے لیے فوراً تیار ہو جاتے ہو جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کی کتاب سے دور کرتے ہیں اور تمہیں حکمت اور آیات وغیرہ کے فائدے سے محروم کرتے ہیں۔ تم ان لوگوں کے خلاف کچھ نہیں کہتے جنہوں نے سب سے بڑا پیشہ بنا رکھا ہے اور جو لوگ ان کی مدد کرتے ہیں۔

اسے بھائی کے دیکھنے والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اپنے بڑے فرائض کو تو نہیں پہچانتے اور نفل نماز روزہ وغیرہ میں مشغول ہو۔ فرائض سے تارک ہو کر نفل ادا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ مثلاً ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم پر کئی کئی سال کے قضا روزے ہوتے ہیں اور تم نفل روزے رکھ رہے ہوتے ہو۔ تم پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور تم نفل صدقات دے رہے ہوتے ہو۔ تم پر حج فرض ہوتا ہے اور تم نفل عمرے کر رہے ہوتے ہو۔ تم پر والدین کے حقوق فرض ہوتے ہیں اور تم نفل نوافل میں مشغول ہو۔ اور ان تمام سے بدتر یہ ہے کہ تم دنیا کی ان چیزوں کی امیدیں لگائے بیٹھے ہو۔ اور انہی امیدوں کی بنا پر تم ان امیدوں کو پورا کرنے کے لیے نفل عبادات کرتے ہو۔ تم ان دونوں کے فرق سے جاہل ہو۔ تم دنیا کی امیدوں اور آخرت کی امیدوں میں فرق نہیں کر سکتے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔

جس وقت تم نماز جیسی اہم عبادت کو ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں غافل ہو جاتے ہو اور اس کی عظمت کا خیال نہیں کرتے اور اس کی عظمت کا خیال نہیں کرتے اور اس کی عظمت کا خیال نہیں کرتے

یہ اس لیے کہ جس کو خدا تعالیٰ کی معرفت نہیں ہوتی اس کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسا شخص صحیح معنوں میں رب تعالیٰ کی تعظیم و اطاعت بجا لا سکتا ہے۔ تو علم سے ہی رب کی معرفت اور پہچان ہوگی۔ اور علم کے ذریعہ ہی اس کی عظمت و ہیبت دل میں بیٹھے گی۔ پس علم سے ہی تمام طاعات و عبادات کا پھیل ملتا ہے۔ اور علم کے باعث ہی انسان ہر قسم کی معصیت سے بچ سکتا ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔ رہ عبادت سے مقصود بھی تو یہ دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک اس کی معرفت اور دوسری دل میں اس کا خوف اور ہیبت۔ اس لیے اے راہ آخرت کے سالک! سب سے اول تیرے لیے علم حاصل کرنا لازم اور ضروری ہے۔ اور اللہ ہی توفیق کا مالک ہے۔ ہر وقت یہ دعا کرنی چاہیے کہ اس کا فضل اور اس کی رحمت سب کے شامل حال رہے۔

شاید تم کہو کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ۔	علم کی تلاش ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

تو وہ کون سا علم ہے جس کی تلاش لازم اور ضروری ہے اور درستی عبادت کے لیے کتنے علم کی ضرورت ہے؟ تمہارے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ تین علوم کی طلب فرض ہے وہ تین علم ہیں:

(۱) علم توحید (۲) علم سیرت یعنی جس علم کا تعلق دل اور دل کے متعلقات سے ہے۔ (۳) علم عبادت یہ تین علوم ہیں جتنی مقدار لازم اور ضروری ہے جس سے لازم و ضروری امور کی پوری پوری معرفت و یقین ہو جائے۔

علم توحید سے اتنا حاصل کرے جس سے دین کے اصول معلوم ہو جائیں۔ وہ اصول یہ ہیں کہ:

تمہیں یہ معلوم ہو کہ ہمارا ایک معبود برحق ہے جو ہر شے کو جانتا ہے۔ اور تمام ممکنات پر اس کی قدرت حاوی ہے۔ پورا ہے۔ زندہ کرتا ہے۔ ہمیشہ زندہ ہے۔ ازل سے متکلم ہے۔ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے۔ ایک ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ تمام صفات کمالیہ سے ازلاً ابداً متصف ہے۔ ہر عیب و نقص سے منزہ و پاک ہے۔ اس پر کبھی زوال نہیں آ سکتا۔ امکان کے شائبہ سے پاک ہے۔ اور قدیم بھی صرف وہی ہے۔

اور یہ بھی یقین کرے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور رسول

ہیں اور جو احکام آپ خدا کی طرف سے لائے سب حق ہیں۔ اور آخرت کے بارے میں جو خبریں آپ نے دی ہیں سب حق ہیں۔ پھر ان تمام احکام و مسائل کو بھی معلوم کرے جو سنت ہیں۔ تاکہ خلاف شرع کاموں اور بدعات سے محفوظ رہے۔ اس لیے کہ بدعت میں مبتلا ہو کر انسان سنت کی پیروی سے محروم ہو جاتا ہے اور دین خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

دلائل توحید کے اصول و کلیات کتاب اللہ میں موجود ہیں اور ہمارے مشائخ نے اصول دیانت کی کتابوں میں ان دلائل کو وضاحت سے لکھا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز سے جاہل رہ کر گمراہی میں پڑنے کا خطرہ ہو اس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ علم کی اہمیت کو اچھی طرح ذہن نشین کرو۔ اور توفیق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اور علم سنت سے اس قدر جاننا ضروری ہے جس سے معاملات قلب کے اسباب معلوم ہو جائیں۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ کس کس چیز سے دل کو پاک کرنا ضروری ہے تاکہ دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور تعظیم و اخلاص پیدا ہو۔ نیز ان امور کو جاننا بھی ضروری ہے جن سے نیت درست ہو سکے۔ اور ظاہری و باطنی تمام عبادات ظاہری و باطنی آفات سے محفوظ رہ سکیں۔ اور ان سب امور کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری اس کتاب میں آئندہ آئے گا۔

اور علم شریعت سے اس قدر جاننا ضروری ہے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ امور ضروری ہیں۔ تاکہ ان کو ادا کیا جا سکے۔ جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔ مگر جو زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ کے احکام و مسائل ان کو جاننے کی ضرورت نہیں جن پر یہ فرض نہیں۔ اور جن پر یہ چیزیں فرض نہیں ان پر ان کی جزئیات اور ان کی تفصیلات جاننا ضروری نہیں ——— ان تین علموں سے بس اتنا جاننا ضروری ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

سوال:

کیا علم توحید میں ان تفصیلات و دلائل کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے جن سے مذاہب باطلہ کی تردید ہو سکے اور جن سے عقائد حقہ پر ثبوت کی جا سکے اور جن دلائل سے تمام اثبات و نفی ثابت کیے جا سکیں اور مسئلہ نبوت کی حقانیت واضح کی جا سکے؟

جواب:

اس علم میں ان تمام تفصیل کا جاننا فرض کفایہ ہے۔ یعنی تمام پر لازم نہیں۔ ہاں تمام پر

سوال:

جواب:

سوال:

جواب:

پس اسے علیہ السلام نے کہا کہ میں تجھے کچھ سکھاؤں گا جو تجھے فائدہ دے گا۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں ضرور سکھائیے۔ اور اس نے کہا کہ اگر تم میرے ساتھ رہو گے تو تم کو صبر کرنا ہوگا

لیکن علم حاصل کرتے وقت سب سے زیادہ اخلاص کو نگاہ رکھنا چاہیے۔ روایت کی نسبت
درایت کو زیادہ طلب کرنا چاہیے کیونکہ علم میں خطرات بھی بہت ہیں۔ اس لیے جو شخص اس لئے
سے علم حاصل کرے کہ لوگ اس کی طرف توجہ کریں اور علم کے ذریعہ مراء کی، تکبر حاصل ہو۔ اور
علم کے سبب بحث و مناظرہ کرنے والوں کے سامنے فخر و تکبر کرے اور اس دنیا کو جمع کرے تو ایسے
شخص کی نیت فاسد ہے اور اس کی یہ تجارت تباہ اور اس کا دین دین نقصان دہ ہے۔ اور اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ وَلِيُصْرِفَ	جو شخص علم طلب کرتا ہے تاکہ اس کے ساتھ
بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ	بیوقوفوں کے ساتھ مقابلہ کرے اور اس کے ساتھ
اللّٰهُ النَّارَ۔ مشکوٰۃ،	لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیرے تو
	ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

عَلِمْتُ فِي هٰذِهِ الْمَدِينَةِ سَبْعِينَ سَنَةً	میں نے اس شہر میں ستر سال علم حاصل کیا
فَمَا وَجَدْتُ شَيْئًا أَشَدَّ عَلَيَّ مِنَ	مجھ پر اس سے زیادہ سخت کسی چیز کو نہیں
الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ۔	پایا۔

اس بات سے ہمیں بچنا کہ شیطان کہیں تمہارے ذہن میں یہ وہم نہ ڈال دے کہ جب علم میں
اتنے خطرات ہیں تو اسے حاصل تو نہیں کرنا چاہیے۔ یہ وہم درست نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام
سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّينِ	علم حاصل کرو اگرچہ تمہیں چین میں جانا پڑے
فَإِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ	کیونکہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر
مُسْلِمٍ۔	فرض ہے۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کا فرمان ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ	علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت
مُسْلِمٍ۔	پر فرض ہے۔

تو جو شخص علم نہ سیکھے وہ عبادات فرض سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص
اگر کوئی شخص تمام زمانہ سے فرشتوں جتنی عبادت کرے مگر علم نہ ہو تو وہ خسارہ میں ہی رہے گا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پھر جب ان کے عمال یا فوجی سپاہی وہاں جاتے ہیں تو وہ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جس کا جائز نہ جانا تو اس سے ظاہر ہے کہ ان کی حکومت کی بنیاد ہی ظلم و ستم پر ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایران کے لوگ مسلمانوں کے ساتھ ظلم و بےانصافی کرتے تھے تو مسلمان ان کے ملک پر قابض ہو گئے۔ اور جب ان کے ظلم و ستم کا ہاتھ روم کے عیسائیوں پر پڑا تو وہ بھی مسلمانوں کے زیر حکومت آ گئے۔ اب اگر تم ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو گے جیسا کہ وہ تمہارے ساتھ کرتے ہیں تو تم بھی ان کی طرح ظالم بن جاؤ گے۔ اور دین کے بارے میں تم بالکل ان کی طرح ہو جاؤ گے جو دین کے نام پر ظلم و ستم کرتے ہیں۔ تمہیں ایسے شرف پر مبارک دینی چاہیے۔ تمہارے [illegible] اور تمہیں اس پر بہت زیادہ ثواب ملے گا۔ اور تم نے ہمارے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے اس کا بدلہ تو اللہ ہی تمہیں دے گا۔ ہم تو تم سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمیں دین پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے

[illegible]

دوسری گھاٹی توبہ کے بیان میں

پہلا اے عبادت کے ساتھ جو پہلی منزل طے کرنے سے قبل اپنے ماضی سے توبہ

ا ا ا

اور جھوٹ وغیبت کے ترک ہونے زبان ذکر ہی کے لائق کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لیے گناہوں پر اصرار کرنے والے آدمی کو نیک کاموں کی توفیق نہیں ملتی۔ اور نہ ہی عبادت کرتے وقت پسینے کے قطرے، بدن پر سکون اور سکون پیدا ہوتا ہے۔ ایسا شخص اگر کچھ تھوڑی بہت عبادت کرے گا تو وہ بھی مشقت کے ساتھ۔ پھر بھی اس میں [illegible] ترک ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اگر تو یہ [illegible] اور دن کو روزہ رکھنے کی ہمت نہیں رکھتا تو کم سے کم گناہوں کی وجہ سے بخشے جانے کی امید تو ہو۔

توبہ کے شروع ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ بغیر توبہ کے جو دعا قبول نہیں ہوتیں جس طرح فرض نماز کا قضا ہو جانے سے نفل نماز قبول نہیں ہوتی۔ اور [illegible] اور نہ وہ نہیں قبول کرتا ہے۔ اس لیے [illegible] توبہ کرنا ضروری ہے۔ [illegible] فرض [illegible] نوافل [illegible] قبول ہوتے ہیں۔ [illegible] توبہ [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] اور [illegible] اس کی [illegible] پسندیدہ اور اس کی قبولیت کے لائق ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل [illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible]

سوال:

توبہ کے معنوں کے بارے میں [illegible] اس کے تین ارکان بیان کریں۔

جواب:

[illegible] کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

[illegible] گناہ سے [illegible]

اور [illegible] کی تعریف یہ کی جاتی ہے:

[illegible] گناہ کے پیچھے [illegible]

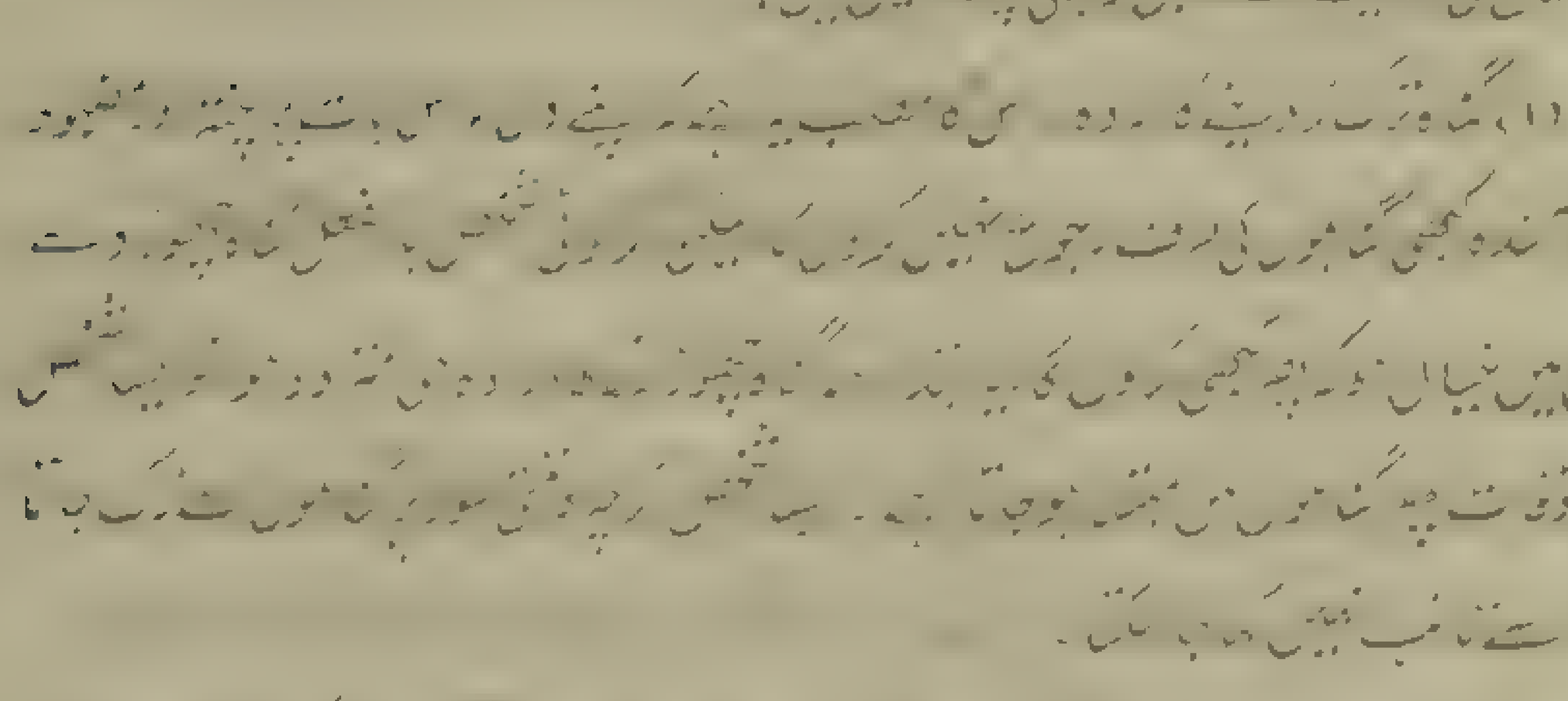

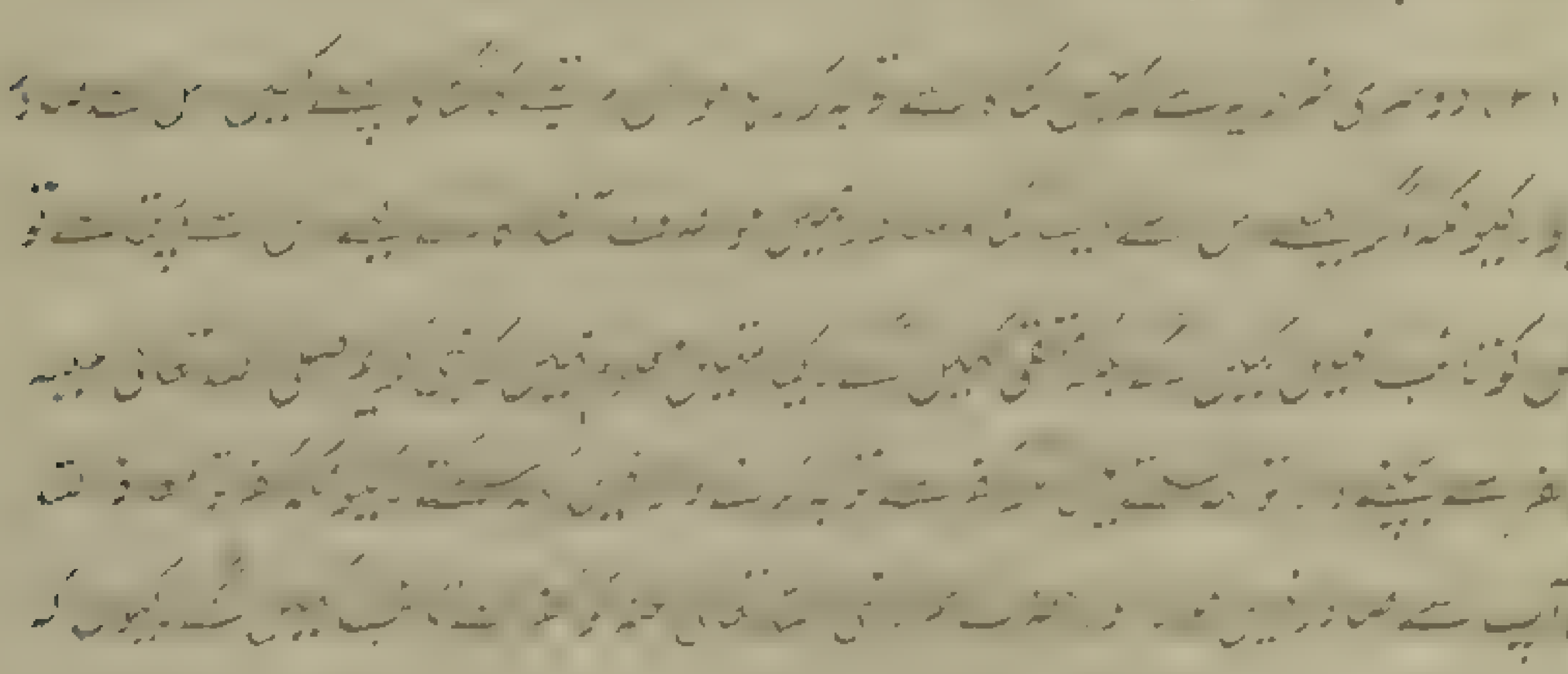

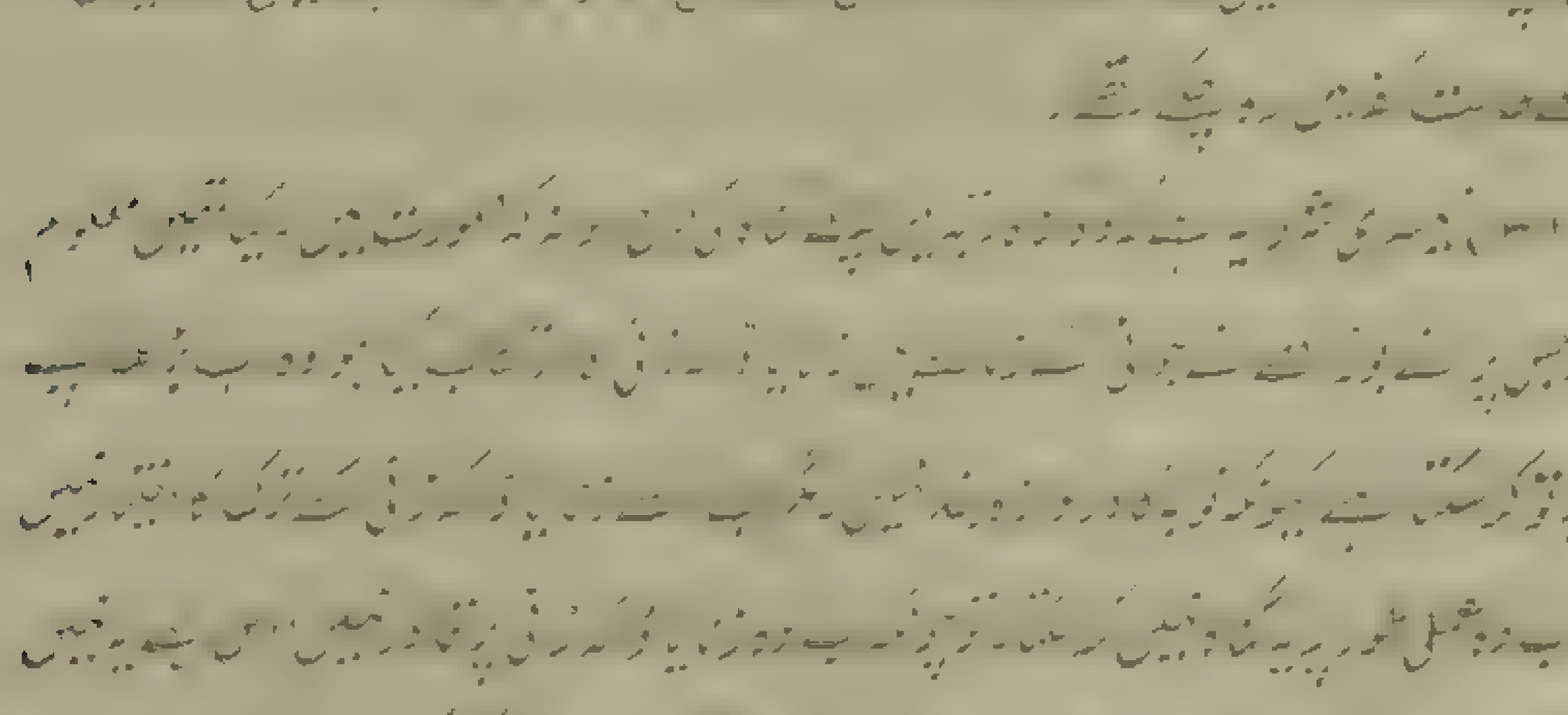

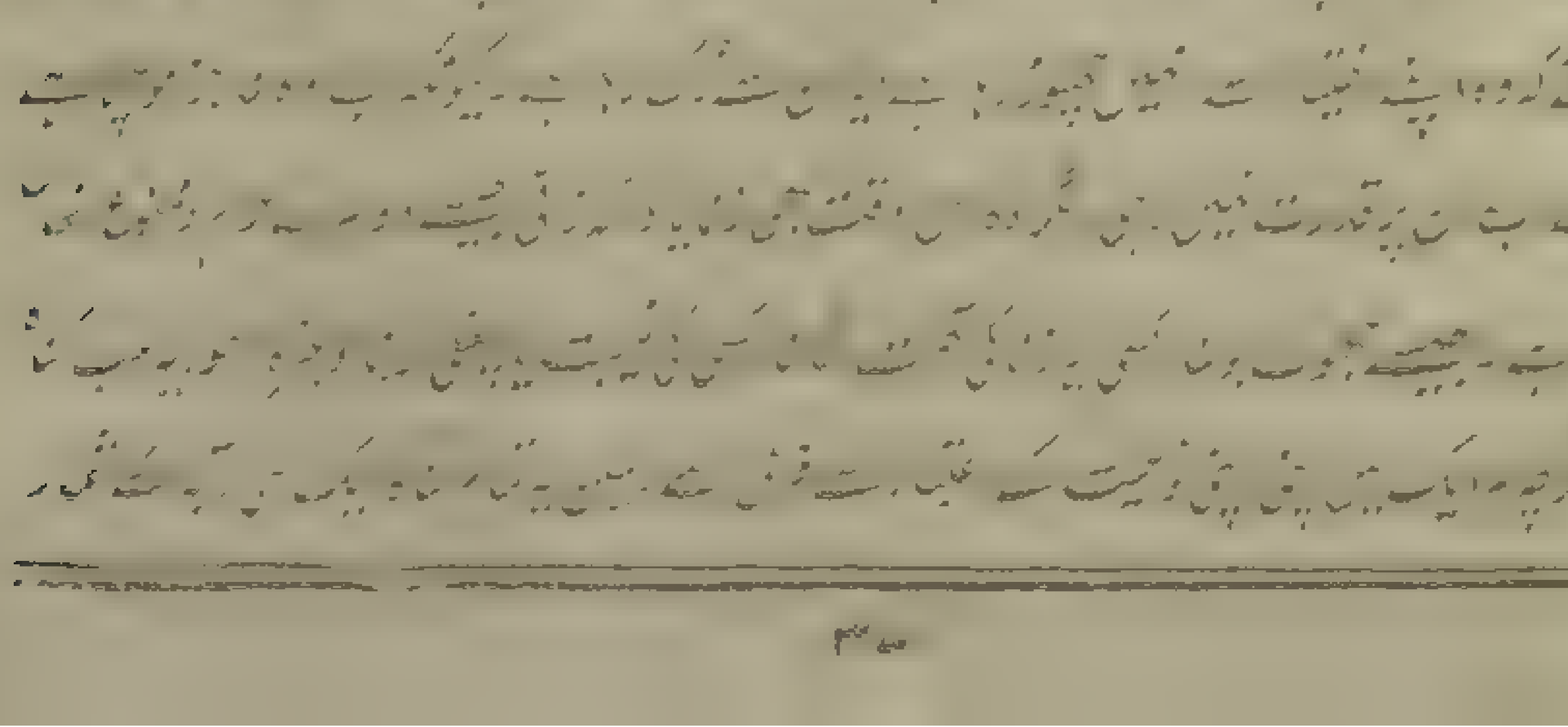

ہوتے ہیں مگر یہ گناہ بدعت کی پیروی سے کمتر ہیں اور بدعت کی پیروی فرعون سے کرتا ہے۔ توبہ توبہ توبہ یا تو کفر کی صورت ہوگی صورۃ توبہ ہوگی۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے علاوہ کسی دنیوی غرض یا لوگوں سے ڈر کر یا مخلوق کی وجہ سے نہ ہو۔

جب توبہ کے یہ ارکان و شرائط پائے جائیں گے تو توبہ اس طور پر ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کہا جائے گا۔

توبہ کے اقسام تین ہیں یعنی تین چیزوں کا توبہ سے پہلے ہونا ضروری ہے۔

اوّل: یہ کہ اپنے گناہوں کو ہمیشہ قبیح خیال کرے۔

دوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدت اور اس کے غضب کی سختی کو دل میں جگہ دے۔

سوم: یہ کہ اپنی مردانگی اور گناہ کے بارے میں پختہ بے حیائی کو محسوس کرے اور اس کا اعتراف کرے۔

کیونکہ جو شخص سورج کی تیز دھوپ برداشت کرتا ہے اور پھر بھی گرمی کے عذاب کو برداشت نہیں کرسکتا وہ دوزخ کی شدید گرمی، جہنم کے قیدیوں کی بیڑیوں اور اللہ تعالیٰ کے زبردست عذاب کو کیسے برداشت کرسکتا ہے۔ دوزخ میں کیسے ہتھوڑے پڑتے اور وہاں کے سانپ بچھو کتنے موٹے ہوں گے۔ وہ سانپ اور بچھو دوزخ کی آگ کے اندر سے اس کے غضب اور غصے کے نشان میں سے ہوتے ہیں ——— ہم بار بار اللہ کے غضب اور عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔

تم اگر ان دہشت ناک امور کو یاد رکھو گے اور ان کے ذکر کی وقت کی پابندی کرتے رہو گے تو خود ہی تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہاری توبہ صحیح ہے ——— اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی توبہ کی توفیق دے۔

سوال:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی تو توبہ کے متعلق یہ تفصیل کہ الندامۃ توبۃ یعنی گناہوں پر پشیمان ہونے کا نام توبہ ہے توبہ کے جو ارکان بیان

کیا اللہ تعالیٰ نے توبہ کا ذکر نہیں فرمایا۔

جواب:

صرف ندامت کو توبہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ گناہوں پر پشیمانی بندہ کے اختیار و قدرت میں نہیں۔ تم اس چیز کو محسوس کرتے ہو کہ بسا اوقات بندہ ایک فعل پر نادم و پشیمان ہوتا ہے، حالانکہ وہ اس ندامت و پشیمانی کو پسند نہیں کر رہا ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ ندامت و پشیمانی بندہ کے اختیار میں نہیں اور توبہ تو اختیاری چیز ہے۔ اس لیے توبہ کا حکم دیا گیا ہے۔ تو اس تشریح سے یہ بات صاف ہو گئی کہ ندامت و پشیمانی یقیناً عین توبہ نہیں، اس لیے مذکورہ حدیث کے وہ معنی نہیں جو تم بیان کر رہے ہو بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت کا تصور کر کے اور اس کے اور دوزخ کے عذاب کے خوف سے جو ندامت اور پشیمانی بندہ کے دل میں پیدا ہوتی ہے بندے کو خالص توبہ پر اس سے مدد ملتی ہے اور پشیمانی ہی توبہ کا حال اور اس کی حقیقت ہے کیونکہ بندہ جب ندامت و توبہ کے مقامات کو پار کرتا ہے تو اس کے دل میں اپنے گناہوں پر ندامت محسوس ہوتی اور یہی ندامت اس کو توبہ کے مقام پر پہنچاتی ہے اور آئندہ کے لیے بہت سی باتوں میں نفع دیتی ہے جن کا ذکر ہم نے کیا ہے اور یہ ندامت توبہ کے لیے بمنزلہ روح کے ہے۔ تو چونکہ یہی ندامت توبہ کا سبب اور توبہ کی حقیقتوں میں سے ہے اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ندامت کو توبہ فرما دیا۔ اس تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھنے کی توفیق دے۔

سوال:

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان ایسے گناہ سے توبہ کرے جس سے اس کی طبیعت و جبلت نفرت کرتی ہو، جیسا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں مختلف فرقوں کے درمیان اختلاف ہے جس کی وجہ سے ان کے متعلق جہالت میں اختلاف ہے کہ وہ اس مرتبہ پر پہنچے یا نہیں

جواب

ایسے درجہ پر پہنچنا جائز ہے کہ کبیرہ گناہ صادر ہونا ممکن ہے لیکن ان کی قباحت اس کے سامنے ہوتی ہے جس کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔

پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ قصداً گناہ معاف نہ ہوں گے بلکہ توبہ سے اگر خدا
ہو جائے تو خدا تعالیٰ رؤف و رحیم اسے معاف کر دے گا۔ اور اسے خدائی توفیق نصیب ہو گی جس
سے بآسانی محفوظ رہ سکتا ہے

گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ کہ میں اپنے نفس پر بھروسا نہیں رکھتا کہ جو عہد میں توبہ
باندھتے۔ اور شاید ہم توبہ پر پختہ رہتے ہوئے بھی ہم میں سے بعض توبہ کے بعد
کا جواب ان لوگوں کے لیے ہے جو کہتے ہیں کہ ہم سے گناہ سرزد ہوتے ہیں
اور لازمی گناہ ہوتے رہیں گے۔ ہو سکتا ہے توبہ کے بعد فعل سے پرہیز ہو۔ آپ نے فرمایا
باقی یہ رہا کہ شاید پھر نہ ہو جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ ہم پر صرف یہ ذمہ
گناہ ترک کر دینے کا ہو جائے۔ باقی سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم
اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ توبہ کرنے والے کو یہ یقین رکھنا چاہیے
نہ رہے تو ہی تمام گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ گزشتہ گناہوں کے متعلق
گزشتہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں۔ توبہ کے بعد ان کی تلافی کرنا
توبہ بھی معاف ہو جاتا کرنی ہے۔ اس لیے اس کا ذکر ضروری ہے۔ جو
کہ ہم پر گناہ ہو جائے۔ ہو سکتا ہے بعض توبہ کرنے والے ہم سے
کہ یہ توبہ کیسے ہے توبہ مقبول کیسے ہو جائے اس کا جواب
ہی توفیق و ہدایت کا ملنا ہے۔

گناہوں کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیے کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا ہے

ایک یہ کہ بندے کے ذمہ کسی کا قرض کردہ گناہ ہو۔ اور دوسرا یہ کہ
نماز روزہ زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔ یہ حقوق اللہ کی قسم سے ہیں
کی تلافی ہو سکتی ہے۔

دوسری قسم حقوق العباد کی ہے۔ اس قسم کے گناہوں کی تلافی مندرجہ ذیل
ہے۔ جیسے کہ کسی شخص کو قتل کیا ہو۔ یا کسی کی جائیداد کو نقصان پہنچایا ہو۔ یا کسی
کی عزت کی خراب کیا ہو۔ تو ان گناہوں کی تلافی کی جائے اور ان کا بدلہ

ترک کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا جائے۔

قیامت خدا تعالیٰ اس صاحب مال کو راضی کر دے۔

لیکن وہ گناہ جن کا تعلق کسی کے دین سے ہوتا ہے ان کے متعلق یہ کہنا کہ اگر کوئی کفر یا بے دینی کا کلمہ کہا جائے تو توبہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے ہی بعض کی معافی بھی کسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ اس کے ساتھ توبہ بھی ہو اور غلطی کا اعتراف کیا جائے اور اگر وہ موجود نہ ہو تو دل میں شرمندہ ہو کر استغفار کرے اور اپنے آپ پر ملامت کرے تاکہ وہ زیادہ سخت نہ ہو جائے۔

خلاصہ یہ کہ جس قسم کے گناہ سے توبہ کرنے والوں کو معافی ملی کر سکتی ہے وہاں ان کو معافی ملی کرو اور نہ معافی اور بخشش کے لیے خدا کی طرف رجوع کرو۔ اس کے دربار میں توبہ و زاری کرو اور صدقہ و خیرات کرو تاکہ وہ تمہارے گناہ معاف کر دے۔ اس لیے کہ خدا کے فضل و رحمت سے یہ بعید ہے کہ وہ توبہ کی صداقت دیکھ کر تمہارے گناہوں کو اپنے خزانوں سے عطا کرنے سے تمہاری طرف سے منہ پھیر لے۔

توبہ کے ارکان و شرائط جو اوپر بیان کیے گئے ہیں جب تک پوری نہ ہوں توبہ قبول نہیں ہوتی و آئندہ کے لیے اپنے دل کو گناہوں سے باز رکھنے کا عہد کر لیا تو پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط پوری نہ کی تو پچھلے گناہوں کی معافی نہ ہوگی۔

پھر تمام گناہوں سے توبہ کی حالت بہت سخت حالت ہے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور اس سے غفلت کرنے والوں کو سخت خطرہ ہے۔ باقی تمام گناہوں سے توبہ جائز ہے۔

اور اس باب میں ہمارا مقصد تمام گناہوں سے توبہ کے احکام بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد صرف ان گناہوں سے توبہ کے احکام بیان کرنا ہے جن کا تعلق دین سے ہے اور جن کے متعلق لوگوں کو بہت کم علم ہے اور جن کی وجہ سے بہت سے لوگ ہلاکت میں پڑ جاتے ہیں۔

پھر تمام گناہوں سے توبہ کی حالت بہت سخت حالت ہے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور اس سے غفلت کرنے والوں کو سخت خطرہ ہے۔ باقی تمام گناہوں سے توبہ جائز ہے۔

کہا ہے شعر

[illegible] [illegible]

وہ [illegible] توبہ [illegible]

اور توبہ کرنے کے بعد گر توبہ توڑ دے اور پھر گناہ شروع کر دے تو توبہ کی حلاوت و نور اس کو
توبہ پر رغبت کرنے کے لیے کافی نہیں اب دوبارہ توبہ کرے تب توبہ کی حلاوت
توبہ ہو اور اس کے بعد توبہ کرنے میں توڑ جائے۔ اس طرح گناہ کے بعد توبہ کرتے رہو اور
جس گناہ سے توبہ کی تھی اس کو دوبارہ کرتے رہو یہاں تک کہ توبہ سے
اعتماد نہ رہے اور کبھی توبہ کرنے کا خیال نہ آئے اور شیطانی وسوسوں میں توبہ سے ہرگز نہ روکے کہ توبہ
بیکار ہے کیونکہ توبہ کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس لیے
آپ فرماتے ہیں:

[illegible] [illegible]

[illegible]

اور خدا کی قسم بار بار توبہ توڑنے والوں پر [illegible] اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہنے
والوں پر اس آیت قرآنی سے [illegible]

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ [illegible]

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ [illegible]

ترجمہ: [illegible]

فصل

غرض جب توبہ کا توڑنا [illegible] سے [illegible] کرنا اور [illegible]
سب [illegible] کرنا [illegible] اور [illegible] توبہ کرنا [illegible]
[illegible] ہیں آپ فرماتے ہیں:

ذَنْبٍ ... ذَنْبِي بَيْنَ يَدَيْ بَقِيَ مِنِّي

رَجَاءٍ ... فَإِنَّ خَيْرَكَ بِي يَبْلُغُنِي رَحْمَتَكَ

بِذَنْبِي وَقْتَ حَيْنِهِ

یہ دعا پڑھ رہے ہیں اس کے شروع کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

يَا مُجْرِيَ عَفْوِهِ ... اے مغفرت و عفو کے جاری کرنے والے

مُنْتَهَى هِمَّةِ الْمُؤْمِنِينَ ... اے مومنوں کی ہمت کی انتہا

يَا مَنْ ... اے وہ ذات

يَا مَنْ ... اے وہ ذات

ذُنُوبُنَا أَنْتَ لَمْ تَزَلْ خُلُقُكَ

مَنْ خُلُقُهُ ... جس کی خلق

أَدْرِكْنِي بِرَحْمَتِكَ ... مجھے اپنی رحمت سے پکڑ لے

سَكَنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ

الرَّحِيمُ

يَا مَنْ ... اے وہ ذات

مَنْ ... جس

يَا مَنْ ... اے وہ ذات

يَا مَنْ ... اے وہ ذات

أَذِقْ بَرْدَ عَفْوِكَ وَحَلَاوَةَ

وَعَفْوِكَ ... اور اپنے عفو

الرَّحِيمُ ... رحیم

شَيْءٍ قَدِيرٌ ... ہر شے پر قادر

اس دعا کے بعد حضور رحمہ اللہ نے مسنون دعا پڑھی اور فرمایا مومنین کی مغفرت کے لیے دعائے مغفرت کرنا ضروری ہے اس لئے ہم دعا کرتے ہیں۔

جب یہ دعا ہو رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ ہر طرف سے نور کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھیں جیسے آج ہی پیدا ہوئے ——— اب تک ان کی دوستی ہمارے ساتھ رہی ہے اور ہمیں ان کی خوب خبر ہے کہ وہ پرانے مخلص اور پرانے خادم ہیں۔ ان کے چہروں پر ایک عجیب نور تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی گرفت سے کون بچ سکتا ہے۔ اور دنیا و آخرت میں گناہوں کی آفت سے کون محفوظ رہ سکتا ہے۔ ورنہ ہر ایک کو اپنے اپنے گناہوں کی سزا ملنی تھی ——— اور اللہ ہی اپنے فضل و احسان سے بچاتا ہے۔

تیسری گھاٹی عوائق اربعہ کے بیان میں

اے عبادت کے طالب! تو یہ سمجھ لے کہ جو موانع اور رکاوٹوں کو دور کرنا بھی تجھ پر لازم اور ضروری ہے تاکہ تیری عبادت درست اور مقبول ہو سکے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ موانع چار ہیں:

اوّل دنیا اور جو کچھ اس میں ہے۔

اس رکاوٹ کو دور کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ تو اس سے تجرد اور علیحدگی اختیار کرے اور دل سے اس کی محبت نکال دے۔ یہ تجرد دو وجہ سے ضروری ہے۔ ایک تو اس لیے کہ تو عبادت کی لذت سے آگاہ ہو اور اس میں دلچسپی پیدا ہو سکے۔ کیونکہ دنیا کی مشغولیت تیرے ظاہر و باطن کو عبادت سے روکے گی۔ ظاہر تو اس طرح کہ تو طلب دنیا کے لیے دوڑتا پھرتا رہے گا۔ اور باطن کو اس طرح کہ تیرے دل میں طرح طرح کے وسوسے اور دعوے پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور یہ روداد و وسوسہ دونوں ایک وقت میں نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ دل ایک ہے تو جب وہ ایک چیز کے ساتھ مشغول ہوگا تو اس کی ضد کے ساتھ اسی وقت مشغول نہیں ہو سکتا۔ اور دنیا و آخرت کی مثال دو سوکنوں کی سی ہے۔ ہر ایک کو خوش کرو گے دوسری ناراض ہو جائے گی۔ اور دنیا و آخرت کے درمیان مغرب و مشرق جتنا فاصلہ ہے۔ جتنا ایک کے قریب ہوتے جاؤ گے دوسری سے دور ہوتے جاؤ گے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں منقول ہوا ہے کہ ان کا ثوت مند رجہ ذیل وحی سے ہوا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نازل فرمائی گئی:

يَا مُوسَىٰ إِنِّي خَلَقْتُ الدُّنْيَا	اے موسیٰ! میں نے دنیا کو
مَمْلُوءَةً مِنَ الْآفَاتِ	مصیبتوں سے بھرا ہوا
وَخَلَقْتُ الْآخِرَةَ	اور آخرت کو

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

لَوْ وَافَى الْعَبْدُ بِجَمِيعِ الْخَيْرِ	اگر بندہ تمام بھلائیوں

اجتمعتا لم تحصل الا للہ سبحانہ	مرسکیں تو مجھے دونوں نصیب نہیں ہوسکتیں
من القوۃ واللین۔	متفرق سے قوت اور نرمی دونوں حاصل ہوتی ہیں

تو جب معاملہ یہ ہے کہ دونوں کا اجتماع مشکل ہے تو فنا ہونے والی (دنیا) کا نقصان گوارا کرلو اور حفاظت والی چیز یعنی آخرت کو نہ چھوڑو۔ باقی رہنے والے کے باطن کا دنیا کے ساتھ مشغول ہونا۔ تو

اس کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ	جس نے دنیا کو پسند کیا اس نے آخرت کا نقصان
وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ	کیا، اور جس نے آخرت کو پسند کیا اس نے دنیا کا
بِدُنْیَاہُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی	نقصان کیا۔ تو اس کو ترجیح دو جو ہمیشہ باقی رہنے
مَا یَفْنٰی۔	اور فنا ہونے والی ہے اس کو چھوڑ دو جو موصوف ہے فنا سے

ان گزشتہ روایات سے تجھ پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جب تک تیرا ظاہر و باطن دنیا کے ساتھ مشغول رہے گا، کما حقہٗ عبادت نہیں ہوسکے گی۔ مگر جب تو دنیا سے بے رغبت ہوجائے گا اور تیرا ظاہر و باطن کو دنیا سے خالی اور فارغ کردے گی تو تجھے کما حقہٗ عبادت بجا لانی نصیب ہوجائے گی۔ بلکہ تیرا ظاہر و باطن اعضاء تیرے معاون و مددگار ہوجائیں گے۔ حضرت حارث فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا زَھَدَ فِی الدُّنْیَا	جب بندہ دنیا سے زہد و بے رغبتی اختیار کرتا ہے
اِسْتَنَارَ قَلْبُہٗ بِالْحِکْمَۃِ	تو اس کا قلب حکمت سے منور ہوجاتا ہے اور
وَنَطَقَتْ جَوَارِحُہٗ فِی	اس کے اعضاء عبادت کے سلسلہ میں اس کے
الْعِبَادَۃِ۔	معاون و مددگار بن جاتے ہیں۔

عوائق اربعہ کو دور کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عوائق ختم ہوجانے کے بعد تمہارے اعمال صالحہ کی قدر و قیمت بڑھ جائے گی اور ان کی عظمت و مرتبہ زیادہ ہوجائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

کَانَ مِنْ رَجُلٍ عَالِمٍ زَاھِدٍ	ایک عالم زاہد کی دو رکعت نماز
قَلْبُہٗ خَیْرٌ وَاَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ جَلَّ	اس تارک دنیا عابد کی عبادت سے

جہاں عبادت المتعبدین کی — قیامت تک کی عبادت سے افضل و

خزانہ ھر ابد سرمدی — اعلیٰ ہے۔

توجب دنیا میں زہد ورع سے علیحدگی اختیار کرنے سے عبادت کی عظمت زیادہ ہوتی ہے اور اس میں مشقت اور تعب بھی ہوتی ہے تو طالب عبادت پر لازم ہے کہ زہد و تجرد کو راستہ اختیار کرے۔

سوال: زہد کے کتنے درجے ہیں اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: علماء نے اس مسئلہ کے بارے میں زہد کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) زہد مقدور (۲) زہد غیر مقدور زہد مقدور یعنی وہ زہد جو بندہ سے اختیار میں ہے۔ وہ تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے:

(۱) دنیا کی حرص اور محبت کو دل سے کم کرے۔

(۲) جو موجود ہو اس کو راہ خدا میں خرچ کر دے۔

(۳) دنیا کی ستائش اور تعریف کو ناپسند کرنا ترک کر دے۔

جس شخص میں یہ تین صفتیں موجود ہوں وہ زاہد ہے۔

لیکن زہد غیر مقدور یعنی وہ زہد جو بندہ کے اختیار میں نہیں یہ ہے کہ اس کا دل دنیوی اشیاء کو حاصل کرنے کے شوق سے سرد پڑ جائے۔ زہد غیر مقدور زہد مقدور کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ زہد مقدور غیر مقدور کا ذریعہ و سبب ہے۔ جو شخص بندے کے پاس نہ ہوں جب ان کی طلب جاتی رہے اور جو چیز موجود ہے اس کو راہ خدا میں خرچ کر دے۔ اور ثواب آخرت کی نیت سے دنیا و اسباب دنیا کی آفات سے ڈرتے ہوئے بندہ جب آئندہ کے لیے مال دنیا کے حاصل کرنے کا ارادہ اور اس کی آرزو دل سے نکال دے تو اس کے ذریعہ دل میں دنیا کی طلب سرد پڑ جائے گی۔ اور دنیا و اسباب دنیا کی طلب دل سے سرد پڑ جانا ہی حقیقی زہد ہے۔

پس یہ جاننا چاہیے کہ زہد مقدور کی تیسری جزء یعنی طلب دنیا کا سرد ہو جانا دل سے نکال دینا بہت مشکل ہے کیونکہ بہت سے لوگ جو دنیا سے تو تارک دنیا ہیں مگر ان کے دلوں میں دنیا کی محبت پنہاں ہوتی ہے ایسا شخص کی تشفی میں مبتلا رہتا ہے۔ حالانکہ زہد کی اصل نشان اس تیسری جزء سے ہی پہچانا جاتا ہے کہ یہ قصہ تو ہندو بزرگ کے یہ ارشاد نہیں سنے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۔ الخ

ہم آخرت کا گھر صرف ان لوگوں کو عطا کریں گے جو دنیا میں سرکشی و فساد کا ارادہ تک نہیں کرتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخلے کا حکم ان لوگوں کے لیے بتایا ہے جو سرکشی و فساد کا ارادہ نہیں کرتے۔ ان کیلئے نہیں بتایا جو سرکشی و فساد طلب نہیں کرتے یا عملی طور پر نہیں کرتے۔ یک مقام پر فرمایا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۔

(پ ۲۵)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اس کھیتی کو اور زیادہ ترقی دیتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اسے کچھ دے دیتے ہیں۔ مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہتا۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ ۔ الخ

جو شخص اس دنیا کو چاہتا ہے ہم اس کو اپنی مشیت کے مطابق اس سے کچھ دے دیتے ہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا ۔ الخ

جس نے آخرت کو چاہا اور اس کے لیے کوشش کی۔

تو تم ان تمام مندرجہ بالا آیات کا مطالعہ کرتے کہ ان تمام میں ارادے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ارادہ ایک بہت بڑی چیز ہے۔ لیکن جب انسان پہلی دو چیزوں یعنی موجودہ مال (زر حق میں صدقہ کرنا اور غیر موجود کی طلب بے نیاز ہونا) پر عزم (استقلال) سے عمل شروع کرے۔ تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے طلب دنیا کے ارادے کو بھی کلی طور پر دل سے نکال دے کیونکہ وہ ذات نہایت فضل و کرم فرما ستودہ ہے۔ پھر جس چیز سے رہ خدا میں دل کا شانے اور ترک دنیا پسند ہوتی ہے۔ اور جو شے اس سلسلے میں آسانی کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ آفات دنیا

اور اس کے عیوب کو ذہن میں ٹھہرایا جائے۔

مذمتِ دنیا کے متعلق مشائخ رحمہم اللہ کے بہت اقوال ہیں۔ چنانچہ بعض مشائخ نے فرمایا ہے

ترکتہا لقلۃ غنائہا وسرعۃ	میرے دنیا سے متنفر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ
فنائہا وخستہ شرکائہا۔	تھوڑا وقت اسان و دوستی کرتی ہے اور جلد ہی
	فنا ہو جاتی ہے اور جتنے اس کے طالب ہیں سب خسیس اور کمینے ہیں

میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مذکورہ بالا قول سے بھی دنیا کے ساتھ تعلق کی برائی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی شئ سے جدائی کا شکوہ کرتا ہے وہ درحقیقت اس کے وصال کا آرزومند ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی شئ سے بنا پر عیبدگی اختیار کرتا ہے کہ اس میں اور بھی شریک ہیں۔ وہ درحقیقت اس امر کا خواہشمند ہوتا ہے کہ کاش میں اکیلا ہی اس کا مالک ہوتا۔ اس لیے مذمتِ دنیا کے متعلق زیادہ درست وہی ہے جو میرے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا:

الدنیا عدوۃ وانت محبۃ و	دنیا خدا کی دشمن ہے اور تو خدا کا دوست ہے
من احب عدا ابغض عدوہ	تو ممکن ہے کہ کسی دوست کہتا ہو وہ
	پسند دوست کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

میرے شیخ نے یہ بھی فرمایا:

ان الدنیا فی اصلہا وسخۃ	کیونکہ یہ دنیا درحقیقت بہت بھیانک اور
جیفۃ لا تری ان اخرھا الی	بدبودار چیز ہے کہ اس کے نزدیک کے لوگ
القذر والفساد وانت ان تنظر و	دیکھتے ہیں کہ اس کے انجام کار بدبودار
تشمھا تنفر لکنہا	گندگی بن جانے میں اور بہت جلد
تشمخت بمعیب و طویت	اس کی زیب و زینت اور اچھی چیزیں خراب پژمردہ
بزینۃ۔	اور فنا و معدوم ہو جاتی ہیں۔ اگر اس کے ہر نوش
	کو دیکھا جائے۔

تو غافل اس کے ظاہر کو دیکھ کر اس کے دھوکے میں آ گئے مگر دانا لوگوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی۔

سوال: کیا زہد اختیار کرنا فرض ہے یا نفل؟

جواب: مشائخ اہل سنت کے نزدیک زہد دو چیزوں سے ہوتا ہے۔ ایک حرام سے، دوسرے

حلال سے۔ حرام اشیاء سے زیادہ فرض ہے اور حلال سے مستحب۔ چنانچہ دنیا میں کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جس کا استحقاق حاصل ہے ان کے نزدیک حرام ایسا نجس و مردار چیز کی طرح ہے۔ خدانخواستہ اگر اس کے استعمال کی ضرورت پیش آئے تو بہت معمولی اور بقدر ضرورت استعمال کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ مگر ابدال و کاملین کے نزدیک حلال بھی ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا مردار کی مانند ہے وہ حلال بھی بقدر ضرورت و حاجت ہی استعمال کرتے ہیں۔ باقی رہا حرام تو ان کے نزدیک سانپ کی مانند ہے اس کے استعمال کا تو ہم تک نہیں آتا۔ دل کے دنیا سے نکل جانے کا یہی مطلب ہے کہ جب دنیا کے پراگندہ خیالوں سے دل پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اور یہاں تک دنیا کی نفرت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے کہ وہ اسے سخت گندی اور مکروہ شئی سمجھنے لگے۔ یہاں تک کہ طلب دنیا کا کوئی ذرہ دل میں نہ رہے۔

سوال:

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عجیب عجیب شہوتوں اور لذتوں سے آراستہ پیراستہ دنیا کو انسان ایک گندے مردار کی طرح سمجھنے لگے۔ خاکسار ہم جیسے کمزور ضعیف و ضعیف طبیعت تو ایسا نہیں ہو سکتے۔

جواب:

اللہ تعالیٰ جس انسان کو اپنی خاص توفیق سے نوازتا ہے اور جو آفات دنیا سے واقف و آگاہ ہو جاتا ہے تو دنیا اسے ایسی ہی حقیر و ذلیل معلوم ہوتی ہے۔ مرجو بیوقوف اس کے عیوب اور اس کی آفات سے اندھا ہے اور اس کی ظاہری خوبصورت زینت سے فریب خوردہ ہو وہ دنیا کے متعلق ایسے تصور سے تعجب ہی کرتا ہے۔ اور وہ دنیا کو حقیر و ذلیل سمجھنا ناممکن خیال کرتا ہے میں ایک ہی مثال دیتا ہوں جس سے دنیا کی حقیقت تم پر روشن و روشن ہو جائے گی

ایک شخص بہت سی اشیاء ذکر کر کے عمدہ سے عمدہ کھانا تیار کرتا ہے۔ تیار کرنے کے بعد اس میں سے ایک قطرہ ڈال دے۔ اس کے بعد اس وقت ایک شخص تو دیکھ رہا تھا کہ مردار سے بنا ہے جب دونوں کے سامنے وہ بہترین و عمدہ کھانا لے کر رکھا جائے تو بتلائیے اس کی طرف رغبت ہوگی۔ بلکہ کھانے کا خیال بھی نہیں کرے گا۔ اور اس سے

نزدیک ہے جلد وہ پیٹ میں آگ دینے سے بھی زیادہ مشتعل ہوتا۔ کیونکہ وہ اس کی اندرونی آفت سے واقف ہے۔ وہ اس کی ظاہری چمک دمک سے دھوکے میں نہیں آئے گا مگر دوسرا شخص جسے آئندہ پیش آنے والی مصیبت کا علم نہیں وہ اس کی ظاہری چمک دمک سے فریب میں آجائے گا۔ وہ حرص و لالچ سے حملہ پر ٹوٹ پڑے گا اور اپنے سامنے پڑی اس چیز سے نفرت کی وجہ سے تعجب کرے گا۔ بلکہ اسے آسمان اور زمین کی ہر شے بھی بعینہٖ اسی طرح ہیں جو بالبصیرت متقی مومن کے سامنے ہیں۔ مگر حرام کے نقصانات سے بے خبر لوگ اس پر فدا ہو رہے ہیں۔

اور اگر حسد و بغض کرنے والے حسد میں زہر کی ملاوٹ نہ کی ہو جبکہ اس میں تھوک دیا ہو یا ناک صاف کی ہو اور اس تھوک وغیرہ کو حلوہ میں ملا کر دوست کے سامنے رکھ دیا ہو، تو جو آدمی اس کا زہر کو دیکھ رہا ہو وہ تو اس حلوے سے کراہت اور نفرت کا اظہار کرے گا اور سوائے اشد ضرورت کے اسے کھانے پر رضامند نہیں ہوگا لیکن جو شخص مذکورہ زہر سے ناواقف ہوگا وہ اس کی عمدگی اور لذت سے متاثر ہو کر خوشی خوشی سب چٹ کر جائے گا بلکہ اس پر فرحت و پسندیدگی کا اظہار کرے گا۔

یہ دنیا کے حسن کی مثال ہے۔ جو اہل بصیرت و متقی مومن ہیں وہ دنیا سے صرف بقدر حاجت استعمال میں لاتے ہیں مگر اس تھوک سے من و عن اسی طرح ڈرتے ہیں۔ دیکھیے یہاں دونوں قسم کے لوگوں کی خلقت و طبیعت تو برابر ہے مگر علم و بصیرت کی بنا پر دونوں کے افعال میں کتنا فرق ہے۔ مگر جس کا دل ناواقف کو تمیز نہ کر سکا علم تو ضرور وہ اس سے اجتناب کرتا اور اس واقف آدمی کو مذکورہ آمیزش کا پتہ نہ ہوتا تو وہ اس بے خبر شخص کی طرح ناواقف سب حلوہ ہڑپ کر جاتا۔ غرض اس بیان کردہ مثال سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ فرق طبیعت و خلقت کی وجہ سے نہیں بلکہ علم و بصیرت کی بنا پر ہے۔ یہ فرق ایک محسوس اور پختہ چیز ہے۔ سو اس کے خلاف اعتقاد رکھنا کس کی دشمنی کا نتیجہ ہے گا ——— واللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہدایت و توفیق کا مالک ہے۔

سوال: کیا نہ پینا دنیا کا ہونا ضروری ہے۔ جس سے تمباکو اور ہمارے اہل وعیال کی

زندگی قائم رہ سکے۔ تو دنیا سے کُلّی طور پر علیحدگی کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب:

زہد سے مقصود یہ ہے کہ فضول، زائد اور غیر ضروری اشیاء سے اجتناب کیا جائے۔ بایں طور کہ صرف اس قدر طاقت و قدرت موجود رہے جس سے عبادت و طاعت خداوندی دائم ہو سکے۔ تعیش کی تابینا اور لذت گیر قوتیں مقصود نہ ہوں۔ اور خدا تعالیٰ کو اس پر بھی قدرت ہے کہ تمہیں سبب و ذریعہ سے زندہ رکھے یا بغیر کسی ظاہری سبب کے۔ جیسے ملائکہ کہ ان مادی اسباب و ذرائع کے بغیر ہی زندہ ہیں۔ خدا تعالیٰ کو اس کی بھی طاقت ہے کہ تمہیں تمہارے پاس موجود شئی کے ذریعہ زندہ رکھے یا ایسی شئی مہیا فرما دے جس کا تمہیں وہم و گمان تک نہ ہو۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا	جو تقویٰ و پرہیزگاری کو اختیار کرے تو
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ	تعالیٰ اسے اس جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں
	اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

اس لیے اگر تم تقویٰ پر کاربند ہو جاؤ تو تمہیں بقاء حیات کے لیے طلب دنیا وغیرہ کی حاجت نہیں۔ اور اگر زہد کا یہ درجہ تمہیں حاصل نہ ہو تو زادِ آخرت و تقویٰ کی نیت سے تلاش کرو۔ شہوت و لذت کی غرض سے تلاش نہ کرو۔ کیونکہ جب تمہاری نیت بخیر ہو گی تو یہ طلب آخرت میں ہی شمار ہو گی۔ اور اس طرح تمہارے زہد میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اس مذکورہ بیان کو بھی رجحان ذہن نشین کرو۔ وباللہ التوفیق۔

دوسری رکاوٹ مخلوق سے میل جول:

پھر مخلوق سے علیحدگی اور عزلت بھی لازم ہے اور اس کے دو سبب ہیں:

ایک یہ کہ تم میل جول میں مبتلا ہو کر عبادت سے محروم ہو جاؤ گے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے پاس سے گزرا جو بحث و مباحثہ میں مشغول تھی اور ایک شخص ان سے تھوڑی دور ہٹ کر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس سے قریب ہو کر اس سے گفتگو کرنی چاہی تو اس نے جواب دیا "میں ذکر خدا میں مشغول ہوں۔ تم گفتگو کرنے سے زیادہ محبوب سمجھتا ہوں"۔ میں نے کہا تم یہاں کیسے بیٹھے ہو۔ تو اس نے کہا "میں یہاں نہیں ہوں میرے

ساتھ کہ تیرا رب ہے اور کوئی نہیں۔ اس کے بعد میں نے اس سے سوال کیا۔ مخلوق میں سے
کرنے والوں میں بہتر کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا۔ جس کو خدا نے بخش دیا ہو۔ میں نے پوچھا یہ بھی بتا کہ کونسی
ہے؟ تو اس نے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا اور چل پڑا۔ چلتے وقت وہ یہ کہہ رہا تھا کہ
تیری شر مخلوق سے تیرے ذکر سے غافل رکھنے کی کوشش ہے۔

تو معلوم ہوا کہ مخلوق کے ساتھ تعلقات عبادت سے غافل کر دیتے ہیں بلکہ عبادت سے روک دیتے
ہیں بلکہ جس کو فالتو وقت مل جائے اور آخرت میں ڈال دیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے
فرمایا ہے:

میں نے مخلوق سے بڑی چیزیں طلب کیں مگر نہ مل سکیں۔ میں نے ان سے کمانا بدرجہ بہتر
سمجھا مگر وہ نہ کر سکے۔ میں نے کمانا بدرجہ بہتر سمجھا تو یہ کام بھی نہ کر سکے۔
میں نے کہا کہ بدرجہ بہتر کے لیے تم سے کشتی کروں تو نہ لڑ سکو۔ فن تو نہ کر سکو کہ کشتی پر نازل ہو گئے۔
میں نے کہا کہ بدرجہ بہتر کے حاصل کرنے میں تم ہمت نہ ہارو، مگر وہ روکنے سے باز نہ آئے۔ آخر میں نے
کہا کہ خدا کی نافرمانی کی طرف تو نہ بڑھو۔ مگر انہوں نے میری اس بات کو بھی تسلیم نہ کیا۔ جب لوگوں سے
یہ کوئی مدد بھی پوری نہ ہوئی تو میں ان سے کنارہ کش ہو گیا اور خلوت نشینی میں مشغول ہو گیا۔

سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشہ نشینی کی حقیقت، گوشہ نشینی کے زمانے اور اس
زمانے کے لوگوں کی وضاحت فرما دی ہے۔ وہ حکم دیا ہے کہ جب وہ وقت اور زمانہ آئے تو مخلوق سے
بالکل کنارہ کش ہو جانا اور نہ تمہارا دین تباہ اور آخرت برباد ہو جائے گی۔ اور یہ واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے صحابہ ہم سے زیادہ اچھے تھے اور آپ تو ہم سے زیادہ ہمارے خیر خواہ تھے۔ تو ہم
اور زمانہ پاتے ہیں آپ نے عزلت کا حکم دیا ہے تو آپ کے حکم کی ضرور تعمیل کرو اور آپ کی نصیحت پر عمل کرو
اور یہ دلیل نہ کرو کہ ہم نبیوں کو حضور سے بہتر جانتے ہیں۔ اور عزلت و گوشہ نشینی کے لیے
یہ دلیل نہ کرو۔ اور دینی حیلوں کے ذریعہ اپنے دل کو نہ بہلاؤ۔ اگر اس نازک وقت میں حضور کے
حکم کی تعمیل نہیں کرو گے تو ملک و مال برباد ہو جائے گا اور آخرت میں تمہارے لئے کوئی چیز نہیں بچے گی۔

ایک مشہور حدیث میں جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے زمانہ گوشہ نشینی
کے وقت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں ایک دفعہ ہم حضور کی خدمت میں حاضر

تھے۔ قنوت کا ذکر ہوا تھا۔ تو آپ نے فرمایا:

ذا رایتہ ان من حجت	جب تم دیکھو کہ [illegible]
عہود حدہ وخفت ان تنتہ	وہ [illegible]
وکانوا ھکذا و تشبک بین	ہیں [illegible]
اصابعہ فی نزد بیتہ اصبت	[illegible]
علیت سانت۔ وخذ ما تعرف	[illegible]
ودع ما تنکر وعلیک بامر	[illegible]
خاصۃ وایاک وعامۃ	[illegible]
وعلیک بمنزلک	[illegible]

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زمانہ نزاہت کی یہ نشانی بیان فرمائی ہے:

[illegible] یعنی اس وقت گوشہ نشینی لازم ہے جب حاجیوں سے [illegible] سے کیا مراد ہے، تو آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے ہمنشینوں سے بے خوف و [illegible] ہو۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے [illegible] بن عمیرہ کو فرمایا:

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

حضرت حرث بن عمیرہ سے یہ سن کر [illegible] تو آپ نے فرمایا:

اذا [illegible]	جب [illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

[illegible] حضور ﷺ زمانہ سعادت کی جو علامات بتائی ہیں وہ سب کی سب ہمارے زمانے
میں موجود ہیں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پانچویں صدی کی حالت بیان کر رہے ہیں آج
چودھویں صدی کا اختتام ہے۔ [illegible] کی ہیبت و صورت کا خود اندازہ لگائیں۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قریب کے لوگوں نے علیحدہ رہنے کی سخت تاکید فرمائی
تھی۔ وہ خود ہمارے سامنے ہیں اور اختلاف ہونے کے باوجود [illegible] کی تاکید فرماتے ہیں۔
اور بلاشبہ وہ لوگ ہم سے بہت زیادہ صاحب بصیرت تھے۔ ان کے بعد کا زمانہ ان کے زمانے سے
بہتر نہیں بلکہ دین غلبہ سے زیادہ دور اور غائب ہے۔

حضرت یوسف بن اسباط نے فرمایا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ سے قسم کھا کر
فرمایا کہ تنہائی کے زمانے میں گوشہ نشینی جائز ہوتی ہے۔ میں نے عرض کی کہ کتابوں کے پڑھنے کے
زمانے میں بھی؟ فرمایا ہاں بھی۔ میں نے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے
کہ آپ نے حضرت عبداللہ خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تحریر فرمایا:

اما بعد فانت فی زمان کان	امابعد تو ایسے زمانہ میں ہے جس سے
الحق فیہ مستصغی الذلیل	کہ حق میں ذلیل [illegible]
تعالی علیہ وسلم بفعل ذوی	زیادہ [illegible]
بالملوک فی بلادھم کوفیہ	جبکہ تم کسی [illegible]
الف وشبہ من العوام رئیس	بلکہ [illegible]
الناقیہ بناصبین ادرکتہ	[illegible]
علی القول فالحاضر فیہ	[illegible]
فالداعی الی الشر وکذا	زیادہ شر ہے۔ [illegible]
من الناس وقد دعی الناس	کبھی [illegible]
قال سفیان بن عیینۃ رضی اللہ	[illegible]
تعالی عنہ قال: فی تعزلہ	[illegible]
من خشیۃ اللہ۔	[illegible]

یہ مندرجہ ذیل عربی اشعار بھی اسی سلسلے میں کہے گئے ہیں:

(۱) هذا الزمان الذی کنا نحاذره — فی قول کعب وفی قول ابن مسعود

(۲) فنعم به الحق مردود باجمعه — والغض والسعی فیه غیر مردود

(۳) اعمی اصم عن الاوزار ملتبس — قد لابلیس تصویب وتصعید

(۴) ان دام هذا لم تحدث له غیر — حدیث میت وبعد بعض موجود

(۱) ترجمہ: ہمارا یہ زمانہ وہی ہے جس سے ہمیں حضرت کعبؓ و حضرت ابن مسعودؓ کے قول میں ڈرایا گیا ہے

(۲) یہ ایسا زمانہ ہے جس میں حق مردود ہے، اور فسق و بغاوت قبول و محبوب ہے۔

(۳) اس وقت دین سے اندھے اور بہرے مسلمانوں میں رل مل گئے ہیں، اور اس وقت ابلیس کو صحیح اور بلند خیال کیا جاتا ہے۔

(۴) اگر اس زمانے کی نازک حالت یہی رہی اور اس میں کوئی بہتر تبدیلی رونما نہ ہوئی تو اس کے مرنے والوں پر نہ افسوس لائق ہوگا اور نہ نئے پیدا ہونے والوں پر اظہار مسرت مناسب ہوگا۔

اور میں (امام غزالی) نے سنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت سفیان بن عیینہ نے حضرت سفیان ثوری سے کہا "مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔ تو آپ نے فرمایا: "اقلل من معرفة الناس" یعنی لوگوں سے میل جول اور تعارف کم رکھو۔ تو سفیان بن عیینہ نے کہا "اللہ آپ پر رحم کرے حدیث میں تو آیا ہے اکثروا من معرفة الناس فان لکل مؤمن شفاعة" یعنی لوگوں سے تعارف بڑھاؤ۔ کیونکہ ہر واقف مومن دوسرے مومن کی شفاعت کرے گا۔ تو حضرت سفیان ثوری نے اس کے جواب میں فرمایا "میرا غالب گمان یہی ہے کہ جتنے جو کیفیت و زیادہ آپ کی ہوگی وہ کسی واقف کار ہی سے پہنچی ہوگی" حضرت سفیان ثوری نے یہ فرما کے اور رفوت ہو گئے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو بعد وفات خواب میں دیکھا کہ آپ بلند مرتبہ پر فائز ہیں میں نے عرض کیا کہ کوئی نصیحت کیجیے۔ تو آپ نے فرمایا:

اقلل من معرفة الناس — جتنا تک ہو سکے لوگوں سے تعارف و تعلق

فان التخلص منهم شدید۔ — کم رکھو کیونکہ مخلوق سے خلاصی پانا بہت مشکل ہے

ایک عربی شاعر نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:

۱۔ وما زلت من لیب بمفترق — اقتش من هذا الوری واکتشف

۲۔ فما ان عرفت الناس الا ذممتهم — جزی اللہ خیرا کل من لست اعرف

۳۔ وما لی ذنب استحق به الجفا — سوی انني احببت من بیس بینصف

(۱) میں لوگوں کے درمیان گھومتا رہا اور ان کو اچھی طرح پرکھتا رہا یہاں تک کہ میں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا۔

(۲) تجربہ کی جس سے بھی واقفیت ہوئی میں نے اس کو برا ہی پایا۔ اللہ تعالیٰ ہر اجنبی کو بہتر سے بہتر بدلہ دے جس کو میں نہیں جانتا۔

(۳) وہ شخص جس کے ساتھ میں زیادہ تر اپنے زمانہ میں رہا ہوں کہہ سکتا ہے کہ میں نے اس کو درست نہیں پایا ہو انصاف سے۔

ایک محدث کے بارے میں یہ اشعار کہے گئے ہیں:

جزی اللہ عنا کل خیر ولا — اللہ تعالیٰ ان کو ہر بھلائی دے جن کو ہم نہیں جانتے

جزی بنات الصدق عنا فانها — سچائی نہیں ہے جو ہمارے دوست ہیں کیونکہ

فقد لامنهم۔ ہمارے ہر قریب سے قریب دوست نے ہی ہمیں ملامت کی ہے۔

عربی کے یہ دو شعر بھی اسی سلسلہ میں کہے گئے ہیں:

۱۔ جزی اللہ عنا کل من لیس بیننا — وبینه ود ولا نتعارف

۲۔ فما مسلمه ولا ابن ذی — من الناس الا من نود ونعرف

(۱) اللہ اس کو اچھا بدلہ دے جس کی ہم سے کوئی دوستی و تعارف نہیں۔

(۲) کیونکہ ہمیں کوئی مسلمان یا ذمی نہیں ملا جو ہمارے دوست اور واقف کاروں میں سے نہ ہو۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

خذ الزمن حفظ الله واخف — اس زمانہ میں اللہ کی حفاظت کو اختیار کر اور

وعن ما ریبک فاعدل وانصرف — جو کچھ تجھے شک میں ڈالے اس سے عدول کر اور

وعن کل من لا یعرف الله واعرف۔ ہر اس شخص سے جو اللہ کو نہ پہچانتا ہو اجتناب کر۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے کے متعلق فرمایا:

هذا زمان السكوت والمزوم	یہ خاموشی اختیار کرنے کا زمانہ ہے، اور ذلت
الابيوت والرضاء بالقوت۔	کے ساتھ گھروں کے اندر رہنے اور روکھی
الی ان تموت۔	سوکھی معاش پر گزارہ کرنے کا زمانہ ہے یہاں تک
	کہ موت آجائے

اور حضرت دوردانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے:

صم عن الدنيا واجعل فطرك	دنیا سے روزے رکھ آخرت میں افطار کرے
الآخرة وقم من الناس فرارك	اور لوگوں سے بھاگ کر ڈوبے رہ
من الاسد	جیسے شیر سے بھاگتے ہیں

حضرت ابو عبید نے فرمایا:

ما رأيت حكيما قط الا تراه في	میں نے کبھی دانا کو نہیں دیکھا اور نہ کسی
عقب كل امر ان احببت ان	دانا نے آخر ہی میں گفتگو کرنے کو پسند کیا
تعرف فانت فهيم	تو تو بھی جان لے کہ تو بھی سمجھدار ہے
	کیونکہ تو نے بھی آخر ہی میں گفتگو کی ہے۔

اس قسم کی روایات اس قدر زیادہ ہیں کہ اس مختصر کتاب میں ان کے بیان کی گنجائش نہیں۔ ہم نے اس قسم کی روایات کو بیان مستقل کتب میں جمع کر دیا ہے جس کا نام ہم نے "اخلاق العلماء والعباد" رکھا ہے، اس کا مطالعہ کرو۔ تمہیں اس میں عجیب غریب معلومات ملیں گی اور تمہارا توشہ بھی کافی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

دوسرا سبب جس کے باعث مخلوق سے علیحدگی ضروری ہے یہ ہے کہ لوگوں میں مخلوط رہنے کی عبادت میں سخت تباہ و برباد ہو جائے گی۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ما اعلم ان احدا استراح	میں نہیں جانتا کہ کسی نے آرام پایا

بزرگوں نے رب کے خوف سے ان سے دعا کی اور ایاب دوست کی زیارت ترک کر دی

تھی۔ روایات میں مذکور ہے کہ حضرت ہرم بن حیان نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے

عرض کی ہمیں دعا کے لئے زیارت کے ذریعہ اپنے سے دور کر دیا گیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا میں نے

تجھے ان دونوں سے بھی زیادہ نافع تر کے ذریعہ اپنے سے قریب کر دیا ہے۔ اور وہ تیرا عدم موجودگی میں

تیرے حق میں دعا کرنے کی زیارت و ملاقات نیک نہیں۔ کیونکہ اس سے ریا اور زینت پیدا

پیدا ہوتے ہیں۔

جب حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے شہر میں ملاقات

کرنے آئے تو لوگوں نے حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کو کہا "آپ حضرت ابراہیم سے ملاقات کو نہیں جاتے" تو

آپ نے جواب دیا "ابراہیم بن ادہم کی بجائے مجھے شیطان سے ملاقات کرنے کو میں زیادہ پسند

کرتا ہوں" لوگوں نے اس جواب پر تعجب کیا تو آپ نے فرمایا "مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ جب میں ان سے

ملوں گا تو ان کی گفتگو اور نیک مشورے میں تکلف اور تزئین کروں گا لیکن اگر شیطان

کو دیکھ پاؤں تو اس سے بچنے اور اپنا دفاع کی تدبیر کروں گا۔

ایک دفعہ یہ سے ابو عبید غزنی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ہو گئی۔ دیر تک

دونوں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے رہے۔ پھر جب ہر ایک دوسرے سے جدا ہونے لگا

تو ابو عبید نے اس وقت ہرمز سے اس عبارت سے مخاطب ہو کر کہا "میں آج کی ملاقات کو بہت مبارک

سمجھتا ہوں" اس عبارت نے ہرمز کے دل میں ایک خطرناک قسم کا تصور پیدا کر دیا اور گفتگو

کے دوران اپنے دل میں کہنے لگا "میں سے ایک ظالم ہے" اور اپنے دل میں اس کے قتل کرنے کا

ارادہ کر لیا۔ جب ابو عبید نے اپنے گھوڑے پر سوار ہونا چاہا تو ہرمز نے اس کے گھوڑے کی

رکاب پکڑ لی اور اس کے پاؤں کو بوسہ دینے لگا۔ ابو عبید نے اس سے پوچھا "تم کیا کرتے ہو؟"

ہرمز نے جواب دیا "میں آپ کے پاؤں کو بوسہ دیتا ہوں" ابو عبید نے کہا "میں تو تمہارا

دشمن ہوں" ہرمز نے کہا "میں جانتا ہوں" ابو عبید نے کہا "پھر تم ایسا کیوں کرتے ہو؟"

ہرمز نے کہا "میں آپ کے اخلاق سے متاثر ہوا ہوں" ابو عبید نے کہا "تم نے میرے

ساتھ کیا سلوک کرنا ہے؟" ہرمز نے کہا "میں آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا" ابو عبید نے کہا

"تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟" ہرمز نے کہا "میں آپ کے اخلاق سے متاثر ہوا ہوں"

ابو عبید نے کہا "

۴۔ یقول فی لیلۃ ذات ندی أهل لي نسب ستر الحسب

(۱) ہمارے موقف ورد ہے ہر محسوس کہ مشکل مدد سے وقت پہ اللہ کی خوف کا تقاضا موجب

(۲) ہیں شہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس کے عذاب و پوچھ نہ ہو گا اس خطرہ آپ سے

سزا مجھ پہ کوئی رحم ہے نہ کبھی نہیں۔

(۳) اے لقمان ہیں اپنے بیٹوں کی معافی کا خوف ہے ہیں سے گر چہ نہ ہو اللہ کی زیادتی

کی سے گر ہیں ہیں پہ نادم ہو رہے ہوں۔

(۴) جب اندھیری رات کا گھٹا ہیں تاریکی ہیبت ہے اس وقت ہیں ہو فرمان کی ہیں

ہماری شہ دے دیتا ہوں ہیں سے میرے گناہوں پہ پردہ ڈال رکھا ہے۔

مندرجہ بالا ان مومنوں کی صفات کا حال ہے جو زہد و ریاضت ہیں پڑی مثال آپ تھے تو

دنیا دار اور فتنوں ربیعہ وہ لوگوں کی آپس ہیں محبت سے نہ تھی جو ہموں سے ان کا قیاس تو خود کرو۔

اسے عزیز زمانہ اعتقاد ہی وہی فساد ہے کہ گھر گھر بن چکا ہے۔ لوگ خدا رسانی ہیں صدیوں

سے رہ گئے ہیں وہ بچے ہیں دست سے ہار رہنے کی پوری کوشش کریں گے۔ ان ہیں رہتے ہوئے تو

آخرت سے بے پروا نہیں کر سکتے تھا۔ بلکہ تیرہ سو برس تک ہیں سب کی سب صالح ہوئی ہیں ان کی

عادت و گوشہ نشینی کے سوا بچنے کا راستہ نہیں۔ خدا اس زمانے کے شر سے بچائے۔

سوال:

کہ کن لوگوں پر عزلت واجب ہے؟ اور عزلت کے کتنے درجے ہیں؟ کیا

صحبت میں تبدیلی کیے جا سکتے ہیں؟ اور عزلت کی حد کیا ہے جس کا ہونا ضروری ہے؟

جواب:

اے عزیز تو جان کہ عزلت کے کتنے درجے ہیں دو حصوں ہیں تقسیم ہو سکتے ہیں:

ایک وہ جو نہ ہو ہیں اور نہ ہو۔ بچے لوگوں کی حرص تفرق محتاج نہیں۔ تو بچے لوگوں کو

چاہیے کہ مخلوق سے الگ اور بیگانہ رہیں۔ صرف جمعہ جماعت عید حج یا دینی مجلس ہیں شرکت

کریں یا معیشت کے لیے بقدر ضرورت ہیں جائیں۔ اس سے زیادہ لوگوں سے نہ ملیں۔

سی سے معرفت اور محبت پیدا نہ کریں۔ اور ان کی ہر بات کو تحقیق صداقت کی بنا پر نہ مانیں۔

[illegible] ہے تو اس شخص کے عزلت اختیار کرنے کے پیچھے مندرجہ ذیل امور میں سے کسی ایک امر کا ہونا ضروری ہے:

(۱) یا تو آبادی سے اتنا دور رہے کہ معہ جمعہ جماعت وغیرہ کے کام اس پر لازم نہ رہیں جیسے پہاڑوں کی چوٹیوں یا دور دراز جزیروں میں بعض بزرگ جو بغاوت کے بعد دور دراز مقامات پر چلے گئے ان کے جانے کی یہ وجہ شاید یہی تھی۔

(۲) دوسرا امر یہ ہے کہ یہ شخص کو اس درجہ یقین ہونا چاہیے کہ لوگوں سے معمولی مخلوط سے بھی نقصان پہنچے گا تو اس بنا پر کہ وہ معہ جماعت وغیرہ میں بھی شریک نہ ہو تو وہ معذور ہے۔ اور یہ خود کہ تعالیٰ اللہ اسے بہت سے فوائد سے محروم کر دیتا ہے جو بیت اللہ شریف کے حاضر ہونے اور تقرب حاصل کرنے سے اور خود نماز کی جماعت میں شریک ہونے سے۔

[illegible] ایک بزرگ سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے وجہ یہی بیان کی جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ اس وقت لوگوں میں کہتا ہوں معذور پر کوئی ملامت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ کون معذور ہے۔ کیونکہ وہ بینوں کے دلوں کا حال جانتا ہے لیکن زیادہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ جب تک ہو سکے جماعت اور جمعہ میں شریک ہوتا رہے اس کے سوا جو شخص دور رہے [illegible] میں بھی شریک ہونا نہیں چاہتا تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی شہادت [illegible] اس پر لازم ہے کہ [illegible] میں شریک ہو تو اس شخص سے [illegible] کی شہادت قبول نہ کی جائے۔

[illegible] جو لوگ جمعہ جماعت سے [illegible] ان کی تردید اور [illegible] ان میں [illegible] اور بیشتر فقہاء و محدثین [illegible] ان علماء کے [illegible] کہ [illegible] جماعت نہیں بلکہ [illegible] کہ [illegible] اور [illegible] کی [illegible] [illegible] ان [illegible] ان [illegible] ان

خلاصہ یہ کہ دینی پیشوا کے لیے کسی صورت میں عزلت روا نہیں۔ اُستاد بوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ جب آپ نے عبادت کی غرض سے لوگوں سے علیحدگی کا ارادہ فرمایا تو پہاڑوں میں پہنچ گئے، تو ایک آواز دینے والے نے غیب سے آواز دی "اے بوبکر جب تو مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی حجت اور دلیل ہے تو تو انہیں چھوڑ کر کیوں یہاں آیا ہے؟

اور مجھ سے مامون بن احمد نے بیان کیا کہ اُستاد ابو اسحاق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ نے جبل لبنان کے گوشہ نشینوں کو فرمایا "اے گھاس پھونس پر گزارہ کرنے والو تم سے کہا رسول صلعم کی اُمت کو گمراہوں کے چنگل میں چھوڑ کر خود یہاں آ گئے ہو"؟ تو انہوں نے جواب دیا ہمیں لوگوں میں رہنے کی تاب نہیں اور خدا نے آپ کو قوت دی ہے۔ اس لیے آپ رہ سکتے ہیں ——— اس کے بعد آپ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام "جامع بحقی والجلی" رکھا۔

لیکن یہ علمائے کرام جس طرح علم میں بے مثل تھے عمل اور امورِ آخرت کی معرفت میں بھی سب سے آگے تھے۔ اے عزیز جان لے کہ ایسے عالم میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک تو صبر جمیل، اپنے نفس کا محاسبہ اور ہمیشہ خدا تعالیٰ سے سچی محبت کا طلب گار رہنا۔ دوسری یہ کہ باعمل کے اعتبار سے اولوں سے بڑھ رہے۔ گرچہ ظاہری جسم کے اعتبار سے وہ ان کے ساتھ رہے۔ اگر لوگ اس سے کلام کریں تو ان سے کلام کرے۔ وہ اس کی زیارت کو آئیں تو حسب مراتب ان کا شکریہ اور احترام کرے۔ اور اگر لوگ اس سے اعراض کریں اور خوشی برتیں تو وہ اسے غنیمت شمار کرے۔ نیک بات میں ان کا ہاتھ بٹائے اور برائی اور شرارت کی طرف مائل ہوں تو ان کی مخالفت کرے اور ان سے الگ رہے اور اگر لوگ اس کی ڈانٹ ڈپٹ سے برائی سے باز آ سکتے ہوں تو انہیں نہ سہی ڈانٹ ڈپٹ بھی کرے۔ اور جو حقوق ان میں رہنے کے باعث اس پر لازم آتے ہیں ان کو ادا کرتا رہے۔ جیسے وقتاً فوقتاً ان سے ملنے جلنے کی عیادت اور جب استطاعت ان کی حاجات پوری کرنا اگر ان سے کسی قسم کا مطالبہ نہ کرے۔ اور نہ ان کی امید رکھے جتنی وسعت ان پر خرچ کرے مگر ان سے کوئی چیز نہ لے بلکہ تکلیف یا ایذاء ان سے پہنچے اسے برداشت کرے۔ اور ہر ایک کو خندہ پیشانی سے ملے۔ اپنے آپ کو ان کے ساتھ ملنے پر آمادہ کرے۔ اپنی حاجات ان سے پوشیدہ رکھے اور ان کا محتاج نہ کرے۔ پھر ان باتوں کے ساتھ ساتھ تھوڑا تھوڑا وقت عبادت کے لیے بھی چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت خاص کرے تاکہ اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح بھی جاری رکھ سکے۔ یہ بہتر

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ان لست اتحمل لاضعین نفسی و ان لست اتحمل لاضعین الرعیۃ فکیف بین ھاتین۔

اگر میں اپنے کو ہلاک کرتا ہوں تو اپنی آخرت برباد کرتا ہوں اور اگر دوسروں کو ہلاک کرتا ہوں تو رعیت تباہ ہوگی تو ان دونوں باتوں کے ہوتے ہوئے میں کس طرح آرام سے وقت گزار سکتا ہوں۔

اسی مضمون کے موافق میں نے مندرجہ ذیل چند اشعار کہے ہیں۔

(۱) افان کنت فی ھدی الکتاب تراغبا فوطن علی ان تستجیب الی الورع

اگر تو اپنے مددگاروں کی بہبودی کرنے کا آرزومند ہے تو ان کے ساتھ سب و حرارت برداشت کرنے اپنے نفس کی مرضی کو ختم کر دے۔

(۲) تنفس وقورا عند کل ملمۃ وقلب صبورا ھو فی الصدر قانع

تحقیق کے وقت نفس میں سنجیدگی اور فوت برداشت پیدا کرو۔ دل کو صابر بناؤ کہ یہ وہ شے ہے جو سینہ میں قانع ہے۔

(۳) لسانک لا تحزون وھو فکہ مرجہ ویبرئ کسو مرلدی القلب ذائعہ

تمہاری زبان غیبت بند رہنی چاہیے اور تمہاری آنکھیں آنسو بہانی چاہئیں۔ تمہارا معاملہ نرمی سے ستور رہے۔ صفت خدا ترسی کو اس کا علم ہو۔

(۴) وذکرک مغمور و بیتک مغلق وثغرک مسرور وبیضتک جائعہ

تمہارا کوئی پرچا نہ ہو۔ تمہارا دروازہ بند ہو۔ تمہارا منہ خوش ہو اور پیٹ بھوکا ہو۔

(۵) وقلبک مجروح وسوطک قاصد وبیتک مصفون وضیفک ضائعہ

تمہارا دل خشیت الٰہی سے زخمی ہو تمہارا بازار بے رونق ہو۔ تمہارے کمرشت مدفون ہوں اور تمہارے مہمان طعام و شراب سے محروم ہوں۔

(۶) وفی کل یوم انت جزع غصۃ من الدھر والحزن والقلب طائعہ

ہمیشہ زمانہ کے حوادث و نکایف کے صدمات پہنچتے رہیں۔ درانحالیکہ تمہارا دل خشیت سے لبریز ہو۔

(۷) نهارك شغل الناس من غير منة وليلك شوق غاب عنه طرائفه

دن کو بغیر احسان جتائے نیک کاموں میں لوگوں کے ہاتھ بٹاتے رہو۔ اور رات اللہ کے شوق میں کاٹ دو۔ اور اس ذوق و شوق کا کسی کو پتہ نہ ہو۔

(۸) فدونك هذا الليل خذه ذريعة يوم عبوس عرفيه الذرائع

تم ان موجودہ راتوں کی قدر کرو۔ ان کو اس سخت دن کا ذریعہ بناؤ جب ہر قسم کے ذرائع کالعدم مفقود ہوں گے۔

تو عالم دین پر لازم ہے کہ ظاہر میں تو لوگوں سے ملتا رہے۔ مگر دل سے ان سے بالکل الگ رہے۔ اور خدا کی قسم یہ بہت مشکل و تلخ ہے۔ اسی کے متعلق ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

یا بنی عش مع اهل زمانك ولا اے میرے عزیز بیٹے! اہل زمانہ کے ساتھ زندگی

تقتد بهمه تو زنہار کسی بات میں ان کی اقتداء نہ کر

پھر یہ سے شیخ نے فرمایا: اس طرح کی زندگی بسر کرنا انتہائی تلخ و مشکل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

خالطوا الناس وزايلوهم۔ لوگوں سے حسب ضرورت ملو جلو اور اپنے دین کو ضرر سے بچائے رکھو۔

میں کہتا ہوں سب فتنوں کی موجیں تلاطم میں ہوں۔ سب حق ناحق پر ہو۔ جب لوگ دین سے منہ پھیر کر دوسری طرف متوجہ ہو جائیں اور کسی مومن کی قرابت یا عہد کا پاس لحاظ نہ کریں۔ سب لوگ عالم دین سے متنفر ہوں اور اسے نہ پائیں۔ اور نہ دین کے معاملہ میں اس کی اعانت کریں۔ اور فتنے عوام و خواص میں پھیل جائیں۔ تو ایسے حال میں عالم اگر عزلت و علیحدگی اختیار کرے اور اپنے علم کو پھیلانا ترک کر دے تو وہ معذور ہے۔ اور میں تو یہی کہتا ہوں کہ ضرور نے جس زمانے میں عزلت کا حکم دیا تھا وہ ہمارا ہی زمانہ ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں وہ سب امور موجود ہیں جن کی وجہ سے عزلت لازم و ضروری ہو جاتی ہے۔ اور حقیقی مددگار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی پر توکل کرنا چاہیے۔

یہ ہے عزلت و گوشہ نشینی کا خلاصہ و ضروری بیان۔ اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ کیونکہ اس میں غلط فہمی کا عظیم خطرہ ہے۔ اور زمانہ عزلت میں اس سے گریز کرنے میں سخت نقصان

ہے (وباللہ التوفیق)

سوال :

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو یہ حکم دیا ہے :

علیکم بالجماعۃ وان الشیطان	تم پر جماعت میں رہنا لازم ہے کیونکہ شیطان
ذئب الانسان یاکل الشاذۃ	کا دست غریت جماعت پر ہی ہے۔ وہ
والناجیۃ والقاصیۃ و	بلاشبہ شیطان انسان کے حق میں بھیڑیے کی مانند
الفاذۃ۔	ہے جو ریوڑ سے جدا ہونے والی یا آگے نکل
	جانے والی یا دور چلی جانے والی یا اکیلی رہ جانے
	والی بکری کو اُچک لے جاتا ہے۔

اسی طرح آنور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے :

ان الشیطان مع الفذ وھو منہ	تنہا آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے وہ جب
الاثنین ابعد۔	دو ہوجائیں تو ان کے قریب نہیں آتا۔

جواب :

جہاں سرکار دو عالم علیہ السلام نے جماعت میں رہنے کی تاکید فرمائی ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے :

الزموا بیوتکم۔ وعلیکم بالخاصۃ	اپنے گھروں ہی کو اپنی قیام گاہ بنائے رکھو
ودع امر العامۃ۔	میل جول سے سخت اجتناب کرو۔

تو اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے عوام سے الگ رہنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس حدیث اور پہلی دو کے درمیان درحقیقت کوئی تضاد یا اختلاف نہیں۔ ہم بتوفیق اللہ ان میں تطبیق پیش کرتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے ارشاد علیکم بالجماعۃ کے تین احتمال ہیں :

(۱) دلائل اور احکام میں جماعت سے علیحدہ راہ اختیار کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ تن تنہا رائے کا اعتبار نہیں ہوسکتی۔ تو باہمی مسائل اور تبلیغی احکام میں جمہور سے علیحدگی باطل اور گمراہی ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے دین کی حفاظت کی غرض سے تنہائی اختیار کرے تو اس حدیث میں اس کی ممانعت نہیں۔

(۲) عام مسلمانوں سے نماز، جماعت اور جمعہ وغیرہ میں علیحدگی اختیار نہ کی جائے کیونکہ جو لوگ نماز و جمعہ ادا کرتے ہیں دین کو تقویت پہنچتی ہے اسلام کا سماں ظاہر ہوتا ہے اور کفار و مخالفین مسلمانوں کا اجتماع دیکھ کر جلتے ہیں۔ اور جمعہ و جماعات وغیرہ اسلامی اجتماعات پر اللہ تعالیٰ کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اس لیے ہم نے کہا ہے کہ کوشش ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ جماعت وغیرہ دینی اجتماعات میں عام مسلمانوں کے ساتھ شریک رہے۔ اور کسی سے تعلقات و رسم و رہ سے پرہیز کرے۔ کیونکہ عام اجتماعات میں بہت آفات و نقصانات ہیں۔

(۳) علیکم بالجماعۃ: تیسرا احتمال یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد و بیان ان ضعیف و منتقد شخص کے لیے ہے لیکن قوی و مقتدر اور صاحب بصیرت شخص جب ایسے زمانے کو پائے جس میں فتنہ و فساد ہو اور جس سے حضور علیہ السلام نے ڈرایا ہے، اور جس میں عزلت کا حکم دیا ہے تو اس کے لیے عزلت خلط ملط اور میل جول سے بہتر ہے تاکہ آفات و فسادات سے محفوظ رہے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ دینی اجتماعات اور امور خیر میں شریک ہوتا رہے۔ اور اگر بوجوہ سے مکمل علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو کسی پہاڑ کی چوٹی یا دور دراز جنگل چلا جائے جس کے باعث اپنا دین محفوظ رکھ سکے۔

میں کہتا ہوں کہ ایسے شخص کو بھی یہ چاہیے کہ نیک اجتماعات اور امور خیر میں ضرور شریک ہو۔ تاکہ اس کا یہ تو اب ضائع نہ ہو اور اسے تو اجتماعات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ لوگوں میں فساد و بدیں سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ اور ہم نے ابدال کے متعلق سنا ہے کہ وہ ہمیشہ بھی ہوں، مذکورہ اجتماعات میں شرکت کرتے ہیں۔ وہ یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے رہتے ہیں اور تمام زمین ان کے لیے یکساں قدم ہے۔ اخبار میں آیا ہے کہ ابدال کے لیے زمین سمٹ جاتی ہے۔ انہیں اللہ کی طرف سے معجزانہ خصوصیات عطا ہوتی ہیں اور انواع و اقسام کی روحانی نعمتیں عطا ہوتی رہتی ہیں ان ابدال کو حق تعالیٰ کا یہ بھی بڑا تحفہ ہے۔ اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آفت سے محفوظ رکھتے والوں کے حالات بھی پختہ کامل سے درست کرے۔ اور ہر پختہ آفت درست کرتے ہیں صرف ہیں انہیں منزل مقصود تک پہنچائے ——— میں نے اپنی اس حالت زار کے متعلق یہ اشعار کہے ہیں:

(۱) ظفر الطالبون واقصی المنی وفاز الاحباب بالاحباب

جدوجہد کرنے والے کامیاب ہو گئے۔ ان کو وصل کی سعادت نصیب ہو گئی۔ اور دوست دوستوں کی مدد و اعانت سے منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

(۲) وبقینا لمن یذبذبنی حیرتی بین حد الوصال والاجتناب

اور ہم اسی طرح تذبذب و حیرانی کے عالم میں کبھی قرب اور کبھی وصال کے درمیان معلق ہیں۔

(۳) وترانی القرب بالبعد وھنا نفس حال المحال للالباب

تمام احوال تو یہ ہے کہ روز بروز خدا سے دور ہو رہے ہیں۔ اور امید پر رکھتے ہو کہ وہ ہمیں اپنا قرب نصیب کرے عقل انسانی ایسی امید کو بیہودہ سمجھتی ہے۔

(۴) فاسقنا منک شربۃ تذھب الغم وتھدی الی طریق الصواب

اے اللہ! ہمیں اپنی قربت و وصال کی وہ چسکی عطا فرما جو ہر غم کو دور کرتی ہے اور راہ صواب کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

(۵) یا طبیب السقام یا مرھم الجرح ویا منقذی من الاوصاب

اے ہماری ظاہری و باطنی بیماریوں کے طبیب! اے ہمارے زخموں کی مرہم! اور ہر قسم کی بیماری سے نجات دینے والے۔

(۶) لست ادری بما اداوی سقامی او بماذا افوز یوم الحساب

میں نہیں جانتا کہ میری بیماریوں کی دوا کیا ہے۔ یا کس شے کے ذریعہ روز قیامت میری نجات ہوگی۔

ہم اس بیان کو یہیں ختم کرتے ہیں اور مسائل عبادت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ترغیب دی ہے کہ:

وھی بیۃ امتی ان یجعلوا فی المساجد۔ میری امت کی عادت بھی ہے کہ وہ مسجد کو اپنی نشستگاہ بنائے۔

اس حدیث میں لوگوں سے علیحدہ ہو کر کسی پہاڑ یا جنگل میں سکونت اختیار کرنے سے روکا گیا ہے اور لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنے پر زجر کی گئی ہے۔ ورنہ کہتے ہو کہ لوگوں سے علیحدہ ہو کر میں دور چلا جائے؟

جواب:

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی اپنے زمانے کے لیے ہے نہ کہ فتنہ و فساد کے زمانے کے لیے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ مذکورہ حدیث کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ جو شخص مسجد کو اپنی نشست گاہ بنا لے۔ لوگوں سے میل ملاپ چھوڑ دے اور ان کے معاملات میں مداخلت ترک کر دے۔ تو وہ اگرچہ اہل ہے مگر حقیقت میں ان سے بہتر ہے۔ عزلت و گوشہ نشینی سے مقصود بھی یہی ہے۔ کسی مکان یا جسم کی علیحدگی مقصود نہیں۔ اس نکتے کو اچھی طرح ذہن نشین کر۔ خدا تجھ پر رحم کرے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مندرجہ ذیل شعر میں اسی نکتے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

کن واحدا جامعیا وعن الناس ہارب
ذا انس و من الناس وحشیا۔

تو لوگوں سے بہرحال جدا رہ مگر تمہاری
نسبت و محبت صرف رب تعالیٰ کے ساتھ
ہو۔ لوگوں سے تمہارا تعلق نہ ہو۔

سوال: مدارس دینیہ کے مدرسین و طلبہ جو علم دین سیکھنے سکھانے کے مشغلہ میں مصروف ہیں کیونکر وہ تو عزلت و گوشہ نشینی پر عامل نہیں ہیں؟

جواب: مدرسین کی تدریس و تصوف سے علم دین کی بڑی خدمت ہوتی ہے۔ اس میں دو فائدے ہیں:

(۱) فعلی طور پر لوگوں سے علیحدگی۔ ان کی مجالس و ان کے معاملات میں شرکت و مداخلت سے پرہیز۔

(۲) جمعہ، جماعت اور دیگر اسلامی امور میں شرکت۔

تو ان لوگوں کو دنیا سے اتنی ہی علیحدگی حاصل ہوگی جو لوگوں سے بالکل علیحدہ رہنے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان حضرات سے ایک اور بہت بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ عوام ان کی اقتدا کرتے ہیں۔ ان کی برکات سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ اور دین کے متعلق بیش قیمت بیدار حاصل کرتے رہتے ہیں تو ان حضرات کا عمل درست رہتا ہے۔ ان کو صحیح عمل کی پختگی کی بدولت سکون و اطمینان میسر رہتا ہے۔ اسی فیض رسانی کے لیے کثر

[illegible] ہوتے ہیں۔ لوگوں کو ان کے حسن اخلاق کی وجہ سے دنیاوی تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔ بلکہ [illegible] سے فائدہ پہنچتا تھا۔ عامۃ الناس ان کے آداب و رسوم کی اقتدا کرتے تھے۔ اس طرح صالحین کے اخلاق و عادات میں سلف صالحین کے اخلاق کو محفوظ کرنے کا ذریعہ بنے رہے۔ نیز یہ کہ قول سے حال کی تبلیغ زیادہ مؤثر و مفید ہوتی ہے۔ تو یہ بزرگ اپنے حال سے تعلیم کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ تعمیر سیرت کے لحاظ سے بہت ہی مفید تھا۔

سوال: وہ مبتدی جو کہ ابھی تصوف سے کورا ہے ابتدائی مراحل میں کن باتوں سے بچنے کی ضرورت ہے؟

جواب: وہ مبتدی سلف صالحین کے آداب و [illegible] کی پیروی کرتے ہوئے [illegible] ان سے قریب رہتے ہوئے [illegible] دنیا کی [illegible] سے بچے۔ [illegible] ہیں۔ ایسے مبتدی کو [illegible] کہ [illegible] کی [illegible] ہیں۔ [illegible] کے [illegible] ہیں جو [illegible] کرتے ہیں اور [illegible] کی [illegible] ہیں۔ ہاں وہ مبتدی [illegible] کی پیروی کرتے ہوئے [illegible] طریقہ [illegible] ہوں اور [illegible] تعلق [illegible] سے [illegible] ہوں [illegible] سے [illegible] ہوں [illegible] سے [illegible] ہوں [illegible] کے [illegible] ہوں [illegible] کے [illegible] ہوں [illegible] ک

ڈاکوؤں اور چوروں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ ان دروں کا ذکر اور فائدوں کے ہر کا خطہ ایسے صحرا کی مانند ہے جہاں ہر وقت شیطانی لشکر گھومتے رہتے ہیں جو قلعہ سے باہر رہنے والے کو ہلاک کر دیتے ہیں گرفتار کر لیتے ہیں۔ تو جو یہ نعمت دنیا بھر کی دولت مندی کی محفوظ قلعے سے نکل کر باہر کی طرف سے شیطانی لشکروں کے نرغے میں آ جائے اس کا جو حشر ہوگا ظاہر ہے۔ اس لیے ایسے مبتدی کے لیے ان مدارس و مجالس سے باہر قدم رکھنا کسی طرح بھی خطرے سے خالی نہیں لیکن وہ شخص جو کامل نورانی بصیرت سے بہرہ ور ہو، دینی امور پر پختہ اور مضبوط ہو اس کے لیے قلعہ اور صحرا مساوی ہے شیطانی لشکر اس پر ہرگز غالب نہیں آ سکتے اور نہ وہ ان کی شر انگیزیوں سے مرعوب ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ایسے شخص کے لیے بھی حفاظتی قلعہ میں ہی رہنا بہتر ہے۔ اس لیے کہ دشمنوں کے اتفاقی اور اچانک حملوں سے بے خوف ہونا درست نہیں بغرضیکہ اہل اللہ کے ساتھ رہنا ان کی صحبت کی مشقتیں برداشت کرنا ہی بہتر ہے۔ ورنہ صاحب استقامت رہنا کمال پرعزیمت لازم نہیں، مگر بہتر ضرور ہے۔

ان بیان کردہ مسائل عزلت پر گر تم عمل کرو گے تو ان شاء اللہ آفت سے محفوظ رہو گے۔

سوال: دینی بھائیوں کی زیارت، اپنے مخلص احباب کی ملاقات اور ان کے ساتھ مصافحہ وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: دینی بھائیوں کی زیارت و ملاقات بلکہ وہ نیک اور پرہیزگار بندے جن کی زیارت سے اللہ تعالیٰ کی یاد آئے ان کی زیارت سے عبادت میں قوت، معاملات میں برکت، خدا کا قرب اور دل کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور دیگر بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن دو باتوں کا ہی خاص طور پر خیال ضروری ہے:

(۱) محبت کے بجائے فرض نہ ہو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا۔ ہماری زیارت کے پیچھا نہ کرے تاکہ محبت زیادہ ہو۔

(۲) یہ کہ ریاکاری اپنے آپ کو آراستہ کرنا، لغو گفتگو، غیبت اور بے فائدہ باتوں سے

پورے غور سے سنا جائے۔ ورنہ فائدے کے بجائے نقصان ہوگا۔

حکایت:

ایک دفعہ حضرت فضیل اور سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ کی آپس میں گفتگو ہوئی۔ دونوں بزرگ دیر تک اس گفتگو میں مشغول رہے۔ آخر میں حضرت سفیان ثوری نے کہا "میں آپ کی اس بحث کو نہایت بہتر تصور کرتا ہوں" حضرت فضیل نے فرمایا "میں تو اسے بہت خطرناک بحث خیال کرتا ہوں" سفیان ثوری نے کہا کیوں؟ حضرت فضیل نے جواب دیا: "ہم دونوں میں کوئی بات کوئی بحث ایسی نہیں کرتے تھے، جو ہمارے مطلب کی نہیں تھی"۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر رو پڑے۔

تو پیارے طلباء! آپ کی زیارت و ملاقات میں بہانہ سازی، غیبت وغیرہ کو ملحوظ رکھا جائے اور ریا و تکلف وغیرہ سے بچا جائے۔ یعنی ملاقات سے ہماری عزت میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیے بلکہ فائدہ کی امید ہے۔

سوال: کن چیزوں سے عبادت کی لذت اور تاثیر میں کمی پیدا ہوتی ہے؟

جواب: تین چیزوں سے:

(۱) دنیا کے چند بیکار مشغولیتیں کہ اوقات ہی عبادت میں مشغولیت و حضوریت سے کیونکہ نفس کو فرصت کی ہمیشہ تلاش رہتی ہے اور لوگوں سے بے ضرورت میل جول اور غیبت لغو کی عادت سے۔ جب نفس کو فرصت ضرورت، میل جول لوگوں سے وقت کی زیارت و ملاقات میں کوئی فرق نہیں آتا تو نفس کو دھوکہ دیتا ہے کہ فضولیات میں مبتلا ہونے سے بہتر ہے کہ عبادت کی جائے۔ اس لئے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے:

ز صحبت ای سلامت کم دیدم — وز بسیار گفتن غصہ ہا خوردم۔

یعنی بہت سے فرصت کی جگہوں سے سلامتی کے ساتھ علیحدگی کرنے آیا ہوں۔ و فعلی ہذا القیاس آدمی بہت سے فضولیات کام کر بیٹھتا ہے۔

جب تم صحیح معنوں میں عبادت خداوندی میں مشغول ہو جاؤ گے اور اس بات کا تجربہ کرو گے تو تمہارے دل میں ان سے علیحدہ رہنے میں

راحت محسوس کرے گا اور تمہیں لوگوں کی آواز اور ان سے گفتگو کرنے سے نفرت آئے گی۔

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے جب واپس آتے تھے تو آپ کو لوگوں سے وحشت آتی تھی۔ آپ کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے تاکہ کسی کی آواز سنائی نہ دے۔ اور آپ لوگوں کی آواز کو نفرت و وحشت کے غبار سے گدلے کی نشاندہی کرتے تھے۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ تم شیخ رحمہ اللہ کے مندرجہ ذیل ارشاد پر عمل کرو۔ آپ نے فرمایا:

(۱) ـــــ اِجْتَنِبْ مُخَالَطَةَ صَاحِبٍ! وَذَرْ مُنَاسَبَةَ جَانِبٍ

تم لوگوں سے بالکل کنارہ کش ہو جاؤ۔ وہ شخص جو تمہیں نیا نیا دوست بنانے میں خوشی محسوس کرے

(۲) ـــــ صَادِقُ الْوُدِّ مُنْتَهَزٌ كُنْتَ فِيهِ وَغَائِبٌ

تم لوگوں کے پیٹھ پیچھے مخلص دوست بنو اور ان میں رہو یا ان سے غائب۔

(۳) ـــــ قَلَّبَ الْكَفَّ مِنْ كَفٍّ تَشَتَّتْ تَجِدْهُمْ عَقَارِبْ

جب تمہیں ان سے واسطہ پڑے گا تو اپنے حق میں ان کے دل بچھوؤں کی مانند پاؤ گے۔

(۲) گوشہ نشینی کی رغبت پیدا کرنے والی دوسری چیز یہ ہے کہ تم لوگوں سے ہر قسم کا تعلق منقطع کر لو۔ اس طرح تم ان سے بآسانی کنارہ کش ہو سکو گے۔ کیونکہ جب تمہیں کسی شخص سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو تو تمہارے لیے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا۔

(۳) اور تیسری چیز یہ ہے کہ تم لوگوں میں رہنے کی عادت پختہ کرو۔ ان کو وقت بانٹ کر دو۔ جب تم ان میں معمول پابندی کرو گے تو تمہارے دل مخلوق سے ایک نوع کا تعلق محسوس کرنے لگیں گے۔ جب تمہیں مدرسہ جانے کی عادت ہو جائے گی تو تمہیں مدرسہ جانے میں تکلیف نہیں ہوگی۔ اور یہ کٹھن منزل تمہیں دل پسند لگنے لگے گی۔ مدرسہ کے ذریعہ تمہیں دربار خداوندی میں لگنے کی توفیق نصیب ہو جائے گی۔ وباللہ التوفیق والعصمۃ

عبادت میں تیسری بڑی رکاوٹ شیطان:

اے برادر عزیز! عبادت میں ترقی اور تابانی حاصل کرنے کے لیے شیطان سے بچنا بہت ضروری ہے۔ یہ بھی لازم اور ضروری ہے۔ اور یہ دو وجہ سے ضروری ہے:

(۱) وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور ہر وقت تمہیں گمراہ کرنے کے منصوبے بناتا رہتا ہے اس سے صلح یا رحم کی امید ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ وہ تمہیں ہلاک کر کے ہی دم لے گا۔ اس لیے ایسے خطرناک دشمن سے بے خوف یا غافل رہنا انتہائی خطرناک ہے۔ مزید برآں مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ میں تو غور کرو:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝	اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

دوسری آیت یہ ہے:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔	بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن کرو۔

(۲) شیطان پر اعتماد کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا تم سے دشمنی کرنا اس کی فطرت میں ہے۔ وہ ہمیشہ تم سے محاربہ میں مشغول ہے۔ اور ہمیشہ تمہیں گمراہ کرنے اپنی شیطنت کے جال میں پھنسانے کے درپے ہے اور تم اس کی عداوت اور فتنہ انگیزی سے مستقل غافل ہو۔ اس غفلت کا جو انجام ہو گا وہ ظاہر ہے۔

اور شیطان کو انسان کی عداوت کے خوف زیادہ ہونے والے چند اسباب یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول ہو۔ اور مخلوق خدا کو اپنے قول و فعل سے دعوت اسلام دیتے ہو۔ تم نیکی کے کام کرتے ہو۔ اور شیطان کے پیروکاروں کی تعداد اس کے شر کے ذریعہ کم کرتے ہو۔ لہٰذا اس طریق سے شیطان کو مغلوب کر کے اس کی شرارت اس کی عداوت اور اس کی مخالفت کو اور زیادہ بھڑکانے میں مصروف ہوتے ہو۔ جب تمہارا رویہ ان کے ساتھ یہ ہے تو وہ بھی اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ تمہاری عداوت، تم سے جنگ اور تمہیں گمراہ کرنے پر کمربستہ رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمہارے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ بلکہ وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ تمہارے ایمان کی جڑ ہی کٹ جائے کیونکہ وہ تم سے کسی وقت بھی بے خوف نہیں ہوتا۔ شیطان تو ان کے ساتھ بھی عداوت رکھنے سے باز نہیں آتا جو اس کے ساتھ عداوت اور مخالفت نہیں کرتے۔ جیسے کفار، مرتد اور فاسق و

فاجر لوگ۔ تو ان کے ساتھ اس کی عداوت کا کیا حال ہوگا جو ہر وقت اس کی مخالفت اور اس کو غصہ کرنے اور گمراہ کن منصوبوں کو تحلیل میں لانے میں مصروف رہتے ہوں؟ ——— تو اسے عداوت اور دعوتِ حق میں سرگرمی کا مظاہرہ کرنے والو! عام لوگوں کے ساتھ اس کی عداوت عمومی ہوگی اور تمہارے خصوصی۔ اس لیے تمہارا معاملہ نہایت اہم ہے۔

پھر تمہاری عداوت و مخالفت میں ابلیس صرف اکیلا نہیں، بلکہ اس کے ہمراہ شیاطین کی متحد جماعت ہے۔ اس کی جماعت میں تمہارا نفس و تمہاری خواہشات بھی شامل ہیں جو تمہارے ازلی دشمن ہیں، اور تم پر غالب آنے کے لیے ان کے پاس ہزاروں ایسے اسباب ہیں جن سے تم کہ غافل ہو

حضرت یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی خوب فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

الشیطان فارغ وانت مشغول۔	شیطان فارغ ہے اور تو مشغول ہے۔ وہ تجھے
الشیطان یراک وانت لا تراہ۔	دیکھتا ہے مگر تو اسے نہیں دیکھتا۔ وہ تجھ
انت تحسد وھو لا یشتک	بھی برا ہے مگر تو نے تجھے نہیں بھیجا۔
ومن نفسک شیطان تعبث	تیرے اندر بھی شیطان کئی بار دوڑتا
اعوان قد لا یرمن محاربتہ	ہیں۔ ان جیسے دشمن سے تو ہر لمحہ
وقھرہ واکثر من عدد	مغلوب کرنے میں مصروف ہے۔ وہ تو
ابدا۔	کبھی تجھ پر اور اپنے ساتھیوں سے غافل نہیں ہوتا۔

سوال: کس طرح ابلیس سے عداوت کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ اور کونسی چیز اس کو زیادہ مغلوب کرنے والی ہے؟

جواب: اہل عبادت و محبت کے ہاں اس کے دو طریقے ہیں۔

ایک تو شیخ محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابلیس کو دفع کرنے کے لیے سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ اس طرح رہو جیسے وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے۔ اس کے ساتھ اس طرح دشمنی رکھو جس طرح وہ تمہارے ساتھ دشمنی رکھتا ہے۔ اور اس کے ساتھ اس طرح جنگ کرو جس طرح وہ تمہارے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہر وقت جنگ کرتا ہے۔ اس لیے تم بھی اس کے ساتھ ہر وقت جنگ کرو۔ اور تم اس کے ساتھ جنگ کرنے میں کبھی سستی و کاہلی نہ کرو۔ اور نہ کبھی اس کے ساتھ صلح کرو۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ صلح کرنا ہی اس کی ہلاکت ہے۔ جو اسے ہلاک کرنے کا

ہٹا دے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس سے مقابلہ کیا جائے۔ اس کو مٹانے اور اس کی مخالفت کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہا جائے۔ ہمیں امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ان دونوں طریقوں میں سے زیادہ مناسب اور بہتر یہ ہے کہ دونوں طریقوں پر عمل کیا جائے۔ اول تو اس کی شرارتوں سے رب تعالیٰ سے پناہ مانگی جائے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سے ہمیں محفوظ رکھنے کی توقع ہے۔

پھر ہمیں یہ محسوس کرنا کہ شیطان اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے باوجود ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتا اور ہمارے آگے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے جہاد سے ہماری قوت اور ہمارے صبر کا امتحان مطلوب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم شیطان سے مقابلہ و مجادلہ کرتے ہوئے اس سے مغلوب ہو جاتے ہو۔ جیسے کہ اس سے ہر انسان دوچار ہوتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ — اور بیشک ہم نے ان لوگوں کا امتحان لیا جو ان سے پہلے تھے

فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا — پس اللہ ضرور ان لوگوں کو جانتا ہے جو سچے ہیں

وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝ — اور ضرور ان لوگوں کو جانتا ہے جو جھوٹے ہیں

یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔ اور فرمایا:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ — کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا — ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے

مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝ — جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو نہیں جانا

یعنی ان کے ذریعہ ظاہر نہیں کیا۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہاد اور ہماری کوشش کا حکم دیا ہے۔ اور ہمارے صبر کو آزمانے کے لیے شیطان کو مقرر کیا ہے۔ اور اس سے مقابلہ کرنے کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ قرآن کے حقوق و آداب کو معلوم کرے اور جو چیز نہیں جانتا اس کو سیکھ لے۔ جب تک ان باتوں کا علم نہ ہو جائے گا تو پڑھنے والا قرآن کو نہیں سمجھ سکے گا۔ جیسے چور کو جب حکم ہوتا ہے تو حاکم کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ چور کو کیا سزا دینی ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ قرآن شیطان کی وساوس دعوت کو ہرگز منظور نہ کرو۔ اور نہ ہی اس سے متاثر ہو۔ اور قرآن سے کسی طرح کی طرف توجہ نہ دو۔ کیونکہ ابلیس ایک سوکھے درخت کی طرح ہے اگر قرآن کو پڑھنے والے توجہ نہ دیں گے تو وہ بھی خشک ہو جائے گا۔

ابلیس سے حفاظت کی تیسری تدبیر یہ ہے کہ ذکر الٰہی کی کثرت کی جائے۔ جیسا کہ رسول معظم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ان ذکر اللہ تعالیٰ فی جنب شیطٰن	شیطان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر
کالزکیۃ فی حنب ابن آدم۔	جیسے انسان کے لیے زکوٰۃ

سوال: شیطان کے مکر و فریب کس طرح معلوم ہو سکتے ہیں؟

جواب: شیطان کے مکر و فریب تین طرح کے ہیں۔ اول تو ان کے وسوسے ہیں جو ان کے ذریعہ ہوتا ہے لوگوں کے قلوب میں ڈالتا ہے۔ قرآن و حدیث کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ان وساوس کو معلوم کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔

دوسرے ان کے وہ فریب ہیں جو ان کے دوستوں کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ ان دوستوں کے دل میں شیطان کی محبت ڈالتا ہے اور ان کی محبت شیطان کے دوستوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ قرآن و حدیث کے علم نہ ہونے کی وجہ سے ان کو معلوم کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ تیسرے ان کے وہ فریب ہیں جو ان کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ ان کتابوں کی تصنیف کی ہے۔ قرآن و حدیث کے علم نہ ہونے کی وجہ سے ان کتابوں کی تصنیف کی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتے ہیں۔ ہر باطل پرست اپنی کتاب میں اپنے مذہب کی تائید میں آیات و احادیث کو پیش کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے علم نہ ہونے کی وجہ سے ان کتابوں کی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتے ہیں۔

اور اس کی دعوت کو الہام۔ اس کے مقابلے میں خدا کی طرف سے دل پر ایک تاثیر مسلط کر دیا گیا ہے جو بھلائی کی طرف بلاتا ہے۔ اس تاثیر کو وسوسہ اور اس کی دعوت کو وسوسہ کہتے ہیں۔ کیونکہ انسان کو نیکیوں کی طرف بلاتا ہے اور وسواس صرف برائیوں کی طرف۔ یہ اکثر علماء کی رائے ہے لیکن میرے شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ شیطان بسا اوقات بڑے بڑے نیکی کی دعوت دیتا ہے۔ مگر دراصل یہاں بھی اس کا مقصد برائی کی طرف لانا ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ بڑی نیکی کی بجائے چھوٹی کی طرف بلاتا ہے جس سے ایسا بڑا نہ کرنے کی تقصیر نیکی کے ترک سے زیادہ ہو جیسے عجب وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ انسان کے دل پر دو داعی قرار دیئے ہیں۔ ہر ایک اپنی نوعیت کی دعوت میں لگا ہوا ہے اور انسان اپنے دل سے دونوں کی دعوت کو سنتا اور محسوس کرتا ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذا والذی نفسی بیدہ ما من ابن آدم الا وقد لزم	جس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ہر انسان
شیطانہ یعدہ ویمنیہ والشیطان یعدہ ویمنیہ	کے ساتھ ایک شیطان لگا دیتا ہے جو اس کو وعدے
بہ شیطانا۔ والشیطان جاثم	دیتا ہے اور شیطان اس کے ساتھ ایک شیطان لگا دیتا ہے
علی اذن قلب ابن آدم الایسر و	شیطان اس کے دل کے بائیں کان میں پھونکتا
الملک جاثم علی اذنہ الایمن۔	رہتا ہے اور فرشتہ دائیں میں۔ اس طرح دونوں
فہما یدعوانہ۔	اپنی اپنی دعوت میں لگے رہتے ہیں۔

اور ابن ابی حاتم نے حسن سے یہ بھی روایت کیا ہے:

ان الشیطان لہ لمۃ بابن آدم والملک	شیطان بھی اپنی دعوت کے لیے انسان کے
لمۃ۔	پاس آتا ہے اور فرشتہ بھی۔

یہ ایک شے اور ہے جو نفس سے انسان کی جبلت میں رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ شر کی شہوت اور معصیت کی طرف مائل ہوتا ہے جو بہت بڑا حجاب اور سخت رکاوٹ ہے۔ اس تیسری چیز کا نام خواہش نفس ہے جو انسان کو آفات میں مبتلا کرتی ہے۔ یہ تین چیزیں ہیں جو انسان کو مختلف امور کی طرف بلاتی ہیں۔

یہ ان مقدمات سے بعد ہے تاکہ یہ جو ترتیب آثار ہیں جو بندے کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان سے آگاہی کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ خطرہ سے مراد ہیں "تقرب" چونکہ یہ بھی کبھی دل میں

آتا ہے اور کبھی جاتا ہے۔ جس طرح ہوا کہ کبھی آتی ہے اور کبھی باقی ہے۔ اس آنے جانے کے تغیرات کے باعث اس کو خطرہ کہتے ہیں۔

حقیقت میں ہر قسم کے خواطر خالق تعالیٰ ہی کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسباب وسوسہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ وہ خواطر چار قسم پر ہیں:

ایک وہ جو ابتداء خالق تعالیٰ کی طرف سے انسان کے قلب میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو الہام خواطر کہتے ہیں۔

دوسرے وہ جو انسانی جبلت کے موافق قلب میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو نفس کہتے ہیں

تیسرے وہ جو ملائکہ کی طرف سے ذریعہ خالق کی اجازت کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو الہام کہتے ہیں۔

چوتھے وہ جو شیطان کی طرف سے قلب انسانی میں آتے ہیں۔ ان کو وسوسہ کہتے ہیں۔ ان کی طرف منسوب کرتے ہوئے نہیں شیطان کی شرارت بھی کہتے ہیں

خلاصہ یہ کہ چار قسم پر ہیں تین قسم کے ذریعہ

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جو خواطر اسباب خالق کی جانب سے پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی نیک ہوتے ہیں۔ کبھی بد۔ پھر جو خواطر ملائکہ کی جانب سے ہوتے ہیں وہ ہمیشہ نیک ہی ہوتے ہیں کیونکہ ان کو نصیحت و ارشاد کے واسطے ہی مقرر کیا گیا ہے۔ اور جو خواطر شیطان کی جانب سے ہوتے ہیں وہ ہمیشہ بد ہی ہوتے ہیں کیونکہ بندہ کے ذریعہ برائی میں مبتلا ہو اور دین سے پھسلے۔ اور کبھی حسن کے طور پر بھی وسوسے میں ڈالنے کی غرض سے بھی نیک بھی ہوتا ہے۔ اور جو خواطر قلب میں نفس سے پیدا ہوتا ہے وہ فضول اور بری چیزوں کے متعلق ہوتا ہے کبھی اچھا بھی ہوتا ہے۔ اور جو خواطر ان میں سے بطریق سلامت سے ثابت ہے کہ جو نفس کی جانب سے ہوتا ہے وہ نیک اور بہتر چیز کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور ابلیس کی جو خواطر ہیں ان سے ہمیشہ برائی کی طرف لاتا ہے۔ ——— یہ ہیں تین ذریعہ جن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

پھر تین امور کو بھی یاد رکھنا ضروری ہے جو اس مقام میں ہیں۔ ایک یہ خطرات

[illegible] دوسرے یہ کہ خطرہ شیطانی اور نفسانی میں کیا امتیاز ہے۔ تیسرے یہ کہ خطرہ [illegible] رحمانی اور خطرہ شیطانی اور نفسانی میں کیا فرق ہے تاکہ خطرہ خیر رحمانی اور الہامی کی اتباع کی جائے اور نفسانی و شیطانی سے اجتناب کیا جائے۔

خطرہ خیر اور شر میں فرق کا طریقہ علمائے کرام نے یہ لکھا ہے کہ جو خطرہ قلب میں آئے اس کو میزان شرع سے تولا جائے اگر اصول شریعت کے موافق ہو تو وہ خطرہ درست اور صحیح ہے ورنہ غلط۔ اور میزان شرع سے قول معلوم نہ ہو سکے تو سلف صالحین کی سیرت مطہرہ سے موازنہ کیا جائے اگر اس کی سیرت کے مطابق ہو تو خیر ہے ورنہ شر۔ اگر سیرت سلف سے بھی پتہ نہ چل سکے تو اس کو اپنے نفس پر واردات سے پرکھا جائے۔ اگر نفس اس سے نفرت کرے۔ کسی خارجی خوف و ڈر کے باعث نفرت نہ کرے تو وہ نیک ہے۔ اور اگر قلب میں آنے والا خطرہ ایسا ہو کہ نفس اپنی طبیعت اور فطرت کے تقاضے سے اس کی طرف مائل ہو۔ مگر تعالیٰ سے کسی امید یا ترغیب کی بنا پر [illegible] تو وہ خطرہ شیطانی ہے کیونکہ نفس کی فطرت [illegible] ہے جب تک [illegible] طریقوں کے ذریعہ خوب کوشش، اجتہاد اور [illegible] سے تزکیہ نہ کر لیا جائے نفس کی [illegible] نہیں ہوتی۔ اور اگر نفس کی [illegible] ہو تو وہ خطرہ کے درمیان فرق [illegible]

دوسرے فرق معلوم کرنے کا طریقہ ہمارے علمائے کرام نے یہ بتایا ہے کہ اگر تم یہ معلوم کرنا چاہو کہ یہ خطرہ شیطانی ہے یا رحمانی یا نفسانی ہے۔ تو اس خیال کو تین طرح سے جانچو۔ کہ وہ [illegible] خطرہ پہلے [illegible] ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا نفس کی جانب سے ہے۔ اور [illegible] تو یہ خیال شیطانی ہے۔

[illegible] یہ ہے کہ ہر شے نفس چاہنے کی عادی ہے۔ جب تک اسے سخت شکست نہ [illegible] اس کے ساتھ شدت کا معاملہ نہ کیا جائے مغلوب و مرعوب نہیں ہوگی یا خارجی العقیدہ [illegible] ہے کہ [illegible] نہ کر دیا جائے اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔ [illegible] ہے۔ اگر تم اس کو ایک بات سے روکو تو دوسری طرف سے آگھستا ہے [illegible] اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ گناہ کرنے کے بعد دل میں آئے تو وہ رحمانی

ہوگا۔ تاکہ اس گناہ کی ذلت و حقارت دل میں آئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

اور کچھ نہیں بلکہ گناہوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ لگ چکا ہے۔

میرے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ گناہ کی قسمیں اور قسمیں ہیں مثلاً کرتے ہیں۔

اوّل اوّل تو دل میں برے خطرات آتے ہیں اور پھر یہ دل پر زنگ لگ جاتا ہے۔

اور برے خیال گناہ کے بعد متصل دل میں نہ آئے تو ایسے خیال شیطانی قوت سے۔ گو ذکر اللہ سے ابلیس اکثر برے خیالات دل میں ڈالتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو کہ ذرا سی کدورت ہو تو بہتر کہ ایسا خیال نقصانی ہے۔ اور اگر ذکر سے کدورت کم ہو تو ایسے خیال شیطانی ہے جیسا کہ آیت ذیل کے الفاظ کی تفسیر میں کہا گیا ہے:

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝

کہ ابلیس انسان کے دل کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ بندہ جب ذکر نہ کرتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے اور جب غفلت کرتا ہے تو اس کے دل میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔

حق تعالیٰ یا فرشتے کی جانب سے بندہ کے قلب میں جو خیال آتا ہے ان دونوں میں فرق و امتیاز کی پہچان یہ ہے کہ اگر وہ خیال پختہ و قوی ہو تو ایسا خیال رحمانی ہے۔ اور اگر اس میں کدورت و ظلمت ہو تو ملکی ہے۔ کیونکہ فرشتے ناصح بن کر انسان کے دل پر قدم رکھتا ہے۔ وہ ہر وقت بندے کو نیکی کی طرف مائل کرتا ہے اور نیک امور سجھاتا ہے تاکہ نیکیوں کو بجا لائے۔

فرق و امتیاز کی دوسری صورت یہ ہے کہ رحمانی خیال کے بعد دل میں آئے تو اطمینان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ان کے لیے اپنے راستوں کو کشادہ کر دیتے ہیں۔

اور ایک مقام پر فرمایا:

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى ۝

جو لوگ ہدایت پاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت

دور رہنے سے خیال کی جگہ سے بعد قلب میں پیدا نہ ہو بلکہ ابتداء پیدا ہو تو وہ ملکی ہوتا ہے اور اگر یہ خیال باختیار اعمال کے متعلق ہو تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور اگر یہ خیال فروع واعمال کے متعلق ہو تو فرشتہ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک فرشتے کو باطنی امور کی معرفت نہیں۔

اور جو نیک خیال شیطان کی جانب سے ہوتا ہے اور جس سے درحقیقت اس کا مقصود گمراہی میں مبتلا کرنا ہوتا ہے۔ تو ہمارے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی پہچان یہ بتائی ہے کہ اگر اس سے دل میں خوف پیدا ہو خوف پیدا نہ ہو عجب پیدا ہو تو اس کا اطمینان پیدا نہ ہو۔ دل میں بے خوفی آئے۔ ڈر نہ آئے۔ دل آخرت سے متعلق غفلت پیدا ہو۔ بصیرت پیدا نہ ہو تو ایسا خیال شیطانی ہے اس لیے اس سے اجتناب کرے۔ اور اگر اس کے خوف ہو یعنی اس سے قلب میں خوف کے بجائے خوف پیدا ہو عجلت کے بجائے تحمل پیدا ہو بے خوفی کے بجائے فکر پیدا ہو اور آخرت سے غفلت کے بجائے اس کی یاد پیدا ہو تو یہ خیال رحمانی ہے۔ جس کی کئی علامتیں ہیں کہ اس خیال سے صرف ایک قسم کا سکون ہے جس میں بے چینی نہیں ہوتی۔ اور جس دفعہ ذکر سے بھی نشاط و فرحت پیدا ہوتی ہے۔ اس قسم کی خوشی و فرحت نفس میں کبر اس سے کوسوں دور ہیں۔ یہ سب حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الخصلة من الشيطان لا تخفى	پانچ باتوں کے علاوہ باقی قدرتوں میں
خمس موضعة تزويه البكر	عجلت شیطانی فعل ہے۔ وہ پانچ کام ہیں۔
اذا ادركت. وقضاء الدين اذا	جب لڑکی بالغ ہو جائے تو جلدی بیاہ دی جائے
وجب. وتجهيز الميت اذا مات	جب قرض واجب ہو تو جلدی ادا کیا جائے۔
وقرى الضيف اذا نزل والتوبة	جب کوئی مہمان آئے تو اس کی مہمان نوازی میں جلدی کی جائے۔
من الذنب اذا اذنب	اور گناہ سرزد ہونے پر جلدی توبہ کی جائے۔

اور خواہشات سے پیدا ہونے کا بندے کے دل میں یہ ڈر ہو کہ شاید میں اس کے عملی طور پر کل مقدمہ دار ہوں یا نہ ہو۔ اور شیطانی میں یہ قبول ہو یا نہ ہو۔ اور بصیرت کا سبب یہ ہے کہ اس ارادے میں غور و تامل کرے کہ اچھا ہے یا کہ برا ہے۔ اور آخرت میں اس پر ثواب ملنے کی امید ہے یا نہیں۔

یہ تین امور ضروری تھے جن کی معرفت سے کبھی خوشی ہوتی ہے کبھی غم، ان تین امور کی معرفت ہونا ضروری ہے اس لیے انہیں ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ اور جہاں تک ہو سکے ان کی تفصیل تک پہنچنا چاہیے کیوں کہ ان تین امور کی معرفت و واقفیت علوم طریقہ و اسرار حقیقت سے ہے۔

باقی رہے ابلیس کے وسوسے جن کے ذریعہ بندے کو [illegible] ہے، وہ سات قسم ہیں۔

اوّل طاعات سے روکنے کی کوشش کرتا ہے ——— تو اگر اللہ تعالیٰ بندے کو بچا لے اور بندہ اس کے مقابلے کو اس طرح رد کر دے کہ "نفسانی خواہشات و جہالت کی تعمیل نہ کرے گا کیوں کہ یہ سفر آخرت کا توشہ ہیں، اور بغیر توشہ سفر طے نہیں ہو سکتا" تو:

پھر ابلیس اس طرح گمراہ کرتا ہے کہ "نیکو آمد رشتہ دو یہ کام کل کر لینا ——— بندہ اس سے بھی بچ جائے اور ابلیس کی بات کو اس طرح رد کر دے کہ "میری عمر موت میرے قبضہ میں نہیں ہے۔ اور دوسرے یہ کہ آج کا کام کل پر چھوڑنا تو کل کا کام پرسوں پر چھوڑنا ہوگا کس دن کام کریں گے" یہ بھی علیحدہ ہے"۔

جب ابلیس یہاں بھی ناامید ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ بندگی جلدی کرو تاکہ فارغ ہو کر [illegible] لیے فارغ ہو سکو ——— اگر بندہ اس کے اس دھوکے سے بھی بچ جائے اور اس کو رد کر دے تو نیکی اطمینان و سکون کے ساتھ نیکی سے بہتر ہے جو [illegible] میں زیادہ و مگن ہو۔

اگر یہاں بھی دھوکا نہ ہو تو بندہ کو ریا میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے ——— کہ اس وقت بھی بندہ اللہ تعالیٰ کی مدد و حفاظت سے بچ جائے اور یہ کہہ کر وسوسہ ریا کو رد کر دے کہ میں اللہ کی خوشنودی کے لیے عبادت کیوں کروں، کیا اللہ تعالیٰ [illegible] سے [illegible] نہیں ہے تو

پھر وہ غیب میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بندہ اس وسوسہ کو بھی رد کر دے اور شب بیدار ہے، اور تو فیق عبادت کا مالک ہے ——— تو فیق الٰہی سے نفس کو [illegible] محفوظ رہے اور غیب میں مبتلا نہ ہو۔ جبکہ ابلیس کے اس وسوسہ کو بھی رد کر دے۔ اس میں یہ کہنا کہ یہ [illegible] ہے۔ یہ تو یہ سب اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس نے [illegible] کو یہ توفیق دی [illegible] میرے [illegible] اعمال کو شرف قبولیت سے نوازے۔ اگر اس کا فضل و کرم نہ ہوتا تو میرے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نہ جانے کا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی مہربانی اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے جنت فردوس میں داخل ہوگا، لیکن حقیقت میں یہ دخول بھی وعدہ خداوندی کی وجہ سے ہوگا۔ اسی صدق وعدہ کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سعید لوگوں کے اس مقولہ کو نقل فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ۔ — سب تعریفیں حق تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

لہٰذا خدا کے لیے رحم کرو! تمہیں ابلیس کے حیلوں سے بچنے میں ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیے۔ کیونکہ معاش کی زکوٰۃ تمہارے ساتھ ہے۔ اور سستی پر ہمیشہ باقی اعمال و افعال کو بھی قیاس کرو اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہو اور ان کی پناہ میں رہو۔ کیونکہ یہ معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور توفیق عطا کرنے والا بھی وہی ہے ——— وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

چوتھا عائق (مانع) "نفس"

یہ سب عبادت کے طالب! اللہ تعالیٰ تجھ پر اور تمہیں ہر خرابی سے محفوظ رکھے، نفس کی شرارتوں سے بچنا بھی بہت ہی ضروری ہے کیونکہ یہ نہایت نقصان دہ دشمن ہے اور اس کی آفات نہایت سخت ہیں۔ اس کا علاج بہت مشکل ہے۔ اس کی بیماری نہایت خطرناک بیماری ہے اور اس کی دوا سب دواؤں سے دشوار ہے۔

نفس کا اس قدر فاسد اور خطرناک ہونا دو وجہ سے ہے:

اوّل یہ کہ نفس گھر کا چور ہے۔ اور چپکے گھر میں چھپ کر جو نقصان سے محفوظ رہنا بہت مشکل ہے، بہت زیادہ نقصان پہنچاتا ہے نفس کی شرارتوں کے متعلق کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

نَفْسِیْ هِیَ مَضَرَّتِیْ دَاعِیْ — تَکْثِیْرُ اَسْقَامِیْ وَوَجَاعِیْ

کَیْفَ اَجِیْبُهَا مِنْ عَدُوِّیْ اِذَا — کَانَ عَدُوِّیْ بَیْنَ اَضْلُعِیْ

ترجمہ: نفس ہمیشہ مضرت رساں باتوں کی طرف بلاتا ہے اور میری بیماریوں اور دردوں کو زیادہ

کرتا رہتا ہے۔

(۲) اس دشمن سے بچنے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے جو دوستوں ہی کے درمیان چھپا بیٹھا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نفس بڑا عجوبہ دشمن ہے۔ وہ انسان کو اپنے جیسی ہی دوسری نفس کے عیوب نظر نہیں آنے دیتا۔ ہر نفس اپنی ذات کے عجوبے عجوبے نہیں رہتے۔ ایک شاعر نے اس پر اپنا تجربہ ذیل کے دو شعروں میں بیان کیا ہے:

لست ترى عيب الذى وده راحى ولا يخفى عليه اذا كنت راقبه

وعين الرضا عن كل عيب كليلة ولكن عين السخط تبدى المساويا

ترجمہ: اے بیٹے کسی سے دوستی کرنے میں جلدی نہ کرو جب تک اس کو اچھی طرح نہ جانچ لو۔ اس لئے کہ کوئی عیب نہیں

(۳) دشمن کی تیسری قسم وہ ہے جو ہمارے ہی اندر ہے۔ یہ دشمن سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

ترجمہ

انسان کی اپنی ہر قسم کی ترقی کا دشمن انسان کے اندر ہی ہے۔ انسان کے ساتھ جو حادثات اور نقصانات پیش آتے ہیں ان میں سے بیشتر کا ذمہ دار انسان خود ہی ہوتا ہے۔ اس کی ذات کے اندر ہی وہ چیز ہے جو اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

اسی لئے قرآن نے ایک نقطہ پر بڑا زور دیا ہے کہ انسان کو اپنی ذات کی اصلاح کرنی چاہیے۔ فرمایا ہے کہ جب تم راہ راست پر ہو تو پھر دوسروں کی گمراہی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اپنی ذات کی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ اپنی ذات کی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ اپنی ذات کی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

اسی لئے قرآن نے ایک نقطہ پر بڑا زور دیا ہے کہ انسان کو اپنی ذات کی اصلاح کرنی چاہیے۔ فرمایا ہے کہ جب تم راہ راست پر ہو تو پھر دوسروں کی گمراہی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اپنی ذات کی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ اپنی ذات کی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ اپنی ذات کی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

چاہیے نفس کا رکھتی۔ ابلیس نے قسم کھا کر کہا کہ نہ کھانے کے بعد تمہیں ہمیشہ ہمیشہ جنت میں نہ نصیب ہوگا۔ تو دونوں بھوکے پیاسے تو رہنا نہ تھا بھوکے پیاسے رہ گئے۔ تو یہ لغزش بھی ان دونوں بعد میں بالکل معاف ہوگئی، نفس کی مدد و نصرت سے وقوع ہوئی اور دونوں حضرات کے بدن پر جنت کے پتے دور کر دیے گئے اور جنت فردوس سے نکل کر دنیا کی طرف منتقل کر دیے گئے۔ اور اس لغزش کا اثر نہیں ہوا کہ وقت میں پیش آئیں۔ اور ان کی اولاد بھی قیامت تک دنیا کے ہندوں میں مبتلا ہوگئی

یہ بات ہابیل کے قتل کی اصل وجہ سے ہی ہوا اور ہر وقت وہ رونے کی شہوت کے سبب فتنے میں مبتلا ہوئے۔ اور اسی سے قیامت تک نفس کی وجہ سے نازل فتنہ ہر وقت ہوتے رہیں گے۔ مخلوق میں جو فتنے ہوتے ہیں ہوا ہیں اور جو کہ وہ واقع ہوتے ہیں اور ان سے نبی دنیا اور نفس کی خواہش ہی ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو شوق جنت اور اس کی طرف سے نفس کی مدد نہ ہوتی تو شیطان حضرات کے نفس پر قابو نہ پا سکتا۔

سوال: تو ایسے دشمن سے حفاظت میں رہنے کا کیا طریقہ ہے جس کی وجہ سے ان کی

جواب: تم یہ بیان کر چکے ہیں کہ نفس کا علاج ریاضت سے کیا جائے۔ اب اس

کتنے ہیں جن سے بچنے کے لیے دوست کے بچنے کی ورنہ کہ ان کے ساتھ

سوال :

[illegible] بہت ہی کوشش کرتے ہیں اور [illegible] اس کا کیا سبب ہے؟ نیز آپ
مشاہدہ سے اس بات اور کوشش کرنے سے ہم کس کو زیادہ کر سکتے ہیں؟

جواب :

تمہارا یہ خیال درست ہے۔ واقعی یہ انتہائی کوشش ہے۔ مگر اس کا جیسا یہ ہے کہ سے بہت
ذہین طالب علم کر سکتے ہیں جو کہ تمام میں آسکے۔

[illegible] نے فرمایا ہے کہ نفس کو خوش اور اس کے ذوق کو تین چیزوں سے توڑا جا سکتا ہے:
قلت یا کثرت سے نفرت سے۔ کیونکہ ہر ایک چیز کو جب پیدا کم ملتی ہے تو زیادہ ہو جاتا ہے
اور اس کی ہر چیز کہ جب [illegible] ہو جاتی ہے۔ کیونکہ گدھے کو جب چارہ کم دیا جاتا
ہے تو بہت زیادہ [illegible] ہو جاتا ہے۔

[illegible] نفس کو ہمیشہ [illegible] کا حکم دیتا ہے۔ اس
[illegible] جس پر [illegible] کا ارشاد ہے کہ

[illegible] نفس کو ہمیشہ [illegible] کا حکم دیتا ہے۔ اس
[illegible] جس پر [illegible] کا ارشاد ہے کہ

جب تم [illegible] پر [illegible] ہو جاؤ گے تو [illegible] نفس کی [illegible] کا
[illegible] میں [illegible] کا [illegible] دیتے ہیں جلدی کرتے ہیں تاکہ آئندہ کے لیے [illegible]
سے محفوظ رہ سکیں۔

سوال :

[illegible] کی [illegible] فرمائیں تاکہ ہم [illegible] کی حقیقت سے واقف ہو سکیں؟

جواب :

[illegible] کی [illegible] کہ [illegible] کی [illegible] ہے۔ اگر [illegible] خزانے کو پائے
میں [illegible] ہو جائے تو [illegible] کی [illegible] قیمت ہوتی [illegible] ہیں گے اور علم و دولت [illegible]
[illegible] ہو جائے گا۔ [illegible] کریم تمہارے [illegible] کرے گا۔ تم بہت بڑی [illegible] حاصل کر سکو گے۔

بہت بڑی نعمت پا لیں گے، اور ایک عظیم جنت کے مالک بن جائیں گے۔ یوں سمجھو کہ دنیا و آخرت کی بھلائیاں تقویٰ میں سمو کر دی گئی ہیں۔ تم ذرا قرآن حکیم میں تو غور کرو کہ کہیں اللہ و رسول اگر تقویٰ اختیار کرنے کو کہا ہے تو ہر قسم کی خیر و برکت کے مالک بن جاؤ گے۔ کہیں تقویٰ اختیار کرنے پر اجر و ثواب کے وعدے فرمائے گئے ہیں۔ ورکہیں فرمایا گیا کہ سعادت کا ذریعہ تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنا ہے۔

میں یہاں قرآن حکیم سے تقویٰ کے بارہ فوائد بیان کرتا ہوں:

(۱) متقی شخص کی رب تعالیٰ حمد و ثنا کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔	اگر تقویٰ اور صبر اختیار کرو گے تو بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

(۲) متقی شخص دشمنوں سے مامون و محفوظ رہتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا۔	اگر تقویٰ و صبر اختیار کرو گے تو تمہیں ان غداروں کے مکر و فریب کچھ نقصان نہ دے سکیں گے۔

(۳) متقی شخص کی اللہ تعالیٰ تائید و نصرت فرماتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔	بیشک اللہ تعالیٰ متقی و نیکوکاروں کے ساتھ ہے

ایک جگہ فرمایا:

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ۔	اور اللہ متقیوں کا حامی و مددگار ہے۔

(۴) اہل تقویٰ آخرت کی نعمتوں کے ساتھ ساتھ دنیا کے شدائد سے نجات پائیں گے اور دنیا میں بھی انہیں لازوال نعمتیں نصیب ہوں گی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔	جو شخص تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنا لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر قسم کی مشکل سے نکلنے کا راستہ مہیا کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہ ہوتا۔

(۵) اس کے اعمال کی اصلاح ہو جائے گی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ	اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو

وَتُوبُوٓا إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا اور ہمیشہ درست و سچی بات کہو۔ اس طرح
لَعَلَّكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے گا۔

۸۔ تقویٰ کی بدولت تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ اور تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہارے
گناہ معاف کرے گا۔

۹۔ متقی شخص اللہ تعالیٰ کا دوست بن جاتا ہے۔ جیسا کہ کلام اللہ شریف میں آیا ہے:

إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَّقِينَ۔ بیشک اللہ تعالیٰ متقی لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔

۱۰۔ تقویٰ سے اعمال درجہ قبولیت کو پہنچتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ ٱللَّهُ مِنَ ٱلْمُتَّقِينَ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف تقویٰ کے عمال
ہی قبول ہوتے ہیں۔

۱۱۔ تقویٰ کے باعث انسان خدا تعالیٰ کے ہاں زیادہ سے زیادہ مکرم و معظم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا
ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ۔ تم میں سے خدا کے ہاں وہی زیادہ مکرم و معظم
ہے جو زیادہ متقی و پرہیزگار ہے۔

۱۲۔ متقی لوگوں کو بوقت موت اور بعد از موت بھی بشارت دی جاتی ہے۔ ارشاد
خداوندی ہے:

ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ لَهُمُ جو لوگ ایمان لائے اور متقی بنے رہے۔
ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْـَٔاخِرَةِ ان کیلئے دنیا و آخرت میں بشارت ہی بشارت ہے

۱۳۔ متقی لوگ آگ اور دوزخ سے محفوظ رہیں گے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ نُنَجِّى ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوا۟ جو لوگ متقی بنے رہے ہم انہیں نجات دیں گے

اور فرمایا:

وَسَيُجَنَّبُهَا ٱلْأَتْقَى۔ متقی انسان کو دوزخ سے بچا لیا جائے گا۔

۱۴۔ متقی لوگوں کو ہمیشہ کیلئے جنت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ جنت پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے

قرآن مجید نے نکاح دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں کو جمع کیا اور ان میں ایک "تقویٰ" کو قرار دیا کہ اس لیے اسے عزیز رکھو اور تقویٰ اختیار کرو اور جب ضرورت ہو تو اس سے تمسک کرو۔

پھر مذکورہ فوائد تقویٰ کی تین صورتیں صرف عبادت سے تعلق رکھتے ہیں۔

اوّل: عبادت کی توفیق اور اس میں اعانت و تائید۔ جیسے فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

دوم: اعمال کی اصلاح و درستی اور عبادت کی خامیوں کو دور کرنا۔ یہ چیز بھی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَيُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۔ تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح صحیح فرما دے گا۔

سوم: قبولیتِ اعمال۔ قبولیتِ اعمال کی یہ فضیلت بھی اہل تقویٰ ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۔ اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں کے اعمال کو قبول فرماتے ہیں۔

اور عبادت کا دوسرا رکن "دعا" ہے۔ بندہ تو خود توفیقِ عبادت اور اعمال کی اصلاح کی دعا کرتا ہے۔ پھر اس میں جو کمی رہ جاتی ہے اس کی اصلاح اور پھر اس عبادت کا قبول ہونا تقویٰ ہی پر موقوف ہے۔ یہ تینوں امور یعنی توفیقِ عبادت، اصلاحِ اعمال اور قبولیتِ اعمال یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام تقویٰ سے دعا کرتے رہے ہیں اور دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا وَفِّقْنَا لِحَسَنَاتِكَ وَاَصْلِحْ ۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنی توفیق سے

نَتَقَبَّلْ مِنَّا وَاغْفِرْ لَنَا ۔ نیکیوں کو قبول فرما اور ہماری خطاؤں کو معاف

فرما دے۔

لیکن اصل تعلق سے تقویٰ سے خود ہی بغیر دعا کے یہ تینوں امور کا حاصل ہونا اور اسباب تقویٰ سے اعمال کا درست ہونا ذکر فرمایا ہے۔ اس لیے بندے کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرتے ہوئے دنیا و آخرت

کی تعریف بہت اچھے موقع پر ہے میں صفت تقویٰ پیدا کرو۔ ایک شاعر نے تقویٰ کی بہت ہی عمدہ انداز میں تعریف کی ہے:

من تقی اللہ فاز بالذی ۔۔۔ سبق الیہ المتجرالرابح

زینۃ المرء فی قبورہ ۔۔۔ خیر التقی و لعمر اللہ

(۱) جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہی نفع دینے والی شے حاصل کرتا ہے۔

(۲) تقویٰ انسان کے لئے قبر میں خوبی اور عمل صالح ثابت ہوتے ہیں۔

تقویٰ کی مثال جیسی دوسرے شاعر نے اس طرح بیان کی ہے:

۱۔ ۔۔۔ من عرف اللہ فخافہ ۔۔۔ عرف اللہ فاتقاہ

۲۔ ۔۔۔ ما یصنع العبد بعز التقی ۔۔۔ والعز کل العز للمتقی

۳۔ ۔۔۔ ما خیر ذا صحۃ فی ذلۃ ۔۔۔ فی صحۃ و مذ التقی

(۱) جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی اور وہ اس سے ڈرنے لگا تو ایسا شخص ہے

(۲) دوست سے حسن کون سی چیز حاصل ہو سکتی ہے۔ عزت تو سب تقویٰ سے وابستہ ہے۔

(۳) متقی شخص کو جو بہتری اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں حاصل ہوتی ہے وہ نہ تو بیمار میں ہے بلکہ تندرستی میں ہے

جس لوگوں نے کہا ہے کہ اس کی قبر پر یہ لکھا جائے:

لیس زاد سوی التقا ۔۔۔ خذی منہ او دعی

(۱) تقویٰ کی زینت کا تذکرہ ہے۔ جب تیری رغبت اسے حاصل کرنے یا چھوڑنے

(۲) میں ہے تو تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۳) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۴) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۵) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۶) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۷) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۸) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۹) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۱۰) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۱۱) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۱۲) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۱۳) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۱۴) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۱۵) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۱۶) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۱۷) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۱۸) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۱۹) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۲۰) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۲۱) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۲۲) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۲۳) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۲۴) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۲۵) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۲۶) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۲۷) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۲۸) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۲۹) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۳۰) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۳۱) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۳۲) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۳۳) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۳۴) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۳۵) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۳۶) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۳۷) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۳۸) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۳۹) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۴۰) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۴۱) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۴۲) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۴۳) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۴۴) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۴۵) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۴۶) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۴۷) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۴۸) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۴۹) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۵۰) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۵۱) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۵۲) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۵۳) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۵۴) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۵۵) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۵۶) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۵۷) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۵۸) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۵۹) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۶۰) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۶۱) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۶۲) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۶۳) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۶۴) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۶۵) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۶۶) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۶۷) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۶۸) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۶۹) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۷۰) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۷۱) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۷۲) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۷۳) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۷۴) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۷۵) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۷۶) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۷۷) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۷۸) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۷۹) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۸۰) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۸۱) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۸۲) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۸۳) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۸۴) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۸۵) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۸۶) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۸۷) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۸۸) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۸۹) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۹۰) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۹۱) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۹۲) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۹۳) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۹۴) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۹۵) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۹۶) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۹۷) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۹۸) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۹۹) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

(۱۰۰) ہے تقویٰ کو اختیار کر کہ قبر میں تقویٰ کے سوا کچھ ساتھ نہیں جاتا اور جو ہستی دنیا میں

انسان اتقیٰ متقی بن جاتا ہے۔"

حضرت مدراس قمر کے متعلق سنا ہے کہ آپ پر وقت موت روپڑے۔ حالانکہ زندگی آپ کی حالت یہ تھی کہ ہر روز رات میں ایک ہزار رکعت نفل پڑھتے تھے پھر اپنے بستر پر آتے تھے اور بستر پر مجھ سب ہو کر فرماتے تھے "اے ہر برائی کی جگہ آرام دینے والے! میں نے تجھے ایک پاک جگہ پر بستر میں پایا۔

جب آپ روتے تو کسی نے کہا آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا میں رب تعالیٰ کے اس قول کو یاد کر کے روتا ہوں: اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔

پھر باب ورع پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ورع کی اصل سے وہ یہ کہ بندہ اپنے نفس کو ہر چیز کی خدمت میں حق کے لئے ذلیل و حقیر بنا دے۔ تو بندہ متقی نہیں بن سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی دو وصیتوں کو نہ جمع کرے جو اس نے تمام اولین و آخرین کو کی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ... (ہم نے ان لوگوں کو جو تجھ سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے)

مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ ... (اور تم کو بھی یہی حکم دیا ہے)

اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ... (کہ اللہ سے ڈرتے رہو)

اس تقویٰ کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کی منہیات سے اجتناب کرے۔ اور باطنی تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سوا ہر چیز سے اپنے دل کو خالی کر لے۔ اور اس کا دل اللہ کی محبت، اس کی عظمت اور اس کی ہیبت سے بھر جائے۔ اور اس کے دل میں اللہ کے سوا کسی کی عظمت باقی نہ رہے۔ اور اللہ کے سوا کسی کی ہیبت اس کے دل میں نہ رہے۔ اور اللہ کے سوا کسی کی محبت اس کے دل میں نہ رہے۔ اور اللہ کے سوا کسی کی طرف اس کا دل مائل نہ ہو۔ اور اللہ کے سوا کسی کی طرف اس کا دل راغب نہ ہو۔ اور اللہ کے سوا کسی کی طرف اس کا دل متوجہ نہ ہو۔ اور اللہ کے سوا کسی کی طرف اس کا دل رجوع نہ کرے۔ اور اللہ کے سوا کسی کی طرف اس کا دل اعتماد نہ کرے۔ اور اللہ کے سوا کسی کی طرف اس کا دل اطمینان نہ کرے۔ اور اللہ کے سوا کسی کی طرف اس کا دل سکون نہ پکڑے۔ اور اللہ کے سوا کسی کی طرف اس کا دل اعتماد نہ کرے۔ اور اللہ کے سوا کسی کی طرف اس کا دل اطمینان نہ کرے۔ اور اللہ کے سوا کسی کی طرف اس کا دل سکون نہ پکڑے۔

اور تقویٰ بندگی و عبادت کو زیبا ہے تو یہ بات تو ہر شخص کے لئے ہر وقت اچھی ہے پھر یہ کیوں

کہا ہے:

وہ جس کو تقویٰ ہی عزیز کر دے ۔۔۔ وہ جس کو تقویٰ ہی عزیز کر دے

وہ کیوں نہ تقویٰ پہ سخت مائل ہو ۔۔۔ کہ تقویٰ ہی سب سے اونچا رتبہ ہے

۱۔ جس کو تقویٰ کی دولت دی گئی ہے اسے دنیا کی کوئی چیز نہیں بھاتی۔

۲۔ جب کوئی شخص ہمیشہ اللہ سے تقویٰ پیدا کرنے کی دعا کرتا رہے تو ظاہر ہے کہ وہ ہمیشہ

ہمیشہ اللہ کی رضا پر ہی راضی ہوگا۔

یہ آخری نکتہ بھی بہت اچھا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور خوشنودی کے لئے

منتخب فرما لے۔ پھر ہمیشہ اس پر عمل کرے اور دوسری چیزوں سے بے نیاز ہو جائے۔ واللہ اعلم

وہی اللہ بہتر جانتا ہے۔

سوال:

تفسیر کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ بہت اعلیٰ شے ہے۔ اس کو حاصل کرنا بہت

مشکل ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ پھر اس کے ساتھ اس کی

فضیلت بیان کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

بات اصل میں یہ ہے کہ تقویٰ بہت ہی بڑی چیز ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کی

معرفت بھی بہت ہے۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ تقویٰ کی کوئی نہ کوئی تعریف بیان کی جائے۔

اس لئے اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کی اہمیت بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ اور تقویٰ

کی زیادہ سے زیادہ اہمیت یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے لئے منتخب فرما لے۔ پھر

کسی بندے کا اللہ کی رضا کے لئے منتخب ہو جانا بہت بڑی بات ہے۔ اس کے بعد کسی اور

چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ درجات سب کے سب اللہ کی رضا میں آ جاتے ہیں۔ اور

اللہ کی رضا کے بعد کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

[illegible] ۔۔۔ [illegible]

سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اور جو نیکی کریں ہم ضرور ان کو اپنے

وصول کے راستوں کی رہنمائی کریں گے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے

اور خدا تعالیٰ رؤف و رحیم ہے۔ ہر مشکل کو آسان کرنا اس کے دست قدرت میں ہے۔ اب تم اپنے دل

کی طرف کان لگاؤ اور ان کو ذہن نشین کرنے کے لیے بیدار ہو جاؤ اور تقویٰ کی اہمیت و حقیقت کو بہت

غور سے سمجھو تاکہ اس کی حقیقت سے واقف ہونے کے بعد اس کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کر سکو۔

اور اس کی حقیقت کو جان لینے کے بعد اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے رب تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔

کیونکہ اصل چیز وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کو اپنے فضل و کرم سے ہدایت اور توفیق دیتا ہے۔

اے عزیز! (اللہ تعالیٰ تیرے دین میں برکت اور تیرے یقین میں اضافہ فرمائے) تقویٰ کے

معنی مشائخ کرام نے بیان فرمائے ہیں جن میں سے دو معنی مشائخ نے تقویٰ کے یہ بیان کیے ہیں:

تنزیہ القلب عن ذنب لم یتب — دل کو ان گناہوں سے پاک کرنا جن کی توبہ نہ کی گئی ہو

عنہ مثلہ۔ — صادر نہیں ہوا۔

تاکہ تمہارے اندر ترک گناہ کے ہر قسم کے معاملہ سے بچنے کا ملکہ پیدا ہو جائے۔ یہ بیان

رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی یہی تعریف کی ہے۔ کیونکہ لفظ تقویٰ لغت عرب میں اس بچاؤ

اور لفظ وقوی وقایۃ کی جڑ معلوم ہے۔ کہ جس سے وقایہ و وقوی پیدا ہوتے ہیں

تبدیل کیا گیا۔ جیسے وُکلان سے تُکلان بنا دیا گیا۔ اور وقایۃ کے معنی میں بچاؤ و حفاظت کا ذریعہ

جب بندہ ترک معاصی کا پختہ عزم کر لیتا ہے اور دل ترک معاصی پر مطمئن ہو جاتا ہے تو یہ

عزم و ارادے و دل کے اطمینان کو متقی اور اس عزم و اطمینان کو تقویٰ کہتے ہیں۔

پھر تقویٰ کا مصداق قرآن حکیم میں تین شے ہے۔ پر ہوا ہے ایک خوف و ہیبت خداوندی جیسے:

وَإِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ۔ — صرف مجھ ہی سے خوف دل میں رکھو۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى — اور اس دن سے ڈرو جس دن تم سب کو واپس

اللّٰهِ۔ — میرے پاس لوٹ کر آنا ہے

اور تقویٰ کا لفظ عبادت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا — ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا — جبکہ وہ شغل میں رہیں وہ ان میں جو

مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ — اعمال صالح میں پھر تقویٰ کیا اور

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ — پھر تقویٰ کیا اور ایمان لائے پھر

اَحْسَنُوْا۔ — کی راہ اختیار کریں۔

اس آیت میں تقویٰ سے مراد پرہیز اور بچاؤ ہے۔ دوسرے سے مراد شرک سے پرہیز اور اس کے مقابل ایمان سے اہل سنت و جماعت کے عقائد و نظریات کا اقرار اور تیسرے تقویٰ سے مراد گناہوں سے پرہیز ہے جس کے مقابل احسان ہے۔ اس وضاحت سے یہ ظاہر ہوا کہ اس آیت میں تقویٰ کے تینوں مراتب بیان کیے گئے ہیں۔ مرتبہ بیان مرتبہ سنت۔ اور ان سب کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی پرہیزگاری پر ہے۔ بعض مفسرین کرام نے تقویٰ کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ میں نے تقویٰ کا ایک اور معنی بھی پایا ہے اور وہ معنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مشہور حدیث میں مروی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لا يسمى المتقون متقين لانهم — متقی متقی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں

ما تركوا من الحلال مخافة — جو حلال کو اس خوف سے ترک کرتے ہیں کہ

الحرام — کہیں حرام میں نہ پڑ جائیں

میں حرج اور گناہ ہو۔

میں نے سب بیان کرنا ہوں کہ علماء کرام کے بیان کردہ معنی اور اس حدیث میں تقویٰ کے مذکور معنوں کو ملا لیں تو تقویٰ کے مکمل اور پورے معنی بیان ہو جاتے ہیں۔

تو تقویٰ کے جامع ترین معنی یہ ہوئے کہ ہر اس شے اور کام سے اجتناب کرنا جس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہو۔ مثلاً معلوم نہیں کہ کون سی حلال چیز کسی شخص کے لیے وبال ہو اس لیے پرہیزگار حضرات صحت کے لیے مضر ہر چیز سے اجتناب کرتے ہیں۔ تو اس عمل پر بھی تقویٰ کا اطلاق ہوتا ہے۔ جو شخص ہر خلاف شرع امر سے اجتناب کرے تو یہ بھی متقی کہلانے کا مستحق ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال:

[illegible]

جواب:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فصلِ اوّل آنکھ کے بیان میں:

پہلی قسم بینائی آنکھ کی حفاظت بھی لازم ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حفظ نظر کی توفیق دے)۔
کیونکہ آنکھ ہی فتنہ و مصیبت کا سبب ہے۔ اور میں اس کے متعلق تین امور بیان کرتا ہوں جن پر
عمل کرنے سے نظر کی حفاظت ان شاء اللہ تعالیٰ پوری طرح میسر آجائے گی۔

پہلا امر وہ جو قرآن مجید کی اس درج ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ	اے محبوب اہل ایمان سے کہو اپنی نگاہیں
وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى	نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ
لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا	ان کے لیے بہت پاکیزہ بات ہے اور اللہ ان
يَصْنَعُوْنَ	کے کاموں سے خبردار ہے

اے عزیز! تو جان کہ اس مختصر سی آیت میں غور کرنے سے بہت تین عجیب و غریب معانی معلوم ہوتے ہیں۔
یعنی اس آیت میں تادیب، تنبیہ اور تشدید تین امر جمع کر دیے گئے ہیں۔

تادیب یہ ہے کہ ادب سکھانا۔ تو اس آیت کے اس ٹکڑے میں ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ
اَبْصَارِهِمْ۔ کیونکہ اس آیت میں لفظ یَغُضُّوْا وارد ہوا ہے، جو صیغہ امر ہے۔ تو غلام پر لازم ہوتا
ہے کہ آقا کے حکم کی تعمیل کرے اور اس کے بتائے ہوئے آداب کو بجا لائے ورنہ بے ادبوں میں شمار
ہوگا اور بے ادب خادم کو آقا کی مجلس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملتی اور نہ وہ آقا کے سامنے
آنے کے لائق ہوتا ہے۔ اس نکتے کو ذہن نشین کر لو اور اس میں غور کرو کیونکہ اس میں بہت کچھ ہے۔

اور تنبیہ اس لفظ میں ہے: ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اس ٹکڑے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔
ایک یہ کہ نظروں کو جھکائے رکھنا مومنوں کے دلوں کو زیادہ پاک کرنے والی شے ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ طہارت
کے معنی میں ہے اور تزکیہ تطہیر کے ہم معنی۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ نظروں کو جھکائے رکھنا مومنوں کی نیکیوں کو بڑھانے اور زیادہ
کرنے کا باعث ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کے معنی لغت میں بڑھنے اور زیادہ ہونے کے بھی آتے ہیں۔ تو مطلب
یہ ہوا کہ نظریں جھکائے رکھنا دل کو بہت زیادہ پاک کرتا ہے اور نیز عبادت وغیرہ میں اضافے کا ذریعہ ہے۔ اور

یہ اس لیے ہے کہ گرم تنور پر نہ رکھو بلکہ اسے آزاد رکھو ہر چیز پر ڈالو تو بسا اوقات مرغی نہ ہو اور فضول

کبھی ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دے گا اور پھر رفتہ رفتہ تمہاری نظر حرام پر بھی پڑنا شروع ہو جائے گی

اب اگر قصداً ہر ہر پر نظر ڈالو گے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اور بہت ممکن ہے کہ تمہارا دل حرام شے پر جم

جائے اور قلب ہی تباہ ہو جائے کیونکہ روایات میں وارد ہے:

ان [illegible] بعض اوقات [illegible]

قلب [illegible] من [illegible]

[illegible] ربط [illegible]

اور اگر ان دونوں حرام میں سے کوئی بات تو نہ ہو لیکن یہ بات ہے کہ تمہارا دل مشغول ہو جائے اور

اس کے سبب تمہارا دل میں طرح طرح کے وسوسے اور خیالات آنے شروع ہو جائیں اور نماز میں

کی چیزوں تک عمل نہ پہنچ سکے اور اس طرح وسوسوں کا شکار ہو کر نمازیں سے رہ جائیں تو ایسے

کسی وقت دیکھ ہی لینا تو بہتر ہے تاکہ وسوسے اور خیالات سے تو محفوظ رہو گے اور پیش نہ آنے

محسوس کرو گے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کو خوب سمجھ لو۔ واللہ تعالیٰ الموفق

اور قرآن میں ارشاد ہے: ۔ دوسری جگہ فرمایا:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي — (اللہ تعالیٰ) خائن آنکھوں کو اور سینوں میں پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔

دُوسرا اُصول:

کہ آپ نے فرمایا:

ان النظر الی محاسن المرأة سهم مسموم من سهام ابليس فمن تركها اذاقه الله طعم عبادة تسرّه

غیر محرم عورت کے حُسن و جمال پر نظر ڈالنا ابلیس کے زہر میں بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جو شخص اس کو ترک کرے گا اللہ تعالیٰ اسے سرور آمیز عبادت کا مزا چکھائے گا۔

تیسرا اُصول:

کے دن ان اعضاء سے یہ کام لینا ہے اور قیامت میں ان سے کون سے کام سرانجام دینے سے بنے بنایا گیا ہے۔ اگر یہ اس کام کے قابل نہ رہے تو سخت حسرت و خسارہ اٹھانا پڑے گا۔ یہ بیمار دل ان جگر بیں ہونے سے بھی ان کی نگہداشت ہو سکتی ہے۔

پاؤں تو فردوس بریں کے باغات و محلات میں چلنے پھرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اور آخرت میں شراب طہور کے چھلکتے جام پکڑنے اور بہ وجہ جنت توڑنے کے لیے دیئے گئے ہیں۔ اور آنکھ بدن کے لطف اندوز ہونے کے لیے عطا ہوئی ہے۔ علیٰ ھذا القیاس باقی اعضاء بھی علیحدہ علیحدہ کاموں کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اور ان مذکورہ مقاصد سے دونوں جہان میں کوئی بھی اور فضول مقصد نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جن چیزوں کو ان مقاصد کے لیے تیار کیا گیا ہے انہیں بے جا فضول و لایعنی باتوں سے محفوظ رکھنا چاہیے۔

اگر قرآن مذکور ان تینوں صورتوں پر کاربند ہو جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بے فضول و بیہودہ باتوں سے بچ جائے۔ کتاب و سنت کی تلقین و ہدایت یہی ہے۔

فصل دوم کان کے بیان میں:

کان کو بھی بری اور فضول باتوں کے سننے سے محفوظ رکھنا ضروری ہے اور اس کی ضرورت کی دو وجہ ہیں۔

ایک تو اس لیے کہ دنیا میں آیا ہے کہ سنے اور بھی کوئی کام ہے جو اس کے سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے ان چیزوں کو ان دلائل ذیل سے بیان کیا ہے:

(۱) لحرمۃ الحق وسماعہ ۔۔۔ وعدم الجانب المشتبہ

(۲) وسمعت عن سماع الغیبۃ ۔۔۔ کشون السمع عن الخوض بہ

(۳) فانت عن سماع الغیبۃ ۔۔۔ شریک قائلہ فی الغیبۃ۔

(۱) اور حق بات سننے کی حرمت کی وجہ سے اور مشتبہ چیزوں کی جانب سے دور رہنے کی وجہ سے۔

(۲) پھر غیبت کرنے سے بچنے کی وجہ سے کہ جس کی زبان کو بری گفتگو سے

(۳) کیونکہ اگر تو غیبت کرنے والے کی غیبت سنے گا تو وہ بھی کہنے والے کا غیبت میں شریک ہے۔

تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زبان مبارک چوس کر شفا عطا فرمائی تھی۔

حضرت یونس بن عبد اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میرا نفس بعض اوقات رزق میں تنگی کے وقوع میں روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتا ہے مگر فضول کرتی ہے زبان کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا تو روزہ رکھنا زبان کو روکنے سے زیادہ آسان ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت بہت ہی ضروری ہے اس پر قابو حاصل کرنے کے لیے بڑی کوشش و جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ہم یہاں اس کی حفاظت کے تین اصول بیان کرتے ہیں:

پہلا اصول

وہ یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان روزانہ صبح کے وقت بیدار ہوتا ہے تو تمام اعضاء زبان سے التجا کرتے ہیں کہ تو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ زبان کی لگامیں اس کے تمام اعضاء کے ہاتھ میں ہیں اور یہ زبان ہی ہے جو ان کو توفیق خیر کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے اور برائی سے روکتی ہے۔ اس لیے زبان کی حفاظت اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی حفاظت کرنے والے پر نازل ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

ذا رأيت قصورا في قسمة وعنا	جب تو اپنے میں رزق کی تنگی اور مشقت دیکھے
في بدنك وحرمانا في رزقك	اور رزق میں کمی محسوس کرے تو اپنے بدن
فاحفظ لسانك لكي تغنم بما	اور زبان کی حفاظت کر تاکہ تو غنیمت پائے
رأيت	جو تو نے دیکھا ہے۔

دوسرا اصول:

وقت بہت قیمتی شے ہے۔ اس کی قدر کرنا بہت ضروری ہے اور فضول کاموں میں وقت ضائع کرنا بہت نقصان دہ ہے۔ اس لیے ہر لمحہ وقت ضائع ہوتا ہے۔

حضرت حسان بن سنان رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ ایک بار اپنے ساتھی کے پاس سے

گزرتے ہیں کہ ہمارے ہاں ہر شخص یہ سوال کرتا ہے کہ تمہیں کتنا عرصہ گزر گیا ہے؟ یہ سوال کرنے کے بعد آپ دیکھیں گے کہ ہر شخص اپنے اپنے حساب سے مختلف جواب دیتا ہے۔ اے مغرور نفس! تو فضول ہی بحث میں وقت ضائع کرتا ہے۔ بچہ جس نے ابھی سو سال بھی نہیں گزارے آپ اپنے

سال روزے رکھے۔

وہ لوگ کس قدر خوش نصیب ہیں جو وقت عزیز کی قیمت جان کر اس کی قدر کرتے ہیں اور ہر نئی صبح کو غنیمت جانتے ہیں اور ہر نئے سال کو اپنی آخری عمر سمجھتے ہیں اور آخر میں وہ لوگ جنہوں نے زبان کی حفاظت پر توجہ دی اور غیر ضروری باتوں سے گریز کیا۔ کسی شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے:

(۱) واغتنم رکعتین فی ضمن لیل ... اذ لکنت خبایا مستریحا

(۲) واذا خضت بالخوض فی الباطل ... طل فاجعل مکانه تسبیحا

(۳) وبزوم السکوت خیر من نطق ... وان کنت فی الجواب فصیحا

(۱) جب تمہارا دل دنیوی تفکرات سے خالی اور راحت میں ہو تو ایسے وقت کو غنیمت جانو اور رات کی تاریکی میں نوافل میں مصروف رہو۔

(۲) اور جب کسی وقت غیر ضروری باتوں میں مشغول ہونے لگو تو زبان کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول کر دو۔

(۳) کیونکہ خاموشی گفتگو سے بہتر ہوتی ہے اگرچہ فصاحت کی صفت زبان کیوں نہ ہو۔

۱۱۔ حسن الخلق:

حفظ زبان سے متعلق دوسری خصلت حسن خلق ہے۔ یہ وہ بہترین خصلت ہے جس کی بدولت انسان ہر وقت کامیاب و بامراد رہتا ہے اور ہر جگہ اس کی عزت ہوتی ہے۔ ایسا شخص لوگوں کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے۔

مشہور فقرہ ہے:

من ساء خلقه کثر غمه ... یعنی زیادہ تر غموں میں مبتلا رہتا ہے۔

حسن خلق میں اللہ کو اس طرح راضی کرنا ہے جس طرح کہ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا۔ اور غیبت کرنے والے کے لئے ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ غیبت کرنے والا ایک ایسی قوم میں رہتا ہے کہ مشرق و مغرب میں

جنوب و شمال میں چیک دیے جائیں۔

منقول ہے کہ [illegible] آپ کی غیبت کی ہے تو آپ نے غیبت کرنے والے [illegible] ساتھ کیا جیسا کہ سنا ہے تو نے مجھے [illegible]

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے [illegible] اگر میں کسی کی غیبت کرنا درست جانتا تو اپنی ماں کی غیبت کرتا [illegible] مستحق وہ ہے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ حضرت [illegible] آپ کے پاس پہنچا۔ آپ نے جو [illegible] اعمال کے متعلق پوچھا۔

چوتھا اصول:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں ڈال دیتا ہے۔

(۲) یہ تشبیہ زبان کے فعل پر دلیل ہے جو غیبت کرنے والوں کی عقل کا اندازہ بتاتی ہے۔

ابن ابی مطیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

(۱) [illegible] اذا خلی بہ لم یخاطر

(۲) تصف من الغیبۃ رحمت یکن لحمہ من بعیبہ ستار

(۱) زبان تباہ کرتے ہیں، محفوظ ہیں جیسے ہوتے شیر کی مانند ہے جو موقع پانے پر نقصان کرتا ہے

(۲) اس بیت نے تو ان کو حرام دے کر غیبت سے بند رکھا، اس طرح غیبت کی آفات بیان سے بچ جائے گا۔

بہت سے ثبوت ایسے ہوتے ہیں جو زبان سے نکلنے والے کو کہتے ہیں، ہمیں زبان سے باہر نہ نکال ——— تعالیٰ تمام اہل ایمان کو آفات لسان سے محفوظ رکھے۔

پانچواں اُصول:

زبان کی حفاظت نہ کرنے کے باعث آخرت میں انسان جہنم میں منہ کے بل گرایا جائے گا۔ اس عذاب کا مستحق زبان ہی ہوگی۔ اور جو آفات زبان کی بے پرواہی سے پیدا ہوتی ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کا گناہ بھی بہت بڑا ہے اور ان میں سے کچھ آفات ایسی ہوتی ہیں جو زبان سے باہر نکلتی ہیں اور کچھ آفات ایسی ہوتی ہیں جو زبان سے باہر نہیں نکلتیں۔ ان آفات میں سے ایک آفت غیبت ہے۔ غیبت کرنے والا بلاشبہ عذاب دوزخ کا مستحق ہے۔ جسے برداشت کرنے کی طاقت انسان میں نہیں ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے:

[illegible] معراج کی رات میں نے ایسے قوم کو دیکھا جو اپنے

[illegible] میں نے جبریل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟

[illegible] جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں

[illegible] وہ غیبت کرتے تھے جن کی غیبت کرتے تھے۔

[illegible] حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

[illegible] مسلمان کی غیبت سے زبان بند

[illegible] رحمت ہو اس پر جو اپنی زبان سے غیبت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دی جائے گی وہ بندے کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے شرم و ندامت کی وجہ سے انسان پانی پانی ہو جائے گا۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے اپنی زبان کو فضولیات سے روک کیونکہ ان کا حساب طویل ہوگا۔ جو شخص نصیحت کا آرزومند ہے اس کے لیے یہ چار حرفوں کافی ہیں۔ اور ہم نے اپنی کتاب [illegible] معاملات دین میں ایسے اصول پوری شرح سے لکھے ہیں۔ اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو اس کا مطالعہ کرو اس میں تمہیں ہر شے کا شافی بیان ملے گا۔

چوتھی فصل دل کے بیان میں:

[illegible] کی معرفت اس کی اصلاح اور سیدھا رکھنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ دل کا معاملہ باقی اعضاء سے زیادہ خطرناک ہے اور اس کا اثر باقی اعضاء سے زیادہ ہے۔ اسکی درستی زیادہ وقت طلب اور اس کی اصلاح زیادہ مشکل ہے اور اس کا حال زیادہ خفت طلب ہے۔ میں اصلاح قلب کے متعلق پانچ اصول بیان کرنا چاہتا ہوں جن پر عمل کرنے سے دل کی اصلاح ان شاء اللہ پائیدار طریق ہو جائے گی۔

پہلا اُصول:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهُ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس سے ڈراتا ہے اے میرے بندو مجھ سے ڈرو

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاللّٰهُ يُحَذِّرُكُمْ نَفْسَهٗ ۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے

ایک اور جگہ فرمایا:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝

بیشک تیرے رب کا عذاب بہت سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ اس بات کو دہرایا اور تکرار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کو اپنی ذات سے ڈرانا ہی ڈرنے اور خوف کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ غلام آقا کے ساتھ

معاملہ بہت نازک ہے۔ اس لیے تمہیں خیال ہونا چاہیے کہ تمہارے دلوں میں کس طرح کے رذیل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ اگر معاذ اللہ تمہارے خیالات و ارادے گندے ہوں تو تمہیں شرم و حیا کرنی چاہیے۔

دوسرا اصول:

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالیٰ لا ینظر الی صورکم و	یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری صرف ظاہری صورتوں
ابشارکم وانما ینظر الی قلوبکم۔	جسموں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو بھی دیکھتا ہے

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ دل رب العالمین کی نظر کا مقام ہے۔ تو اس شخص پر تعجب ہے جو ظاہر چہرے کا اہتمام کرے۔ اسے دھوئے، بیل بوٹے سے سنوارے رکھے تاکہ مخلوق اس کے چہرے کے کسی عیب پر مطلع نہ ہو، مگر دل کا اہتمام نہ کرے جو رب العالمین کی نظر کا مقام ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دل کو پاکیزہ رکھتے، اسے آراستہ کرتے اور ستھرا رکھتے تاکہ رب العالمین اس میں کسی عیب کو نہ پائے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ دل گندگی، پلیدی اور غلاظت سے لبریز ہے۔ مگر جس پر مخلوق کی نظر پڑتی ہے اس کے لیے یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس میں کوئی عیب و قباحت نہ پائی جائے۔

تیسرا اُصول:

دل ایک بادشاہ کی مانند ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اور باقی اعضاء رعایا کی طرح ہیں کہ سب اس کی پیروی کرتی ہیں۔ تو اگر سردار درست ہو تو اس کے تابع بھی درست ہوتے ہیں۔ اسی طرح گر بادشاہ درست ہو تو رعایا بھی درست اور ٹھیک ہوتی ہے۔ اس بیان کی وضاحت حضور علیہ السلام کی درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت	انسان کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر
صلح الجسد کلہ و اذا فسدت	وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور
فسد الجسد کلہ الا وھی	اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہوتا ہے سن لو
القلب۔	کہ وہ دل ہے

جب تمام جسم کی اصلاح قلب کی اصلاح پر موقوف ہے، تو دل کی اصلاح بہت ضروری ہے۔

چوتھا اُصول:

دل بندے کے نفیس و قیمتی جواہر کا خزانہ ہے۔ ان اعلیٰ جواہروں میں سے ایک جوہر اعلیٰ و عمدہ ہے وہ معرفت خداوندی ہے جو دونوں جہان کی سعادت کا ذریعہ ہے۔ اور وہ قلبی بصیرت ہے جس کی وجہ سے دربار الٰہی میں انسان کو وجاہت اور بزرگی حاصل ہوتی ہے۔ پھر دل سے تعلق رکھنے والی عمدہ چیزوں میں سے ایک عمل و چیز عبادت و طاعات میں نیت خالص ہے جس کے ساتھ ثواب و جزاء کا تعلق ہے۔ اس کے علاوہ دل کے متعلقات میں سے علوم اور حکمت کی باتیں ہیں جو بندے کے لیے شرف کا باعث ہیں۔ اور پاکیزہ اخلاق و اچھی عادتیں ہیں جن سے انسان کو فضیلت، عظمت اور عزت حاصل ہوتی ہے ہم نے اپنی کتاب "احیاء علوم دین" میں اس بات کو پوری شرح و تفصیل سے لکھا ہے۔

تو جب دل ایسے گراں قدر اور بیش بہا جواہر کا خزانہ ہے تو ایسے خزانے کی ہر قسم کی بھرپور حفاظت اور چوروں و ڈاکوؤں وغیرہ سے حفاظت و نگہداشت ضروری ہے۔ یہ ایسا خزانہ ہے جس کی حفاظت ہر حال ضروری ہے تاکہ اس کے گراں قدر موتی خراب نہ ہوں اور نہ کوئی دشمن ان پر قبضہ کر سکے۔

پانچواں اُصول:

میں نے دل کے حالات پر غور کیا تو مجھے اس کے پانچ حالات ایسے ملے جو دوسرے کسی عنصر میں نہیں پائے جاتے:

(۱) یہ کہ دشمن ہر وقت اس کی طرف متوجہ ہے اور اسے تباہ کرنے کا قصد کیے ہوئے ہے۔ کیونکہ شیطان انسان کے دل کے ساتھ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ تو قلب اس لحاظ سے دونوں کی منزل ہے۔ شیطان اور فرشتہ دونوں سے پیغام دعوت دینے میں مصروف رہتے ہیں۔

(۲) اس کی دوسری حالت یہ ہے کہ قلب کی مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ عقل و شہوت دونوں اپنے اپنے لشکر اس میں دوڑاتے رہتے ہیں۔ گویا یہ عقل و شہوت دونوں کے لشکروں کا میدان کارزار ہے۔ اس تشریح سے دل دونوں کی جنگ اور دونوں کے مقابلے کا مقام بنا رہتا ہے۔ تو جو مقام دونوں دشمنوں کے درمیان حد کی حیثیت رکھتا ہو اس کی نگہداشت بہت ضروری امر ہے۔

(۳) اس کی تیسری حالت یہ ہے کہ اس کے عوارض و لواحقات بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ وسوسے و خطرات تیروں کی مانند ہیں جو ہمیشہ اس پہ برستے رہتے ہیں۔ یا بارش کی طرح ہیں کہ ہمیشہ اس پر گرتے رہتے ہیں۔ کبھی بند نہیں ہوتے۔ اور انسان کو یہ طاقت نہیں کہ انہیں روک یا بند کر سکے۔ وہ دل کوئی آنکھ کی طرح تو ہے نہیں کہ خطرے کے وقت اسے بند کر لیا جائے اور بوقتِ امن کھول لیا جائے۔ نیز یہ قلب کسی تنہا مقام میں بھی نہیں اور نہ یہ کہیں رات کی تاریکی میں مخفی ہے کہ دشمن اسے نہ پا سکیں۔ اور نہ یہ زبان کی مانند دانتوں اور ہونٹوں کی حفاظت میں ہے کہ تو اسے بچا سکے اور محفوظ رکھ سکے۔ بلکہ دل تو خطرات و وساوس کا نشانہ ہے۔ اور تم میں ان خطرات و وساوس کو روکنے کی پوری قوت نہیں کہ صحیح معنی میں اس کی نگہداشت کر سکو۔ لہٰذا خطرات و وساوس کو مزید تقویت پہنچاتا رہتا ہے۔ اس بنا پر قلب سے تعلق رکھنے والے خطرات کا مقابلہ سخت کوشش اور محنت چاہتا ہے۔ اور ان خطرات کا دفاع عظیم جدوجہد کا متقاضی ہے۔

(۴) اس کی چوتھی حالت یہ ہے کہ اس کا علاج اس بنا پہ بھی مشکل ہے کہ یہ انسان کی نظر سے غائب ہے۔ اس بنا پر بہت بعید ہے کہ تم اس کی آفات اور اس کے لیے نقصان رساں اشیاء کو جان سکو اور ان پر اطلاع پا سکو۔ اس لیے اصلاحِ قلب کے لیے طویل مجاہدوں، کوششوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے۔

(۵) اس کی پانچویں حالت یہ ہے کہ آفت اس پر جلدی حملہ آور ہوتی ہیں اور یہ ہر وقت تغیر و تبدیلی کے لیے تیار رہتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دل ہنڈیا کے اُبلنے سے بھی جلدی تغیر میں آجاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

ما سمی القلب الا من تقلبہ ورمی بضرب بالانسان اطوارا

(ترجمہ) قلب کا نام اسی بنا پر قلب رکھا گیا ہے کہ یہ ہر آن اول بدل ہوتا رہتا ہے۔ اور اس میں مختلف رائیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

پس اگر دل کو غرش کہا جائے تو اس کی لغزش بہت بڑی لغزش ہوگی اور اس کا بگڑنا نہایت پریشان کن امر ہوگا۔ اس لیے کہ دل کی غرش کا ادنیٰ درجہ قساوت اور غیر اللہ کی طرف میلان ہے۔ اور اس کی لغزش کا آخری درجہ یہ ہے کہ اس پہ کفر کی مُہر لگ جاتی ہے۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ

کا یہ ارشاد گرامی نہیں سنا:

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔ (میں نے سجدہ سے انکار کیا اور تکبر کی وجہ سے کافروں میں سے ہو گیا۔

اس کے دل میں تکبر تھا جس کے باعث وہ حکم ربی سے منکر اور کافر ہو گیا۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَلٰکِنَّہٗ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ۔ (لیکن وہ تو زمین سے چمٹ گیا اور اپنی خواہش کا پیروکار بن گیا۔

تو ان دونوں کی طرف میلان اور خواہش کی پیروی چونکہ اس کے دل میں تھی اس کے باعث وہ ایک متکبر گناہ گار بن گیا۔ قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَھُمْ وَاَبْصَارَھُمْ (اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے

کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِہٖٓ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ (جیسے اس قرآن پر پہلی بار یقین نہ لانے کی طرح

نَذَرُھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ۔ (پھر بھی یقین نہیں لائیں گے۔ اور ہم ان کو چھوڑ دیں گے

کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔

اے عزیز! انسان اللہ تعالیٰ اسی بنا پر دل کے معاملے میں نہایت حساس بنایا گیا ہے اور گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس کی حساسیت اور بڑھتی جاتی ہے اور اپنی بڑی کوشش اس کی اصلاح و درستی میں صرف کر دیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

یَتَّقُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ (وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن خوف کے مارے

وَالْاَبْصَارُ۔ دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو عبرت پکڑنے والوں، ہدایت یافتہ لوگوں اور صحیح قلب کی طلب و دعا کرنے والوں میں شامل فرمائے ——— وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔

سوال:

بیشک دل کی اصلاح کا معاملہ نہایت ہی اہم ہے اس لیے ہمیں وہ امور بتائیے جن کو اختیار کرنے سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اور ان آفات و مہلکات کی بھی نشان دہی کر دیجیے جو خرابی قلب کا باعث بنتی ہیں۔ ممکن ہے ہمیں بھی اللہ تعالیٰ ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دیدے۔ اس طرح ہم آپ کے

بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں دل کی اصلاح کر سکیں؟

جواب:

اصلاحِ قلب کے اسباب و ذرائع کی تفصیل نیا صی طویل ہے۔ یہ مختصر تالیف اس پوری تفصیل کی متحمل نہیں۔ علمائے آخرت نے اصلاحِ قلب کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ایک جامع نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور انہوں نے دل کو درست کرنے والے نوّے خصائل حمیدہ اور اتنی تعداد میں خصائل رذیلہ بیان کیے ہیں جو فسادِ قلب کا باعث ہیں۔ پھر اصلاح سے تعلق رکھنے والی اور اس سلسلہ میں کوشش کا طریقہ اور لائق اجتناب امور کو مفصل طور پر بیان کیا ہے۔ اگرچہ قلب سے تعلق رکھنے والی ابحاث بظاہر طویل معلوم ہوتی ہیں۔ مگر خدا کی قسم جو شخص دین کی اہمیت سے واقف نہ ہو وہ احمقوں کی طرح خوب غفلت میں نہیں پڑا ہوا بلکہ بیدار ہے اور اپنی بھلائی کے امور میں غور و فکر کرتا رہتا ہے۔ تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی توفیق و اعانت سے ان تمام تفصیلات کو پڑھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کو زیادہ تصور نہیں کرے گا۔

اور ہم نے ان تفصیلات کا کچھ تھوڑا حصہ اپنی کتاب "احیاء العلوم" کے باب شرح عجائب قلب میں بیان کیا ہے۔ لیکن پوری تفصیل اور کیفیت علاج وغیرہ کا بیان ہم نے اپنی کتاب "مہمات الدین" میں کیا ہے۔ اور وہ ایک مستقل کتاب ہے جو فوائد عظیمہ پر مشتمل ہے۔ لیکن ان تفصیلات سے بیدار راسخ علم ہی کما حقہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اس کتاب منہاج العابدین میں ہم نے وہ اسباب بیان نہیں کیے ہیں جس سے مبتدی متنبی قوی و ضعیف نفع حاصل کر سکے یعنی اس کتاب میں ہم گہرائی اور باریکی میں نہیں گئے۔

جب ہم نے ان امور پر غور کیا جو اصلاحِ قلب کے سلسلہ میں کام آتے ہیں اور جن کی بہت ضرورت ہے اور کوئی بھی شخص ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا تو چند فنون ہمارے سامنے آئے۔ جن سے اصلاحِ قلب پیدا کرنے والے بھی چند امور سامنے آئے۔ جو عابدین کے لیے سخت پیچیدگی پیدا کرنے والے اور دل مجاہد کے لیے آفت ہیں۔ دلوں کے لیے فتنہ نفس کے لیے بڑا اندیشہ ہیں۔ کہ وہ پیدا کرنے والے ہیں بیزاری کو عیب ناک اور برباد کرنے والے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں چند امور ہیں جن سے عبادت کا معاملہ زیادہ اختیار کرتا ہے اور قلوب اصلاح پذیر ہوتے ہیں۔

فسادِ قلب کا باعث یہ چار چیزیں ہیں :

(۱) دنیا کی اُمیدیں۔ (۲) عبادت میں جلد بازی۔ (۳) حسد۔ (۴) تکبر۔

اس کے مقابلے میں اصلاح کرنے والی یہ چار چیزیں ہیں ہیں :

(۱) امیدیں کم کرنا۔ (۲) عبادات میں تحمل و آہستگی۔ (۳) مخلوق کے ساتھ خیر خواہی۔

(۴) خشوع اور تواضع سے پیش آنا۔

یہ ہیں وہ آفات جن کے ساتھ قلب کی اصلاح یا خرابی وابستہ ہے اور انہیں پر صلاح و فساد کا دار و مدار ہے۔ اس لیے اسباب فساد سے بچو۔ اور مفید قلب باتوں کو اختیار کرو۔ تاکہ آخرت کی شقاوت سے محفوظ رہو اور اپنے مقصود کو حاصل کر سکو۔ میں تمہارے آگے مختصر مگر جامع طریقہ سے ان آفات کی وضاحت کرتا ہوں۔

طولِ امل کا بیان :

لمبی امیدیں نیکی و طاعت کی راہ میں رکاوٹ ہیں، نیز ہر فتنے اور شر کا باعث ہیں۔ لمبی امیدوں میں مبتلا ہونا ایک لاعلاج مرض ہے، جو لوگوں کو دہبت سی مختلف امراض میں مبتلا کرتا ہے۔

اے عزیز! جب تو لمبی امیدوں میں مبتلا ہو جائے گا تو اس سے چار چیزوں میں اضافہ ہوگا :

ایک ترک طاعت میں زیادتی، دنیا کی دلچسپی میں سستی میں اضافہ ہوگا۔ اور عبادت و نیکی بجا لانے کے وقت تم اپنے دل میں کہو گے بھی تھوڑی دیر بعد کروں گا۔ ابھی کافی وقت ہے۔ عبادت کا موقع فوت نہیں ہونے دوں گا۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل سچ فرمایا ہے :

من خافت الوعید قرب علیہ	جو اللہ تعالیٰ کی وعید سے ڈرتا ہے وہ دور کو بھی
البعید۔ و من طال امله ساء	نزدیک بیان کرتا ہے۔ اور جو لمبی امیدوں میں مبتلا
عمله۔	ہو جاتا ہے وہ بداعمالی کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے :

الامل قاطع عن کل خیر والطمع	دنیا کی امیدیں انسان کو ہر نیک کام سے کاٹ
مانع من کل حق۔ والصبر صائر	دیتی ہیں اور طمع و لالچ ہر حق سے انسان کو روک

الی کل خیر۔ والنفس داعیۃ — دیتا ہے اور ہر بھلائی کی طرف رغبتی کرتا ہے

الی کل شر۔ — اور نفس امارہ ہر شر اور برائی کی طرف بڑھتا ہے۔

دوسری چیز جس سے طول امل میں زیادتی ہوتی ہے ترک توبہ ہے۔ طول امل کی وجہ سے انسان توبہ کرنے سے ٹال مٹول شروع کر دیتا ہے اور دل میں کہتا ہے ابھی توبہ کر لوں گا۔ ابھی دنیا میں جی جان جوان ہوں۔ میں ابھی کم عمر ہوں۔ توبہ ہر وقت میرے اختیار میں ہے جب چاہوں گا کر لوں گا۔ اسی طرح بیہودہ خیالات میں پڑ جاتا ہے اور صلاح امور سے پہلے ہی موت چپکے سے آ دبوچتی ہے۔ اور وہ خسر الدنیا والآخرہ ہو جاتا ہے۔

تیسری چیز مال جمع کرنے کی حرص ہے جو طول امل سے اور بڑھ جاتی ہے۔ یہ حرص کے نشہ میں انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور اشغال دنیا میں ڈوب جاتا ہے۔ اور حرص میں مبتلا ہو کر اپنے آپ سے یوں کہتا ہے شاید میں بڑھاپے میں جا کر محتاج ہو جاؤں ضعف پیری اور ناتوانی کے باعث شاید خود نہ کما سکوں لہٰذا میرے پاس فاضل ذخیرے کا ہونا ضروری ہے تاکہ بیماری یا بڑھاپے یا تنگ دستی کے وقت کام آ سکے۔ اسی طرح کے ہزاروں خیالات اسے دنیا کی حرص کی طرف روز بروز راغب کرتے رہتے ہیں۔ ایسا انسان کھانے پینے کی چیزوں کا بڑا اہتمام کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے میں کیا کھاؤں، کبھی کہتا ہے کیا پیوں، کبھی لباس کی فکر میں ہوتا ہے۔ کبھی کہتا ہے گرمی سردی سر پر ہے اور میرے پاس کوئی شے نہیں۔ کبھی یہ سوچتا ہے شاید میری عمر تھوڑی ہو۔ اور آخر عمر میں جا کر تنگدست ہو جاؤں اور پچھلی عمر میں محتاجی زیادہ غلبہ کرتی ہے۔ ایسے نازک وقت کے لیے کچھ نہ کچھ پاس ہونا ضروری ہے تاکہ اس وقت لوگوں کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔ یہ اور اسی قسم کے بیہودہ خیالات اس کو حب و رغبت دنیا موجود سامان دنیا میں تحصیل کرنے اور مزید جمع کرنے پر ابھارتے رہتے ہیں۔ ایسے بیہودہ خیالات کا کم از کم اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ انسان دنیا کی محبت و حرص میں پھنس جاتا ہے۔ اس کا قیمتی عمر اور اس کا وقت عزیز ان امیدوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ بے فائدہ اور لغو غم و فکر میں مبتلا رہتا ہے۔ حضرت بوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

تمسی وھم یوم لم تدرکہ تیس — آئے دن کی تکلیف تجھے پریشان رکھتی ہے

وکیف ذہبت اباذر قال ان — کسی نے عرض کیا وہ کیسے، تو آپ نے فرمایا کہ

اصلی جواب یہی ہے کہ ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے۔

یہ دعا جس وقت قلب اور نفس آخرت سے بھر جاتی ہے تو اس وقت ہو جاتی ہے کیونکہ جب انسان کے دل میں آخرت کی محبت بس جاتی ہے تو دنیا ہموم بن جاتی ہے۔ چنانچہ آخرت کی رغبت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان خوف ما تخاف علیکم ۔ تمہارے بارے میں جس چیز کا خوف ہے

الفتنۃ ان تصیب الامر الذی ہو ۔ وہ فتنہ یہ ہے کہ دنیا کی خوشحالی

الامر الذی تصیب الاخرۃ ۔ جس سے آخرت کو نقصان پہنچتا ہے

والتباغض الذی یصیب الحلق ۔ اور باہمی بغض جو حلق کو کاٹ دیتا ہے۔

(اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے بارے میں ایک دوسرے کی رقابت)

دنیا میں آخرت کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ لوگوں سے پہلے ہوں اور خصوصاً مدعی ہونا

دوسروں کے دل پر قساوت چھا جاتی ہے کیونکہ رقت اور روحانی قلب تو موت کو یاد رکھنے

قبر کی وحشت اور اس کی تنہائی آخرت کے تو سے اور عذاب اور وہ ہول کہ خوفناک مناظر دیکھ کر

یاد رکھنے سے ہوتی ہے۔ اور جب ان میں سے کوئی بات بھی نہ ہو تو خوف کیسے پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ

پس ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور یہی

ظالموں کی سزا ہے۔

تو جس کو اپنی موت کا یقین ہو جائے گا۔ قبر کی تنہائی سے ڈر جائے گا۔ اس کی وحشت کو یاد رکھے گا۔ حشر کی ہولناکی سے خوف کھائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہونے سے ڈرے گا۔ اور جس کو یہ یقین نہ ہو تو اس کی آخرت برباد ہو جائے گی۔ تو اس سے بڑھ کر اور کیا خرابی ہوگی۔ اور یہ سب خرابی وہاں سے پیدا ہوگی کہ باطن پر غفلت چھا گئی۔ اپنی بیماریوں کو نہ دیکھا۔ موت کے قریب تصور کرو اپنے قلب اور نفس کو ہر وقت آخرت کے لیے تیار رکھو جبکہ انہیں کوئی وہم و گمان نہ تھا اور وہ بالکل بے خبر تھے۔ اور اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراؤ۔ اور عوف بن عبداللہ کا یہ قول یاد کرو:

لہ من مستقبل یوما لہ یستکمنہ و منتظر غدا لہ تحریدرکہ۔

کتنے ایسے ہیں جو آج کو پاتے ہیں گزشتہ سے قبل موت کی آغوش میں جا سوتے ہیں۔ درکتنے ہی آئندہ کل کی انتظار میں ہوتے ہیں مگر وہ انہیں نصیب نہیں ہوتا۔

اگر تمہیں فی الواقع موت اور اس کے شدائد کا حساس ہوتا تو تم کو اس کی فریب دہ سستی اور تغافل کرتے۔ تم نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول نہیں سنا؟ آپ نے فرمایا ہے:

لہ یا ثلاثۃ ایام امس مضی ما یبقی منہ شیء وغدا لا تدری لعلک لا تبلغہ ویوم انت فیہ فاغتنمہ۔

دنیا تین روز ہے۔ ایک وہ جو گزر گیا۔ اس کا کچھ بھی تیرے قبضہ میں نہیں۔ ایک آئندہ کل جس کے متعلق کوئی علم نہیں کہ وہ تجھے نصیب ہو یا نہ ہو۔ اور ایک آج کا دن جس میں تم موجود ہو تو اس کو غنیمت جانو۔

نیز کیا تم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نہیں سنا؟ آپ فرماتے ہیں:

لہ انما انت ثلاث ساعات۔ ساعۃ مضت وساعۃ انت فیہا وساعۃ لعلک لا تدرکہا۔

دنیا تین ساعت ہے۔ ایک وہ ساعت جو گزر گئی اور ایک وہ جس میں تم موجود ہو اور تیسری وہ جو شاید تمہیں نصیب ہو یا نہ ہو۔

تو حقیقت میں تمہارے پاس صرف ایک ہی گھڑی ہے۔ میرے شیخ قدس سرہٗ کا ارشاد ہے:

لہ انفاس الخلائق معدودۃ فکل نفس یخرج فیہ العبد طاعۃ فقد حضر اجلہ۔

مخلوق کے سانس گنے ہوئے ہیں۔ ہر سانس جو بندہ طاعت میں خرچ کرلیا ایک وہ جو اب تمہارے پاس ہے۔ ایک آئندہ جس کے پانے کا کوئی علم نہیں کیونکہ کئی ایسے سانس لینے والے ہیں جن کو موت نے دوسرے سانس کی مہلت نہ دی۔ تو درحقیقت انسان ایک ہی سانس کا مالک ہے۔ ایک دن یا ایک گھڑی کا بھی مالک نہیں۔ لہٰذا اس ایک سانس میں ہی طاعت و عبادت کی جس آدمی نے کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہی فوت ہو جائے۔ روزہ کرنے میں بھی جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وقت افطار تک تم موت آنے والے سانس کی فرصت نہ دے۔ آنے والی گھڑی کے لیے رزق کی فکر نہ کرو۔ شاید کل ساعت تک زندگی وفا نہ کرے اور خود مختار و فکر مند ہو کہ یہ وقت بھی

[illegible] ہے اور [illegible] جب جاتے ہیں لیکن انسان رزق کی تلاش و دوڑ میں اس قدر [illegible] کر اپنا وقت [illegible] ہے یہ مثال دے کر [illegible] حضرت [illegible] مسجد [illegible] متعلق فرمایا:

ما تقتنيون من سلعة تشترى	اے لوگو! تم سامان تعجب نہیں کرتے جو بیچا
يسير شهرا ان سلعة تحويل	کہ ایک [illegible] مہینہ [illegible]
ومن تقدم وضعت قدما	[illegible] ہو گیا ہے۔ فی کی قسم میں نے
فضنت انى رفعها والقمة	جب بھی اس [illegible] تو میرا یہی گمان تھا
فضنت انى سبقها حتى يدرك	کہ شاید [illegible] جائے [illegible]
الموت ما ذى نفسى بيده	[illegible] میری جان ہے [illegible]
ان هو لوسط ذلك رأيتهم	[illegible]
بمعجزين	قدرت میں [illegible]

[illegible] ہے وہ صورت [illegible] شدت کی گرمی [illegible]

[illegible] ان باتوں کو [illegible] گا اور ہمیشہ [illegible] میں [illegible]

[illegible] ان باتوں میں [illegible] اس وقت [illegible] کی [illegible] جلد [illegible]

[illegible] خیال پیدا ہو۔ توبہ سے گناہ چھوٹ جائیں گے اور [illegible] دنیا سے نفرت ہو جائے گی اور آخرت میں حساب کے [illegible] پیدا ہو جائے گی اور [illegible] نہیں ہوگی تیسرے آخرت اور اس کے [illegible] دنیا میں [illegible] سے نفس کی حالت تبدیل ہو جائے گی۔ اسی طرح جب تک یہ [illegible] آخرت [illegible] ذہن میں [illegible] رہے گا تو [illegible] قوت قلبی اور ہو جائے گی [illegible] دل میں [illegible] اور [illegible] پیدا ہو جائے گی۔ اور اس [illegible] اور [illegible] برکت سے [illegible] دنیا کی [illegible] نفسانیت [illegible] پیدا ہو جائے گی۔ اور [illegible] میں [illegible] نصیب ہو جائے گی اور اپنی [illegible] آخرت میں کامیابی کی [illegible] ہو جائے گی ——— یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور [illegible] سے ہوگا۔

روایت ہے کہ کسی شخص نے حضرت زید بن وہب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کی وفات کے بعد

خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا اے برزخ میں بسنے والو! تمہارے نزدیک کونسا عمل بہتر ہے؟ تو آپ نے جواب دیا "رضا الٰہی اور امیدوں کو کوتاہ رکھنا"۔

اے عزیز! تو بھی اپنے حال پر نظر کر اور یہ بلند مقام حاصل کرنے میں پوری کوشش کر کیونکہ طول امل سے بچنا بڑی نیکی کی بات ہے جس سے قلب اور نفس کی اصلاح ہوتی ہے ——— واللہ تعالیٰ ولی التوفیق بفضلہ وبرحمتہ۔

دوسری آفت، حسد:

بے شک حسد نیکیوں کو تباہ کرتا ہے اور گناہوں پر راغب کرتا ہے۔ یہ بڑا بڑا مرض ہے جس نے بڑے بڑے علماء و فقراء مبتلا کیے ہیں۔ عوام اور جہلاء کا کیا ذکر۔ اس حسد نے لوگوں کو ہلاک کر دیا اور دوزخ میں ڈال دیا۔ کیا تو نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ ارشاد نہیں سنا؟ آپ نے فرمایا ہے:

ستة یدخلون النار بستة	چھ قسم کے لوگ چھ وجہ سے دوزخ میں جائیں گے
العرب بالعصبیة والدھماء	عرب عصبیت کی وجہ سے اور دہقان[2] تکبر کی وجہ سے
والدھاقین بالکبر	چودھری لوگ تکبر کی وجہ سے اور لوگ خیانت
والتجار بالخیانة والامراء بالجور	اور بدیانتی کی وجہ سے اور امراء ظلم[3] کی وجہ سے
والعلماء بالحسد	اور علماء حسد کی وجہ سے۔

بے شک بوقت موت کو بھی دوزخ میں لے جانے کا باعث اور سبب حسد سے بچنا ضروری ہے۔

اے عزیز! جان لے کہ حسد سے پانچ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں:

(۱) دین میں خرابی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

الحسد یاکل الحسنات کما تاکل	حسد نیکیوں کو اس طرح برباد کرتا ہے جس طرح
النار الحطب۔	آگ سوکھی لکڑیوں کو جلا دیتی ہے۔

حسد سے دوسری چیز جو پیدا ہوتی ہے وہ گناہ اور برائیاں ہیں۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں: حاسد کی تین نشانیاں ہیں:

يتمدك ذا شهوة و يغتاب — جب سامنے آتا ہے تو چاپلوسی کرتا ہے۔

اذا غاب و يشمت بالمصيبة — غیبت کرتا ہے۔ اور جب دوسرے

اذا نزلت — پر مصیبت آتی ہے تو خوش ہوتا ہے۔

ہیں تمام حسد کی برائی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حسد کرنے سے پناہ

میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ۔ — اور حاسد کے شر سے پناہ میں رکھ جب وہ

حسد کرنے پر اتر آئے۔

اللہ تعالیٰ نے حسد کے شر کو شیطان اور جن کے ساتھ ملا کر بیان کیا اور فرمایا ان سب سے

پناہ مانگو۔ تو غور کرو کہ حسد کتنا بڑا فتنہ اور جن کا شر کتنا بڑا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اس سے تحفظ کے لیے

مجھ سے مدد طلب کرو اور میری پناہ میں آؤ۔

حسد سے تمہیں کوئی چیز بے چینی اور بے قراری اور غم و فکر کی حالت میں مبتلا کرتی ہے۔ بلکہ غم و فکر کے ساتھ طبیعت پر

بوجھ اور کبیدگی کی کیفیت بھی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حاوی ضد اشتبه بالمضوه — میں نے حسد سے بڑھ کر کوئی غم نہیں دیکھا

من الحاسد نفس دائم وعقل — کہ وہ شخص ہمیشہ غمگین اور پریشان حال رہتا ہے

هائم وغم لازم — اور ہر وقت غم میں مبتلا رہتا ہے۔

حسد سے چوتھی خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ دل اندھا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ متقیوں کے حکم

کو سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ہمیشہ خوش رہنا چاہتا ہے تو کسی سے حسد نہ کر کیونکہ حسد سے پہلی خرابی تو یہ ہے کہ

متقیوں کی صحبت سے محروم ہو جاتا ہے۔ حسد نہ کر تاکہ تجھے فہم کی

تیزی نصیب ہو۔

حسد سے پانچویں قسم کی خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ انسان ذلت اور رسوائی کی لعنت میں گرفتار ہو جاتا

ہے۔ جس کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوتا۔ ورنہ پیچھے کسی دشمن پر غالب آ سکتا ہے۔ آفت کی تیسری قسم

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:

"کینہ پرور دین دار نہیں ہوتا۔ لوگوں کے عیب نکالنے والا عبادت گزار نہیں ہو سکتا۔ بخیل خوش خلق نہیں ہو سکتا۔ حریص نفیس نہیں ہو سکتا۔ وہ حسد شخص نعمتِ خداوندی سے محروم رہتا ہے۔

میں کہتا ہوں حاسد شخص اپنی مراد میں کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس کی مراد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں چھن جائیں اور مجھے مل جائیں۔ وہ حسد کی بنا پر دشمنوں پر کیسے غالب آ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے دشمن تو اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے ہوتے ہیں۔ حضرت ابو یعقوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

"اے اللہ! تو نے اپنے بندوں پر جو نعمتیں کی ہیں ہمیں ان کے حسد سے محفوظ رکھ۔ بلکہ ان کے حالات مزید بہتر کر۔"

"حسد ایک ایسی بیماری ہے جو عبادت کے اجر و ثواب کو تباہ کرتی ہے۔ شر و فتنہ کی آگ بھڑکاتی ہے۔ آرام و سکون کو ختم کر دیتی ہے۔ دین کی ہمدردی سے محروم کرتی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے انسان اپنے دشمن پر غالب نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اپنی مراد میں انسان کامیاب ہو سکتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ حسد سے زیادہ کوئی خطرناک بیماری ایسی نہیں جس کے علاج کی فوری ضرورت ہو۔ لہٰذا اس مرض کے علاج سے غفلت نہ کرو بلکہ جلد اس مرضِ حسد کو دور کرنے کی فکر کرو ——— واللہ تعالیٰ ولی التوفیق بمنہ وکرمہ۔

عجلت یعنی جلد بازی کے نقصانات:

جلد بازی بہت سے مقاصد کو فوت کرتی ہے اور مفاسد میں مبتلا کرتی ہے۔ اس سے چند خرابیاں پیدا ہوتی ہیں:

پہلی آفت اور خرابی یہ کہ جو شخص جب خیر اور سعادت کا مرتبہ حاصل کرنے کا قصد کرتا ہے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بسا اوقات اس کے حصول میں جلد بازی سے کام لیتا ہے۔ حالانکہ ابھی اس مرتبے کے حاصل کرنے کا وقت ہم بھی نہیں ہوتا۔ تو فوری طور پر وہ مرتبہ و مقام نہ ہونے کے باعث یا تو وہ سست و پست ہو کر کوشش و جدوجہد ترک کر دیتا ہے۔ اس طرح اس مرتبہ

سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے۔ اور اس افراط کے باعث اس مرتبہ کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اور یہ دونوں خرابیاں بے پروائی کا نتیجہ ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

ان دینکم ھذا متین فاوغلوا فیہ برفق ولا تبغضوا الی انفسکم عبادۃ اللہ فان المنبت لا ارضا قطع ولا ظھرا ابقی۔

یہ دین بڑا مستحکم دین ہے اس کو نرمی و رفق سے حاصل کرو جس طرح فصل حاصل کرنے والا کسان زمین کو بتدریج تیار کرتا ہے اور نہ اس کی ظاہری سطح کو ہی پہلی حالت میں باقی رہنے دیتا ہے۔

اور عربی کی مشہور مثل ہے:

ان لہ تستعجل تصل۔

اگر تم جلد بازی نہیں کرو گے تو اپنی منزل مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

قد یدرک المتانی بعض حاجتہ وقد یکون مع المستعجل الزلل

بردبار شخص تو اپنے مقاصد پا لیتا ہے۔ مگر جلد باز کو اکثر اوقات پھسل جانا ہے

دوسری خرابی وہ آفت یہ ہے کہ بعض دفعہ شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت پیش آتی ہے تو وہ متعلقہ کے حضور میں دعا کا ہاتھ اٹھاتا ہے اور دعا میں بہت کوشش کرتا ہے۔ اور بسا اوقات اس کی فطرت میں عجلت کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے دعا کی قبولیت میں ابھی تاخیر ہوئی ہے تو وہ دعا مانگنے سے تنگ آ جاتا ہے اور دل برداشتہ ہو جاتا ہے۔ کوشش کرنا ہی ترک کر دیتا ہے اور دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے اور اس طرح اپنے مقصد اور حاجت کو نہیں پا سکتا۔

عجلت کی تیسری خرابی و آفت یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس پر ظلم کرتا ہے تو یہ شخص اس کے حق میں بددعا کرتا ہے تو وہ تمام مسلمان اس بددعا کے اثر سے بچ جاتا ہے۔ اور اس طرح بددعا کرنے والا بددعا سے بچ جاتا ہے اور ہلاکت و معصیت میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَہٗ بِالْخَیْرِ وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝

اور انسان بعض اوقات بھلائی کی طرح برائی کی بھی دعا کرتا ہے اور انسان بڑا جلد باز ہے۔

[illegible] کی چوتھی خرابی اور آفت یہ ہے کہ حسد [illegible] ہر شے کی نہ تک پہنچنے سے پیدا ہوتا ہے اور ہر چیز [illegible] انکشاف کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ اور جب انسان جلد باز نہ ہو اور نہ تحمل [illegible] کسی کام کے اندر توقف، تحمل، بردباری اور دوراندیشی سے کام نہیں لے گا [illegible] وہی ہیں جلد بازی کا ارتکاب کرے گا۔ تو اس طرح ضرور غلطی کھائے گا اور [illegible] میں کبھی بھی جلد بازی کا وبال نہ آنے دے گا۔ اس طرح بعض اوقات حرام غذا بھی پیٹ میں [illegible] لے گا۔ تو اس جلد بازی اور عجلت کے باعث اس کا دین ضائع ہو جائے گا۔ اور اس جلد بازی [illegible] زندگی میں کوئی خوبی نہیں جس میں وہ شخص مبتلا نہ ہو تو جس آفت کے باعث انسان [illegible] تباہ رہتا ہے۔ اور جس [illegible] کرنے میں [illegible] اپنے آپ کو [illegible] حسد ہی ان کی ہلاکت کا باعث بنے اور [illegible] سے بڑھ کر کوئی [illegible] بے انتہا آفت کا [illegible] اور اتر لے کے بعد [illegible] نہیں [illegible] ہے۔ واللہ ولی التوفیق بمنہ وکرمہ۔

کبر کا بیان:

[illegible] ایک ایسی آفت ہے جو [illegible] کا ذکر [illegible] کیا [illegible] نہیں سنا؟:

أبى واستكبر وكان من	(ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا
الكافرين:	اور کافر ہو گیا۔

[illegible] اور [illegible] کو [illegible] اور [illegible] آفت [illegible] اور [illegible] نہیں [illegible] کبر ہے۔ کیونکہ یہ [illegible] اور [illegible] میں [illegible] ہے۔ اور جب یہ مرض کسی [illegible] سے تو اس کا علاج مشکل ہوتا ہے اور [illegible] سے اور ہزاروں طرح کی [illegible] ہوتی ہیں۔ [illegible] خرابیاں تو [illegible] ہیں۔ ایک حق سے محروم ہو جانا [illegible] کی [illegible] سے اندھا ہو جانا [illegible] حکام [illegible] کے [illegible] کے متعلق ذہن کا [illegible] ہو جانا [illegible] قبیح:

[illegible]	ہیں قریب ہیں آیات کے فہم سے ان دلوں کو
[illegible]	پیغمبروں کا ہونا حق کبریا ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

[illegible]	جس کے تمام دل پر متکبر و زبردست کے دل پر
[illegible]	مہر دیتا ہے۔

اس سے دوسری خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کبر سے دور رہنے والوں سے نارض ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا:

[illegible]	بیشک اللہ تعالیٰ کبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا

اور اس سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ سب سے قبیح اور بدتر کون سی چیز ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]	جس کے دل میں کبر ہو جس کی زبان فحش ہو
[illegible]	جس کی آنکھوں میں حیا نہ ہو جس کے باطن
[illegible]	میں درجہ بھر خوف نہ ہو۔

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تمام خرابیوں کی بنیاد آخر میں دنیا کی محبت ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]	تین آدمیوں پر موت آنے سے پہلے تکبر ہے۔
[illegible]	جس پر بیشمار برائیاں ہیں کہ شخص کو
[illegible]	تعالیٰ اس وقت تک موت نہیں دیتا جب تک
[illegible]	اسے بیٹے رذیل بل وجس اور ذلیل دنیا سے
[illegible]	ذلیل و خوار نہ کرے۔ اور جب تک اس وقت تک
[illegible]	موت نہیں دیتا جب تک اسے دنیا سے بیک
[illegible]	محروم نہ کر دے اور جب تک اسے دنیا کے ایک گھونٹ کے لیے نہ
[illegible]	ترسا دے۔ اور جب تک بخشش کرنے والے کو اس وقت تک

حتی یمر غلہ بیعہ ولقدرہ — موت نہیں دیتا جب تک اسے سر کے بوں د

پنجاب میں آدمی کی ذلت نہ دیکھے۔

روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ متکبر کو اللہ تعالیٰ قہر و ذلیل و خوار رکھتا ہے۔
متکبر شخص پر ہونے والی ہیبت و ذلت یہ ہوتی ہے کہ وہ آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلے گا۔ ایک
حدیث قدسی میں یوں وارد ہوا ہے:

الکبریاء ردائی والعظمۃ ازری — بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے۔

فمن نازعنی فی واحد منھما — تو جو شخص ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی مجھ سے

ادخلتہ نار جہنم۔ چھیننے کی کوشش کرے گا میں اسے دوزخ میں

ڈال دوں گا۔

سبب یہ ہے کہ بڑائی و عظمت اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے ہیں۔ کسی دوسرے کو ان میں
سے جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت زائل کرے احکام خداوندی کے فہم سے محروم کرے جو تمام نیکیوں کا
اصل ہے، جس کے باعث اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ذلت و خواری اور آخرت میں عذاب دوزخ
کے لئے میں آئے ایسی خوفناک اور مہلک آفت سے بچنا اور دور رہنا نہایت ضروری ہے۔ کسی عقلمند کو
زیبا نہیں کہ ایسی نقصان دہ چیز سے غفلت برتے۔ بلکہ اس سے پرہیز کرے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ کر
اس سے اپنے آپ کو بچائے — واللہ تعالیٰ ولی الصلاح و التوفیق منہ — یہ ان آفات
باطنی کا مختصر سا بیان ہے۔ اور عقلمند آدمی وہ ہے جو اپنے قلب کی اصلاح کی اہمیت کو جانتا ہے اس کے
نزدیک قرآن و حدیث میں سے ہر ایک آفت بھی نہایت خوفناک ہے — واللہ الموفق۔

سوال:

سب آفات و امراض قلب کی نزاکت و خطرے کا باعث ہیں اور جب ان سے بچنا اس قدر
ضروری ہے اور جب ہمارے لیے ان آفات کی حقیقت و اہمیت سے واقف ہونا نہایت
ضروری ہے تو ذرہ مہربانی ان کی حقیقت و تفصیل بیان کیجیے اور وہ تدبیر و علاج بھی بتائیے
جن کو اختیار کر کے ہم ان سے محفوظ رہ سکیں۔

جواب: ان آفات و امراض قلب کا بیان بڑی طوالت و بہت تفصیل چاہتا ہے۔ ہم نے ان کی

پوری تفصیل ہم نے علوم و اسرار معارفات دین میں لکھ دی ہیں۔ اور اس کتاب میں ہم صرف مختصر گفتگو پر ہی اکتفا کریں گے ——— وباللہ التوفیق

اَمل کی حقیقت کا بیان:

ہمارے کثر علماء فرماتے ہیں کہ امل اس پختہ خیال کا نام ہے کہ میں تادیر زندہ رہوں گا۔ اور اس پر یہ خیال ہی یہ بات جائز ہے کہ عمدہ کی زندگی اور حیات اللہ تعالیٰ کی مشیت وعلم کے ساتھ وابستہ ہے اور اس دنیا میں نیک نیک کام کرنے کے لیے رہنا چاہیے۔ تو اس طرح کی نیت اور عزم اور ارادے کا نام تو امل ہے یعنی امیدوں کو زندہ رکھنا۔ تو جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ مجھے اس سانس کے بعد دوسرے سانس کا موقع ملے گا۔ یا آئندہ دن گھڑی تک میں ضرور زندہ رہوں گا تو ایسے شخص کو امل میں گرفتار امیدوں میں گرفتار۔ ایسا عقیدہ و خیال گناہ ہے۔ کیونکہ یہ ایک پوشیدہ معاملے پر حکم لگانا ہے لیکن اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی مشیت سے مقید کرے اور یوں کہے کہ میں زندہ رہوں گا اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں گزری زندگی باقی ہے تو میں زندہ رہوں گا۔ تو ایسے شخص کو امل نہیں کہتے۔ بلکہ ایسے شخص نے تو اپنے امل کو کم کر لیا۔ یوں ہی اگر کوئی نیک ارادوں کے ساتھ بہت سی امیدیں رکھے تو ایسے شخص کی امل میں شمار نہیں کی جائیں گی۔ بلکہ ایسا شخص قلیل امیدیں کوتاہ رکھنے والا ہے۔ کیونکہ ایسا شخص کسی معاملے میں بھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتا۔ تو بھی یہی روش اختیار کرو۔ اور وقت کے تقاضے اور موقع پر پیش نظر رکھو۔ اور امیدیں کوتاہ رکھنے پر مضبوط اور قائم رکھو۔

امیدیں دو قسم ہے: (۱) عام لوگوں کی امیدیں۔ اور (۲) خاص لوگوں کی امیدیں۔

عام لوگوں کی امیدیں یہ ہیں: مال و زیب جمع کرنے کے لیے زندگی کی آرزو اور یہاں دیر تک زندہ رہنے کا پروگرام۔ اس طرح کی امیدیں سرگرداں ہیں۔ اس کے برعکس تارک دنیا سے متعلق معاملات میں پختہ امیدیں کوتاہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا	آپ ان غافل لوگوں کو ان کے حال پر رہنے دیں
وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ	کھائیں پئیں سامان زیست سے نفع اٹھائیں و

يَعْلَمُونَ ۔ دنیوی آزمائش اور مصیبتوں کی نعمت میں پڑے

ہیں تو نہیں عنقریب اپنے عزیز زندگی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

اور خوش قسمتی کی امید یہ ہے کہ انسان بعض نیک کاموں کی بجا آوری کے لیے دنیا میں رہنے کی آس و امید رکھتا ہے جن میں خطرے کا اندیشہ ہو اور زندگی کی امید کم ہو۔ بس وقت پس ہوتا ہے کہ ایک معین نیکی اس کے سامنے ہوتی ہے لیکن اسے بجا لانے کی اس میں صلاحیت اور استعداد نہیں ہوتی۔ وہ اس طرح کہ اسے عمل میں لانے کی صورت میں انسان عجب و ریا میں پڑ جاتا ہے اور اس نیکی کا اجر و ثواب محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ اسی لیے یہ درست نہیں کہ جب انسان نماز یا روزہ یا کوئی اور نیک کام شروع کرے تو وہ دل میں یہ نیت و اعتقاد رکھے کہ میں اسے ضرور پورا کروں گا۔ کیونکہ یہ ایک پوشیدہ چیز پر حکم لگانا ہے جو درست نہیں۔ اس قسم کا کوئی تعہد و عزم کرنا بندے کے لیے روا نہیں۔ بلکہ درست بات یہ ہے کہ ہر نیک کام شروع کرتے وقت یہ خیال کرے کہ اگر یہ کام میرے لیے رفق اور میرے حق میں بہتر ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے اسے کرنے کی توفیق و ہمت دے دے۔ میں اس کام کو ضرور شروع کروں گا۔ اللہ تعالیٰ پورا کروں گا۔ یا یہ اعتقاد رکھے کہ میں اس کام کو کسی صورت میں پورا کر سکتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو۔ یہ قیود و شرائط اس لیے ملحوظ رکھنا کہ دنیا کی بہت سی آفتوں سے بچ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۔ اس طرح ہرگز نہ کہنا کہ یہ کام میں کل ضرور کروں گا

إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۔ مگر یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو میں یہ کام کروں گا۔

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نیکی کے مقابلہ میں مباح کی صورت پر نیت محمود کو ترجیح دینا بہتر ہے کیونکہ نیت محمودہ انسان کو عمل سے بچا لیتی ہے۔ چونکہ نیت محمودہ کی بہت ضرورت ہے اور اس کی معرفت اور پہچان کے بغیر بہت سے [illegible] علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت جامع اور مانع تعریف بیان کی ہے۔ نیت محمودہ عبارت ہے: کسی نیک کام کو شروع کرنے کا پختہ ارادہ کرنا اور اس نیکی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی طلب و رغبت سے ہے۔

سوال:

[illegible] دو قسم کے [illegible] کے متعلق اور تم کو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور

یہ موقوف کرنا کیوں ضروری ہے جب کہ اس کا تعلق مرنے والے کی نیت اور مشیت پر موقوف ہے تو چاہیے کہ آخر وقت تک بھی اس کی نیت ہی موقوف رہے۔ تاکہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

جواب:

آخر وقت میں پختہ ارادہ کر لینا اس لیے درست ہے کہ اس وقت کام وجود میں نہیں آیا ہوتا۔ لہٰذا ابتدا میں یہ اور عجب وغیرہ کا خطرہ نہیں۔ مگر اس مرنے والے کے وقت چونکہ تمام اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے اس لیے اس وقت دو خطرے ہیں۔ ایک یہ کہ شاید یہ وہ نہ ہو سکے اس مرنے والے کے آخری لمحے تک پہنچتا ہے یا نہیں۔ دوسرا یہ کہ درمیان میں یہ اور عجب وغیرہ اس کے اعمال کو برباد نہ کر جائے۔ اس لیے اس کے پہلے تمام کئے پر پانی پھر جائے۔ تو کہنا اور اللہ تعالیٰ سے حوصلہ کرنا ضروری ہے۔ ان شاء اللہ تو یہ کلام ان کمبخت تک پہنچے اور اللہ کے حوصلے اس پر کرے تاکہ وہ عجب وغیرہ آفات سے محفوظ رہے۔ ہر عمل خیر کے بعد اس قسم کے وسوسے کا نام نیت محمود ہے ——— اس مضمون کو خوب غور سے سمجھو۔

اسے ایک اور مثال سے سمجھیں کہ ہمیں کوئی دشمن یا قرضہ خور ہے اور موت کو یاد کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ موت آنا اٹل ہے۔ نیز یہ یقین ہے کہ موت کے بعد ہمیں ضرور ہی ان سے نجات آ جائے گی۔ اس لیے ان کا ذہن نشین رہنا بہت ضروری ہے تاکہ مبادا وقت سے پہلے ہی ان کو معاف کر دیں۔

کیا بات ہے۔ مرنے والے کے تصور میں وہ بات کی وہ ہے فافہم فتدبر۔ منہ الموفق بفضلہ۔

حسد کی حقیقت کا بیان:

ہمارے مسلمان بھائی سے یہی غلطی ہو گئی ہے کہ وہ کام حسد ہے ان میں مسلمان کے سب جذبے کی ورنہ کمی ہو۔ نہ اگر کسی چیز کا ارادہ نہ ہو بلکہ یہ ارادہ ہو کہ یہی نعمت اللہ ان سے لے لیں تو یہ حسد نہیں بلکہ اسے غبطہ کہتے ہیں۔ اور غبطہ محمود ہوتا ہے۔ اس لیے ان کو حسد سے نہیں ڈرنا چاہیے اور غبطہ کو حسد سے تبدیل کرنا چاہیے۔ کیونکہ دونوں کے لحاظ سے قریب ہیں۔

اور گر یہی نعمت کے زوال کا ارادہ ہو جس میں مسلمان کے لیے بہتری نہ ہو تو ایسے رشک کو غبطہ کہتے ہیں۔ حسد، غبطہ اور غیرت میں یہی فرق ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

حسد کے مقابلہ میں "نصیحت" ہے۔ مسلمان کے لیے ایسی نعمت کے باقی رہنے کے خیال کو نصیحت کہتے ہیں۔

سوال:

ہم کیسے جان سکتے ہیں کہ مسلمان کے لیے کس نعمت میں بہتری ہے تاکہ اس سے نصیحت حاصل کریں یا حسد کریں۔

جواب:

بسا اوقات ہمیں ایسی غالب ہوتی ہے کہ ہم میں مسلمان کے لیے بہتری ہے۔ ایسی صورت میں نصیحت پر عمل کرنا چاہیے اور حسد سے بچنا چاہیے۔ اور اگر اس نعمت کی بہتری اور بہتری مشتبہ ہو تو اس کے زوال یا بقاء کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی نیکی کے لیے دعا کرنا چاہیے۔ تاکہ حسد سے پرہیز اور نصیحت پر عمل ہو سکے۔

حسد سے دور رکھنے والی چیز (نصیحت) اور نیز خوش ہونے کی صورت یہ ہے کہ انسان مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور مودت کی تائید کرے جو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہو چکی ہیں۔ اور اس یاد کو پختہ کرنے والی چیز یہ ہے کہ انسان مومن بھائی کے حقوق کا تصور کرے۔ اس کے رتبے کی بلندی اور اس کے ہاں کی عزت جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اور مومن کی ان بزرگیوں اور عظمتوں کا تصور کرے جو آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو عطا کرے گا۔ اس بات کا یقین کرے کہ مجھے دنیا میں مومنین کے ساتھ تعاون کی مدد اور ان کے ساتھ مجموعہ ہونے میں نعمت کے مزید کیا کیا فوائد ہیں۔ پھر اہل ایمان کے ساتھ تعاون اور ان کی مدد کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ آخرت میں تمہاری شفاعت کریں گے۔

تو اس قسم کے خیالات و تصورات انسان کو اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ خوش ہونے پر ابھارتے ہیں اور حسد سے بچاتے ہیں۔ [illegible] والتوفیق بفضلہ۔

عُجلت یعنی جلد بازی کی حقیقت:

عجلت دراصل دل میں ایک ناجائز وقت سے پہلے کام کرنے کا نام ہے جو انسان کو بے سوچے سمجھے اور بے غور و فکر کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ دراصل یہ جلد بازی کا باعث بنتا ہے اور یہ عجلت کے قابل مذمت ہونے کی وجہ ہے یعنی تحمل و بردباری سے کام کرنا۔ دراصل دل میں موجود ایک ایسے قوت کا نام ہے جو بندے کے اندر میں حقیقی غور و فکر و تحمل و بردباری پیدا کرتا ہے اور توقف کی تمام تر قابل مذمت صفت یعنی بے سوچے سمجھے کام شروع کر دینا۔

یہ ہے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے توقف و عجلت میں یہ فرق بتایا ہے کہ کام شروع کرنے سے قبل اس کے متعلق غور و فکر اور سوچ و بچار کرنے کو توقف کہتے ہیں اور کام شروع کر کے اس میں جلدی اختیار کرنے کو عجلت کہتے ہیں جو کہ مذموم ہے۔

پھر ناجائز اور تحمل پیدا ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ انسان جلد بازی کی آفات اور نقصانات دنیا و آخرت کو اپنے اوپر حاوی کرے۔ اور توقف یعنی بے سوچے کام کرنے اور جلد بازی کرنے سے جو مذمت و ملامت ہوگی اسے ذہن میں رکھے۔ اس طرح کرنے سے ان شاء اللہ بندے میں توقف و تحمل کی صفت پیدا ہوگی۔ یہ تفصیل عجلت سے بچنے کی ہے ——— واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کِبر کی حقیقت:

نفس کی بلندی و عظمت کے خیال کو کبر کہتے ہیں۔ اس خیال سے تکبر پیدا ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ کو حقیر و کمتر بیان کرنے کا نام تواضع ہے اور تواضع سے تواضع پیدا ہوتی ہے۔ پھر تواضع و تکبر ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں:

(۱) تواضع عام۔ (۲) تواضع خاص۔

(۱) تکبر عام۔ (۲) تکبر خاص

تواضع عام تو یہ ہے کہ بندہ عمومی حیثیت کے لباس، مقام، نشست و برخاست کی پرواہ نہ کرے۔ اور تکبر عام یہ ہے کہ انسان معمولی نوعیت کے لباس، مکان و سواری وغیرہ پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس میں بلند و

رفیع حیثیت کا طالب کا رہو۔ اور تواضع خاص یہ ہے کہ ہر درجے کا انسان اپنے نفس کو حق سے تابع کرنے کی کوشش کرے۔ اور تکبر خاص یہ ہے کہ اس طرح کی کوشش نہ کرے۔ یہ تکبر گناہ کبیرہ و معصیت ہے

اور تواضع عام کو اپنے اندر مستحکم کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ بندہ حق سبحانہ و تعالیٰ سے پیش موت اور اس موجودہ وقت کی بیشمار نعمتوں کو یاد کرے۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے:

اولك نطفة مذرة وآخرك	پہلی تو ناپاک بوند ہے اور پچھلی مردار ہے
جيفة قذرة وانت فيما بينهما	اور تو درمیان میں پاخانہ کا ظرف بنا ہوا ہے
حامل العذرة۔	

تواضع خاص کو مستحکم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ حق سے حسد دل کرنے اور باطن میں متکبر ہونے والے شخص کے انجام اور اس کے عذاب و سزا کو یاد کرے۔ ایک عالم حبیب بن ابی حبیب نے کہا ہے آفاتِ قلب پر مطلع ہونے کے لئے اس قدر وضاحت و بیان کافی ہے۔ واللہ الموفق و علیہ التکلان

پانچویں فصل شکم کی حفاظت کے بیان میں:

اے طالب عبادت! تجھ پر اپنے شکم کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ پیٹ کی حفاظت ایک نہایت مشکل ہے۔ لہٰذا اس کی صحیح حفاظت کے لیے زیادہ محنت و توجہ کی ضرورت ہے۔ اس کے بگاڑ کا اثر بہت گہرا اور اس کی خرابی کا نقصان بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ تمام جسمانی قوتوں کا منبع و معدن ہے۔ یہی شکم سے ہی جسم میں کمزوری یا قوت، سستی یا چستی و نشاط پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے اگر تم صحیح و بامقصد عبادت کا عزم رکھتے ہو تو پیٹ اندر پیدا کرنا چاہتے ہو تو یہ حرام و شبہ کھانے اور فضول خرچی سے پیٹ کی حفاظت نہایت ضروری ہے۔

حرام و شبہ کی چیزوں سے تین وجہ سے بچنا ضروری ہے:

اوّل: دوزخ کی آگ سے محفوظ رہنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ	جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے
ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ	ہیں وہ لوگ بیشک اپنے شکموں میں آگ بھرتے
نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا	ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ (دوزخ) میں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کیف یصلی ما فیہا من ۔۔۔ ممکن ہے۔

الصاعۃ

تیسری وجہ یہ ہے کہ حرام اور شبہ کی غذا کھانے والا شخص نیک کام کرنے سے محروم ہوتا ہے۔ اور اگر اتفاقاً کوئی کارِ خیر اس سے ہو جائے تو وہ عند اللہ مقبول و منظور نہیں ہوتا۔ بلکہ رد کر دیا جاتا ہے تو ایسے شخص نیک کام کی انجام دہی میں جو وقت اور قوت صرف کرتا ہے اس سے بے فائدہ مشقت اٹھانی رنج و محنت اور وقت ضائع کرنے کے سوا اس کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

کم من قائم لیس لہ من قیامہ ۔۔۔ بہت سے عبادت میں کھڑے رہنے والے

الا السہر وکم من صائم لیس ۔۔۔ ہیں جن کو بیداری کی مشقت کے سوا کچھ حاصل

لہ من صیامہ الا الجوع و ۔۔۔ نہیں ہوتا اور بہت سے روزہ دار ہیں جو

العطش۔ ۔۔۔ جن کو روزے سے سوا بھوک و پیاس

کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

لا یقبل اللہ صلوٰۃ احدہم وفی جوفہ ۔۔۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جس کے

حرام ۔۔۔ شکم میں غذا حرام پڑی ہو

بالجملہ فضول و ضرورت سے زائد خرچ، خواہ حلال مال سے ہو استعمال بھی بندوں کے لیے آفت و مصیبت کے لیے ہوتا ہے۔ پچھلے صفحات میں غور کرنے سے دس آفتیں معلوم ہوئی ہیں۔ جن کو صفحوں کی حیثیت دی جا سکتی ہے

پہلی آفت: حلال طعام زیادہ کھانے سے قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے اور وہ زائل نہ ہونے والی ہے۔ نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الف الف صلوٰۃ و تسلیمات سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لتمیتوا القلب بکثرۃ الطعام ۔۔۔ دولت و ضرورت سے زیادہ کھا کر

والشراب فان القلب یموت ۔۔۔ اپنے دلوں کو مردہ نہ بناؤ کیونکہ

کالزرع اذا کثر علیہ ۔۔۔ جس طرح ضرورت سے زیادہ پانی سے کھیتی

الماء۔ ۔۔۔ خراب ہو جاتی ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چوتھی آفت: پیٹ بھر کر کھانے سے عبادت میں کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ انسان جب خوب پیٹ بھر کر کھالیتا ہے تو اس کا بدن بوجھل ہو جاتا ہے آنکھوں میں نیند چھا جاتی ہے اور سستی بڑھ جاتی ہے کوشش کے باوجود کوئی کام نہیں کر سکتا۔ ہر وقت زمین پر مُردہ کی طرح پڑا رہتا ہے۔

اذا کنت بطنا فکن نفسک	جب تو پیٹو بن جائے تو چھپے اپنے آپ کو
زمینا۔	مُردہ زمین سمجھ۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابلیس کو دیکھا کہ بہت سے جال لئے ہوئے ہے آپ نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ ابلیس نے جواب دیا یہ شہوتیں ہیں جن کے ذریعہ میں آدم کو گرفتار کرتا ہوں۔ آپ نے پوچھا میرے لئے بھی ان میں سے کوئی جال ہے؟ تو اس نے کہا نہیں۔ صرف ایک رات آپ کے پیٹ بھر کر کھانے کی بات ہے جس رات آپ پر غلبہ کروں گا تو آپ کو نماز اور عبادت سے روک دوں گا۔

یہ اس شخص کا حال ہے جس نے ساری عمر میں ایک دفعہ پیٹ بھر کر کھایا تو اس کا کیا حال ہوگا جس نے ساری عمر میں صرف ایک دفعہ نہیں بلکہ بارہا پیٹ بھر کر کھانے کی عادت بنا رکھی ہے۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

العبد ذو حرفۃ وحد ثنا شغوۃ	جب بندہ کسی شغل میں لگ جاتا ہے
والنفس اعجلت	اور نفس بھوکا رہتا ہے

پانچویں آفت: پیٹ بھر کر کھانے سے عبادت کی حلاوت مفقود ہو جاتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ما شبعت منذ ستۃ رحمۃ	جب سے میں نے چھ مہینے سے پیٹ بھر کر نہیں
ولا اجد حلاوۃ	کھایا ہے عبادت کی حلاوت نصیب ہوئی
ولا یجد احد حلاوۃ	جب تک انسان کو بھوکا نہ رکھے
الا بعد الجوع۔	حلاوت نصیب نہیں ہوتی۔

یہ صفات اس شخص کی ہیں جس نے صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی مبارک ہستی میں سے تھے۔ اس لئے

ن و فرمان حضور علیہ السلام پر عمل کرتے ہوئے ان تواریخ میں روزہ رکھا جائے۔

ما فضلکم بکثرۃ صلوۃ و

چھوٹی آفت۔ خوب پیٹ بھر کر کھانے یا کھانے کے فوراً بعد سو جانے سے

کیونکہ معدہ اس وقت ہضم کرنے میں مشغول ہوتا ہے اور سونے سے یہ کام

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

ساتویں آفت: فضول گفتگو کرنا ہے۔ اس سے زبان کو روکنا چاہیے

مشغول رہتا ہے۔ پھر اس سے فارغ ہونے کے بعد بھی زبان کو بند رکھنا چاہیے

ہونے والی خرابیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ چونکہ زیادہ بولنے سے بہت سی

بلکہ دینی امور سے بھی ہوتی ہیں اور آدمی ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی یاد

وارشاد فرمایا ہے:

دواء الامۃ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

الا ان بالبیت ان اللہ جعل رزقی ۔۔۔ بے شک مکہ میں اللہ تعالیٰ نے میرا رزق

فی حظیرۃ القدس احسن امانۃ ۔۔۔ قدس کی حظیرہ میں بہترین امانت

وقد بلغت ثلثا

پھر اس مخزن سے دنیا کی طلب رزق بانی ہے۔ ۔۔۔ ہے

توشہ کی فکر میں وقت عزیز ضائع ہوتا ہے۔

آٹھویں آفت: آخرت میں حساب کتاب کی سختیوں اور ہولناکیوں کی تفصیل

باعث بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ان شدۃ سکرات الموت الخ ۔۔۔ بے شک سکرات موت کی شدت

قد رفعت لدنیا فمن کثرھن ۔۔۔ دنیا سے ان کی کثرت کی وجہ سے

ھذا کتاب اللہ ما تلک ۔۔۔ یہ اللہ کی کتاب ہے

نویں آفت: ۔۔۔ آخرت کے عذاب میں گرفتار ہونے ۔۔۔

اذ ھم فی غمرٰتھا لٰکنہ ۔۔۔ جب وہ موت کی سختیوں میں

الذین ھم فی غفلۃ ۔۔۔ جو غفلت

ویحرمون عذاب الجنۃ ۔۔۔ اور جنت

سنکرم فی الاخرین نعیمھا ۔۔۔ ہم ان میں

ھم فیھا خٰلدون ۔۔۔ ہمیشہ

نویں قسم دنیا کی مذمت میں ۔۔۔ آخرت سے روگردانی کا سبب

رب العزت نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے ۔۔۔ دنیا کی لذتوں اور آخرت کی

عیش کی مذمت فرمائی ہے کہ جس کی وجہ سے ۔۔۔ ہوئے

دوسرے مقامات پر بھی مذمت کی گئی ہے ۔۔۔ کا سبب

تفصیل ہوئی ۔۔۔

مزید برآں ۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے ۔۔۔

تعالیٰ عنہا کی ۔۔۔ کا سبب

مہاجرین کے بیٹے بیٹیاں فوت ہو چکے اور جوان ہونے تک ہی پہنچ نہ ہوئے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ حضرت عمر نے فرمایا اگر وہ نیک باتوں کا ثواب ہو گئے ہیں اور جنت میں جائیں گے اس کے مستحق بنا سکتے ہیں ان کے باپ تو ان کے اور ہمارے رتبے میں بہت فرق ہے۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیاس محسوس ہوئی۔ آپ نے ایک شخص سے پانی مانگا۔ اس شخص نے آپ کو ایک برتن دیا جس میں کھجوروں کا پانی تھا۔ جب آپ نے منہ لگایا تو اسے ٹھنڈا اور میٹھا پایا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے ہی تو نے اس کے پینے سے باز رکھا۔ آخرت کا یہ ثواب تو تجھ بھی ہماری اس بیش و عشرت میں شریک ہوتے۔

دسویں آفت: ضرورت سے زیادہ غذا استعمال کرنا جو ادب کا سبب ہوتا ہے اس پر روزہ نفل میں روکا جائے گا۔ بھوکا رہنا ثواب لیا جائے گا اور ضرورت سے زیادہ غذا استعمال کرنے پر روزہ نفل کی قضا واجب کی جائے گی اور شہوت کا سبب ہونے کو سمجھا جائے گا۔ دنیا کی حلال چیزوں سے متعلق کا سبب اور باعث شہوت پر زجر و توبیخ کی جائے گی اور حرام پر عذاب اور اس کی زینت نہ بنانے پر عذاب دی جائے گی۔

یہ دس آفات ہیں جن سے ہر مسلمان کو بچنا ضروری ہے۔

اے عبادت میں کوشش کرنے والے! تجھ پر لازم ہے کہ تو اپنے کو غذا سے بچائے رکھے اور لباس کے معاملہ میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ دونوں کے عذاب سے نجات رہے۔ حرام اور حلال کے متعلق سے بھی اجتناب لازم ہے تاکہ بندہ اس شدید پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ اور قیامت کے دن حساب کے لیے محشر میں روک نہ لیا جائے۔ واللہ ولی التوفیق

سوال:

جب حرام و شبہ سے بچنا اتنا ضروری ہے تو ہمیں حرام و شبہ کے حکم اور اس کی تفصیلات سے بھرپور آگاہ کیجیے

جواب:

اپنی کتاب [illegible] ایک مستقل باب کھا ہے لیکن اس [illegible] مفید اور [illegible]

[illegible]

[illegible]

[

ہوتا ہے۔ ان کے ہاں جعلی یا تو بالکل نایاب ہے یا بالکل نادر ہے۔

دوسرا علماء کی جماعت یہ کہتی ہے کہ سلاطین وقت کا مال فئی و غنیمہ سب سے قبول کرنا درست ہے جبکہ ان کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو۔ اگر اس مال میں کوئی خرابی ہوگی تو اس کا گناہ دینے والے کے ذمہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کفار سلاطین کا ہدیہ قبول فرمایا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہودیوں کے متعلق فرمایا: اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ یعنی یہود مدینہ انتہا درجے کے رشوت خور ہیں۔ ان آیات کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ بہت صحیح ہے کہ حضور کا نذرانہ پیش فرمانا ان سے ہدیے تحفے وغیرہ قبول کرتے رہنے اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ارشاد پیش کیا جا سکتا ہے۔

اس کے برعکس دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ ان مراعات سے مال قبول کرنا کسی غنی و فقیہ کو درست روا نہیں کیونکہ انتہائی قلیل وجہ سے ہی ان کا مال زیر چھپا ہے۔ اس لئے مال غالب حرام ہی ہوتا ہے۔ واضح طور پر غالب کا ہوتا ہے۔ البتہ ان کے مال سے اجتناب نہ ہو سکے۔

بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کہ جس مال کی نسبت یقینی نہ ہو اس کا استعمال فقیہ کے لیے درست ہے غنی کے لیے درست نہیں۔ ہاں اس صورت میں فقیہ کے لیے لینا بھی درست نہیں جبکہ یقین ہو کہ یہ غصب شدہ مال ہے۔ لہٰذا اس بحث سے یہ مال لینا درست ہے نہ ان سے کراہت کرنا ہے۔

ان علماء کا یہ بھی کہنا ہے کہ فقیر کے لیے سلاطین وقت کا مال قبول کرنا اور استعمال میں لانا درست ہے بشرطیکہ وہ یا اس کا پیش رو ذاتی طور پر تو اس کے قبول کرنے میں حرج نہیں۔ اور اگر مال فی یا خراج یا صدقہ کے مویشیوں میں سے ہو تو فقیر کا حق ہے بلکہ ہر مسلمان کا حق ہے بشرطیکہ سلاطین وقت کا دیا ہوا مال اپنے تصرف میں لا سکتے ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

جو شخص مسلمانوں میں سے خوشی دل سے بیت المال میں سے قرآن کریم کی درست تلاوت کرتا ہو وہ اس کے بیت المال سے نذرانہ قبول کرنے میں حرج نہیں۔ ایک روایت میں دو دینار آتے ہیں۔ کہ نذرانہ میں سے نہیں ہے تا تو آخرت میں سے ہے۔

اس سلسلہ میں یہ ہے کہ فقیر کو ہر حال میں اس کے قادر ہیں۔ تو وہ اپنا حلقہ کر سکتے ہیں۔

عقائد نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کسی کا مال غصب مال سے اس طرح مل گیا ہو کہ تمیز مشکل ہو تو کیا کسی سلطان کے پاس غصب کا پیسا مال ہو جس کے مالک دریافت کی اور نہ ہو سکتی ہو اور وہ سلطان کو کوئی حاجت نہ ہو تو سلطان ایسے مال سے اسی صورت میں خلاصی پا سکتا ہے کہ اسے صدقہ کر دے۔ تو اس صورت میں یہ نہیں کہ اللہ اس سلطان کو صدقے کی حکم دے اور فقیر کو اس کے قبول کرنے سے منع کرے یا فقیر کو دینے یا نہ دینے کا اختیار ہے۔

مگر ایسے مسائل میں علماء کو تمام تحقیق بیان کیے بغیر اور پوری تفصیل بیان کیے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں۔

اگر ہم اس کتاب میں یہاں ہی مسئلے کی تفصیل بیان کرنا شروع کر دیں تو ہم اپنے مقصد سے دور جا پڑیں گے جو شخص اس کی پوری تفصیلات معلوم کرنے کا خواہش مند ہو وہ ہماری کتاب جہاں علم کے حلال و حرام کا مطالعہ کرے۔ اس میں اس مسئلے کی پوری وضاحت مل جائے گی۔

سوال:

امراء اور نائبوں کے تحفہ تحائف کا یہ حکم ہے، فقہاء اور علماء کو ان کے ہدیے و تحفے قبول کرنے جائز ہیں یا نہیں؟ باوجود یکہ یہ لوگ حصول مال میں بے احتیاطی اور اس کی حلت و حرمت کی پرواہ غور و خیال سے کام نہیں لیتے۔ اور اسی طرح عام دوستوں کے تحفے تحائف کا لینا درست ہے یا نہیں؟

جواب:

جب کسی انسان کا ظاہر حال نیک ہو اور اس میں کوئی شرعی خرابی معلوم نہ ہو تو ایسے تحفہ ہدیہ یا صدقہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس طرح کی تحقیق و تفتیش کی تعریف میں نہیں آتا ہے اور لوگوں میں حلال و حرام کا فرق کر دیا ہے اس لیے شاید یہ صدقہ بھی حرام مال سے ہو کیونکہ ایسا خیال صدقہ دینے والے کے حق میں سوءِ ظنی ہے اور درست نہیں بلکہ مسلمانوں کے متعلق نیک گمان رکھنے کا حکم ہے۔

پھر ہدیہ و صدقات کے بارے میں جو چیز یہ ہے کہ ہر چیز کے متعلق ایک شرعی حکم ہے

ہی ہر شہادت کا فیصلہ موقوف ہے دوسرا فریق کا حلف دینے کا حکم دینے کا حق۔

شرعی حکم تو یہ ہے کہ وہ صدقہ یا عطیہ قبول کر لیا جائے جس کا حق ہونا درست ہو۔ دینے کے بعد کوئی تفتیش نہ کی جائے۔ ہاں اگر اس مال کے حرام یا غصب ہونے کا یقین ہو تو لینا جائز نہیں۔

مگر فتویٰ یہ ہے کہ بغیر تحقیق و تفتیش کے بغیر کسی سے کوئی چیز نہ لی جائے۔ اگر اس میں ذرہ بھی شبہ کا گمان ہو تو لینا درست نہیں اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

ان خرجا لہ اتا بشیء فشرب	ایک دفعہ وہ کھانا آپ کی خدمت میں لائے
فلما اخرجہ کنت اذ جئت شیئا	آپ نے اس میں سے کچھ نوش فرمایا جب
سنی جزء ولا تسئلنی عن	بھی کوئی چیز آپ کے پاس لاتا تو آپ کے
ھذا الذی تقل وما خصنا حق	لئے یہ نہ فرماتے تھے کہ اس میں
راثیت قومہ فی الجاھلیۃ خسوفی	کہ تم نے کہاں سے لی تحقیق نہیں فرماتے تھے
ھذا فقبا ابوبکر الصدیق رضی	وہ آپ نے جو یہ دروغگوئی سے خدمت
تعالی عنہ وکان لہ غلام یخرج	جب یہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک
فما ھذا فی الحرفۃ فکانت حسیبہ	کوئی پیشہ اختیار کیا تھا اس کے عوض میں

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ فتویٰ پر نظر رکھنے والے شخص کے لیے تفتیش کرنا

سوال:

تمہارے اس بیان سے ثابت ہوا کہ فتویٰ حکم شرع کے خلاف ہے؟

جواب:

ہمارا بیان یہ ہے کہ ہر مفتی آسمانی وحی پر مبنی ہے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بالحنيفية السمحة — میں آسان اور سہل سے بنا ہوا مذہب دے کر

بھیجا گیا ہوں

اور تقویٰ شدت و اختیار پر مبنی ہے۔ کہا گیا ہے کہ تقویٰ کا معاملہ وہ ہے کہ ہزاروں چیزیں جن میں سختی سے زیادہ سختی ہے۔ پھر یہ خیال نہ کرو کہ تقویٰ شرع سے کوئی چیز ہے بلکہ اصل میں تقویٰ اور ہیں لیکن شرع کے حکم دو ہیں۔ ایک جو زنا کار اور بیت خبیثہ و فضیلت کا حکم۔ جائز حکم و حکم شرع اور افضل زیادہ باحتیاط حکم کا نام تقویٰ ہے۔ تو یہ دونوں حکم ایک دوسرے سے جدا ہونے کے باوجود اصل میں ایک ہیں۔ اس فرق کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں

سوال:

جب ہر شے کی تفتیش اور چھان بین ضروری ہے تو اس زمانہ میں کسی چیز کو بھی استعمال کرنا صاحب تقویٰ کے لیے شک و فساد سے خالی نہیں۔ حالانکہ ضروری چیزوں کا استعمال اس کے لیے ناگزیر ہے۔

جواب:

جاننا چاہیے کہ تقویٰ ایک سخت رستہ ہے جو شخص اس پر چلنے کا ارادہ کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس اور دل کو مصائب و شکایت برداشت کرنے پر تیار کرے۔ ورنہ وہ تقویٰ کا رستہ طے نہیں کر سکتا۔ اسی وقت کے باعث بہت سے اہل تقویٰ اور متقین صوفیاء شہروں اور آبادیوں کو چھوڑ کر کوہ لبنان پر چلے گئے۔ اور ساری عمر کچی پھل وغیرہ کھا کر گزاری جن میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ تو تقویٰ کا مرتبہ حاصل کرنے کی جس میں ہمت ہو تو چاہیے کہ مشکلات و مصائب اور جو دقت کو برداشت کرے اور آفات کے پیش آنے پر صبر کرے اور ان مندرجہ بالا حضرات کا طریقہ اختیار کرے لیکن جو لوگوں میں رہنے اور وہی چیزیں استعمال کرنے پر مجبور ہو جو وہ استعمال کرتے ہیں تو اسے چاہیے کہ تقویٰ استعمال کرے جتنا سخت نہ ورنہ کے وقت مردار استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ صرف اسی قدر پرہیز کرے جس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت قائم رکھ سکے۔ جس قدر استعمال پر سخت معذور سمجھا جائے گا اور یہ اندازہ اس کے لیے نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس میں کسی قسم کا شبہ ہو۔ اس لیے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ فضل الشوق فعیشکم بالنقوت (ترجمہ) چونکہ بازاروں میں حرام اشیاء میں تیزی آ چکی ہے۔ اس لیے صرف ضروری روزی پر کفایت کرنا چاہیے۔

بیان کیا ہے کہ حضرت وہب بن ورد ایک یا دو روز یا تین تین دن بھوکے رہتے تھے پھر ایک روٹی لیتے تھے اور دعا کرتے تھے:

[illegible] ے اللہ تو جانتا ہے کہ میں بغیر غذا کے نہیں
[illegible] عبادت کی طاقت نہیں رکھتا اور مجھے کراہت
[illegible] کا ذریعہ ہے۔ اگر میرا نفس روٹی کی خواہش
[illegible] ے اللہ اگر میری روٹی میں کوئی خرابی پیدا
[illegible] ہو تو مجھے اس کھانے پر نہ پکڑنا۔ یہ دعا کرنے
[illegible] ے بعد روٹی کو پانی میں بھگوتے تھے
اور کھاتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ اور اس قسم کی متقی میں سب بندے متقی لوگوں کے ہیں۔ لیکن بعض لوگ ان سے تقویٰ میں کم ہیں ان کے لیے اپنی وسعت کے مطابق حقیقی اللہ کی ہے۔ جتنی ان میں حقیقی نوکی سی قدر نہیں تقویٰ سے حاصل ہے۔ مشہور ہے کہ جتنی محنت و کوشش کرو گے اتنی ہی تمہیں اپنی مراد میں کامیابی ہوتی ہے ——— اور اللہ تعالیٰ کسی نیک عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ اور لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ سب کچھ جانتا ہے۔

سوال:

مندرجہ بالا بیان تین چیزوں کے متعلق تھا۔ ذرا حساب کے متعلق بھی بیان کر دیجیے کہ کس حد تک اس کا استعمال فضائل میں داخل نہیں اور کس حد پر جا کر فضائل کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے جس کے باعث روز قیامت بندے کو حساب کے لیے روکا جائے گا اور حساب لیا جائے گا۔ اور حساب کے استعمال کی مستحب اور غیر مستحب مقدار کیا ہے جو فضائل میں داخل نہیں اور جس کا حساب وغیرہ نہیں ہوگا؟

جواب:

حساب تین قسم ہے۔ ایک وہ جو فخر، مباہات، تجارتی اور دنیاوی مکر کے طور پر استعمال کیا جائے۔ یہ استعمال تو ناجائز اور قیامت کے دن حساب ہوگا اور اس کے حساب کے لیے فوراً روکا جائے گا اور استعمال کرنے والے کو ملامت اور تشہیر کی جائے گی۔ یہ استعمال خدا تعالیٰ کو ناپسند اور برا ہے۔

اور ایسا استعمال بندے کے دل میں برائی پیدا کرتا ہے یعنی فخر اور بڑائی وغیرہ جو عذاب نار کا باعث ہے اور اس طرح کے استعمال کا ارادہ معصیت و گناہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِينَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ۔

دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا زینت و بناؤ ہے اور تمہارا آپس میں فخر و غرور اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی خواہش ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من طلب الدنیا حلالا مباهیا مکاثرا مفتخرا مرائیا لقی اللہ تعالیٰ وهو علیه غضبان۔

جو دنیا طلب کرے حلال سے بڑائی، فخر اور ریا کاری کے طور پر اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو وہ اس پر غصے اور غضب ناک ہوگا۔

تو مندرجہ بالا آیت و حدیث میں اپنے مقصد و ارادے پر وعید سنائی گئی ہے۔

بیان کی دوسری قسم وہ ہے جس کا استعمال محض شہوت کے طور پر ہو۔ یہ استعمال بھی ایسے ہے جس پر روز قیامت حبس و حساب ہوگا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۔

پھر تم سے اس روز نعمتوں کے متعلق ضرور پوچھ گچھ ہوگی۔

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

وَحَرَامُهَا حِسَابٌ۔

دنیا کے حرام پر روز قیامت حساب ہوگا۔

حلال و مباح کی تیسری قسم یہ ہے کہ مجبوراً قدر ضرورت شے استعمال کی جائے جس سے رب تعالیٰ کی عبادت بجا لائی جا سکے۔ اتنا اندازہ ہی بہتر، مستحب و مندوب ہے۔ اتنے استعمال پر کوئی حساب و عذاب وغیرہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اتنا قلیل استعمال ثواب و اجر کا باعث ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عن المسئلة وتقصد بها وجه	کی مدد لیتے اور بیچنے والوں کی پروا نہ
وسعيد على غير مدخر يوم	کرتے ہیں اور نہ طلب کی قیمت سے زیادہ
لتيسر وجوده في كثير	کا پتہ چلتا ہے بلکہ ہر جگہ ہر وقت
ليلة البدر۔	رہا ہوگا۔

ایسے بندے کی یہ شان و فضیلت اس لیے ہے کہ اس کا قصد و ارادہ نیک اور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔

سوال:

وہ کیا شرائط ہیں جن کے ہونے سے مباح کا استعمال خیر اور نیکی بن جاتا ہے؟

جواب:

مباح اور حلال شے کا استعمال دو شرطوں سے قبیل خیر بنتا ہے: ایک حال دوسرا قصد و ارادہ۔

حال سے مراد یہ ہے کہ حلال و مباح کو بوقت ضرورت و مجبوری استعمال کیا جائے۔ اور مجبوری کی صورت یہ ہے کہ ایسا موقع ہو کہ اگر حلال کو استعمال میں نہ لایا جائے تو شرعاً گرفت ہو۔ وہ اس طرح کہ مباح شے کا استعمال نہ کرنے سے باعث بدن اتنا کمزور ہو جائے کہ فرض، سنت یا نفل ادا نہ کر سکے۔ تو ایسی صورت میں مباح کا استعمال ترک مباح سے افضل ہے۔ اگرچہ دنیا کے مباحات کو بھی استعمال میں لانا بہتر اور افضل ہے مگر ضرورت کی صورت میں استعمال ہی بہتر و افضل ہے۔

قصد و ارادہ سے مراد یہ ہے کہ حلال کے استعمال سے مقصود سفر آخرت کا توشہ تیار کرنا اور عبادت خداوندی کی قوت و استطاعت ہو۔ اس طرح کہ استعمال کے وقت دل میں یہ بات ہو کہ اگر میں یہ مقصود فعل اللہ کی عبادت نہ کروں تو میں اس کو استعمال نہ کرتا۔ یہ اس کے استعمال کی دوسری وجہ ہے تو جس مباح کے استعمال میں یہ دونوں امر پائے جائیں گے یہ استعمال مستحب، نیکی اور خیر شمار ہوگا۔ اور اگر کسی مقام پر حالت ضرورت تو ہو مگر مندرجہ بالا قصد و ارادہ نہ ہو یا قصد و ارادہ تو ہو مگر حالت ضرورت نہ ہو تو ایسی مباح کا استعمال نیکی یا مستحب میں شمار نہیں ہوگا

یہ ہے نیکی و درجہ استحباب پر استقامت کے بے بہا نعمت اور نیک ارادے کی قدر و قیمت۔

یعنی جب بھی حلال یا مباح شئی کو استعمال میں لانے لگے تو یہ قصد کرے کہ میں عبادت کی قوت کی خاطر اس کو استعمال کرتے لگا ہوں۔ اگر کہیں خدانخواستہ اس قصد سے محروم ہوگئے تو یاد آتے ہی رک جائے۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہاں تین امور ہوگئے ہیں جن کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ وہ تو اس استعمال کو اپنی میں داخل کرنے کے لیے یعنی ارادہ اور حالتِ عذر اور تیسرا ہمیشہ اس قصد کا دے کو مقدمت کے لیے ملحوظ رکھنا ——— اس کو بھی طرح ذہن میں بٹھالو۔

سوال:

حلال کا وہ استعمال جو شہرت کی غرض سے ہو کیا معصیت اور باعث عذاب ہے یا نہیں؟ اور کیا حالتِ عذر میں مباح شئے کا استعمال فرض و واجب ہے یا نہیں؟

جواب:

حالتِ عذر میں امرِ مباح کا استعمال افضل خیر اور مستحب ہے فرض و واجب نہیں۔ اور شہوت کی غرض سے جو استعمال ہو وہ بُرا اور ناپسندیدہ ہے، اور اس سے منع زجر و استحباب کے طور پر ہے۔ یہ معصیت یا عذاب کا باعث نہیں۔ ہاں روزِ قیامت اس کے حساب کے لیے بندے کو روکا جائے گا۔ اور اسے مہلت کی جائے گی اور شرمندہ کیا جائے گی۔

سوال:

یہ حبس و حساب کیا چیز ہیں جن کا بندے کو سامنا کرنا پڑے گا؟

جواب:

حساب یہ ہے کہ قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تو نے یہ شئے کس طرح حاصل کی اور کہاں خرچ کی اور کس نیت سے خرچ کی؟

اور حبس یہ ہے کہ حساب لینے کے لیے جنت میں داخل ہونے سے روک دیا جائے گا۔ یہ حبس میدانِ محشر میں ہوگا جب تمام مخلوق پر دہشت چھائی ہوگی اور لوگ تنگی اور پریشانی کی حالت میں مبتلا ہوں گے۔ اور یہ بہت بڑی آزمائش کا وقت ہوگا۔

سوال:

جب اللہ تعالیٰ نے حلال کے منافع کی ہمیں اجازت دی ہے تو یہ مہلت اور روک ٹوک کیوں

ہوگئی۔

جواب:

یہ ملامت و عذاب ترکِ ادب کی وجہ سے ہوتا۔ جیسے وہ شخص جو بادشاہ کے دستر خوان پر بیٹھے وہ ادب کو ملحوظ نہ رکھے تو اسے ذلت کی جگہ سے ورنہ مار دی جاتی ہے۔ اگرچہ وہ طعام اس کے لیے مباح اور حلال ہوتا ہے۔

نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو عبادت اور بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے اس لیے بندے پر لازم ہے کہ ہر لمحہ اپنے اس کا بندہ ہونے اور خدا کے حکم کو فضائل مرتبہ کے ساتھ ادا کرے۔ وہ عبادت یہ اس کی غرض کا خیال نہ رکھے بلکہ اپنی شہوت کی پیروی کرتے ہوئے اپنے رب کی عبادت و بندگی سے روگردان ہو جائے تو اس میں رب کی عبادت کی توفیق بھی موجود ہو کر وہ عبادت نہ ہو ——— اور یہ دنیا سے بھی عبادت اور خدمت میں جگہ ——— کہ شخص اپنی نفس کے پیروں کے ہوتے ہوئے شہوت کی پیروی سے وہ فرض اور اپنے مالک و مولیٰ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری ہے ——— وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ اللہ تعالیٰ نے خرید

یہ تھا وہ مضمون جو ہم نے اس کتاب میں اصلاحِ نفس کے متعلق بیان کرنا تھا۔ اس پر ہم اس مضمون کو اپنے قارئین میں محفوظ کرتے ہوئے اس پر عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں خیر کثیر کے مالک بنا دے ——— فاسد وق العصمۃ و ... فیق بفضلہ

فصل

تو اے عزیز! تجھ پر لازم ہے کہ اس محنت اور سخت کمائی کو عبور کرنے میں پوری کوشش صرف کرے۔ بیشمار سے عبور کرنا زیادہ تر مشکل اور محنت طلب ہے۔ اور یہ کمائی فتنوں سے ہے کیونکہ جو شخص ان فتنوں سے محفوظ رہا اور اس پر عمل کرتا رہا ان شاء اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں خیر کثیر کے مالک بن جائے گا ——— فاسد وق العصمۃ و ... فیق بفضلہ

فصل

تو اے عزیز! تجھ پر لازم ہے کہ اس محنت اور سخت کمائی کو عبور کرنے میں پوری کوشش صرف کرے۔ بیشمار سے عبور کرنا زیادہ تر مشکل اور محنت طلب ہے۔ اور یہ کمائی فتنوں سے ہے کیونکہ جو شخص ان فتنوں سے محفوظ رہا اور اس پر عمل کرتا رہا ان شاء اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں خیر کثیر کے مالک بن جائے گا ——— فاسد وق العصمۃ و ... فیق بفضلہ

اور اس کتاب میں یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معالجہ نفس کے ذریعہ کی صحیح ذریعہ سے ذریعہ صلاح کے طریقوں سے آگاہ کر دے۔ اس لیے میں نے اس کتاب میں مختصر مگر جامع لکھنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ جو شخص بھی ان میں غور کرے گا وہ انہیں پا لے گا۔ ورنہ نفس سے ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور اسے راہ حق کی طرف رہنمائی کریں گے۔

دریہ نفس دنیا، مخلوق، نفس اور شیطان سے خبردار رہیے۔ اسے ان کے ساتھ مشغول ہونے سے تو اے عزیز! علائق دنیا سے قطع کرنا اور زہد اختیار کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ تو تین حال سے خالی نہیں:

(۱) یا تو تو صاحب بصیرت اور صاحب عقل ہے — تو تیرے لیے یہی کافی ہے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کی دشمن ہے۔ اور اللہ تیرا دوست اور حبیب ہے۔ اور یہ دنیا تیری عقل کو فتنہ میں ڈالنے والی ہے۔ حالانکہ عقل ہی انسان کا اصل جوہر ہے۔

(۲) اور یا تو صاحب ہمت اور عبادت میں کوشش کرنے والے لوگوں میں سے ہے — تو تیرے لیے یہی کافی ہے کہ دنیا تیری تجوریوں میں سے تجھ تک پہنچ چکی ہے کہ وہ عبادت سے تیرے ارادے سے باز رکھتی ہے۔ اور اس کی فکر تجھے بندگی کے لمحات میں غیر ضروری طور پر مشغول رکھتی ہے۔ جب دنیا کی فکر باعث رکاوٹ ہے تو خود دنیا کس قدر رکاوٹ کا باعث ہوگی۔

(۳) اور یا تو ان غفلت میں سے ہے — — — یعنی تجھ میں حقائق دیکھنے کی بصیرت نہیں اور نہ تجھ میں اعمال خیر بجا لانے کی ہمت ہے۔ اس صورت میں تیرے لیے یہی کافی ہے کہ تجھے ایک دن اس دنیا سے جدا ہونا پڑے گا۔ یہ یہ دنیا تجھ سے چمٹ جدا ہو جائے گی جیسے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ان بقیت بشاشتہا لم تبق — (اگر اس کی رونق باقی رہے تو بھی وہ باقی نہیں رہتی)

حتی تری ذہبا ذلک فی عجل — (یہاں تک کہ تو دیکھے گا کہ سونا)

فاق النعیم عزیز غیر مرتجع — (نعمت کھو بیٹھا ہے اور اب واپس نہیں آئے گا)

ایک عربی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے:

(۱) ھب دنیا تساق ایک حشو ۔۔۔ بس مصیبت ذخائی زوال

(۲) قمقمہ زجوبیش نیس بیقی ۔۔۔ وشیکہ قہ تغیر دنیک

(۳) وہ دنیا کہ لامش خطر ۔۔۔ خشت نخواذن بار قفاں

(۱) ان یا کہ دنیا و فرقہ ہیں تیری طرف کھنچی چلی آ رہی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھ

فنا نہیں ہوگی؟

(۲) جلد اس عیش سے حقیقی خوشی کی امید کیا ہو سکتی ہے جو چند دن کے بعد فنا ہونے والی

اور جس کا آرام عنقریب تکلیف و رنج میں تبدیل ہو جائے گا۔

(۳) اس دنیا کی مثال بالکل سائے جیسی ہے جس میں تو فوراً آرام کرتا ہے اور پھر وہ

سایہ وہاں سے زائل ہو جاتا ہے۔

تو غمگین مت ہو کیونکہ یہ سب نہیں کہ اس دنیا کے دھوکے میں آئے۔ یہ عربی شاعر نے

بالکل درست کہا ہے ؎

فَارِقْ تَوَدُّ اَوْ كَانَ غَيْرَ مُفَارِقٍ

اِنَّ الْحَبِيْبَ بِمِثْلِهٖ لَا يَخْدَعُ

(ترجمہ) دنیا محبوب کی طرح ہے جو تجھ سے جدا ہونے والا ہے اور

بیشک عقل مند ایسے محبوب کے دھوکہ میں نہیں آتا۔

ابلیس کے شر سے بچنا ضروری ہے:

یاد رہے شیطان انسان کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے بارے میں دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ۔۔۔ اے میرے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں

هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُ ۔۔۔ شیطانوں کے وسوسوں سے اور

بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۔ ۔۔۔ اے میرے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

اے میرے رب میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں کہ شیطان میرے پاس آئیں۔

تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہتر سب سے زیادہ علم، سب سے زیادہ عقلمند درستی کے
کے ہاں سب سے زیادہ بلند رتبہ والے ہیں وہ اس چیز کے محتاج ہیں کہ شیطان سے پناہ مانگیں تو تو تو
جہالت، عیوب اور غفلت کا مجموعہ ہے، شیطان سے پناہ مانگنے کا محتاج نہیں ——— تو ضرور
محتاج ہے اور بہت محتاج ہے۔

لوگوں سے میل جول کی مذمت:

لیکن لوگوں سے میل جول کا معاملہ تو اس کی قباحت کے ثبوت کے لئے یہی کافی ہے کہ تو لوگوں سے
میل جول کرے گا اور ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا تو گناہ کار ہو جائے گا اور اپنی آخرت سے
معاملے کو خراب کر دے گا۔ اور اگر ان کی خواہشات کی مخالفت کرے گا تو ان کی دشمنی اور ناپسندیدگی
سے دچار ہو گا۔ اور تیری دنیا کی زندگی مکدر ہو جائے گی بلکہ ان سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ تجھ سے جانی
دشمن بن جائیں۔ اور کسی حرج تو ان کے فتنے میں مبتلا ہو جائے۔ اور اگر تو ان سے میل جول رکھے گا
تو وہ تیری مدح اور تعظیم کریں گے۔ اور کوئی بعید نہیں کہ اس حرج تو عجب اور خود ستائی کے فتنے میں
ہو جائے۔ اور اگر وہ تیری مذمت اور برائی کریں گے اور تجھ سے حقیر و ذلیل سمجھیں گے تو اس صورت
میں تو کبھی غمناک ہو گا اور کبھی تاجائز غصہ کرے گا۔ اور یہ سب مذمت دونوں طرح سے دنیا کی
آفتیں ہیں۔

پھر تم ذرا یہ تو یاد کرو کہ جب قبر میں دفن ہونے کے صرف تین یوم ہوں گے تو تجھ سے جدا
ہو جائیں گے۔ وہاں صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی موجود ہو گی۔ تو بتا یہ کون سا نقصان نہیں کہ تو اپنے
ساتھ ہمیشہ رہنے والے کو راضی کرنے کے بجائے ان لوگوں کو راضی کرنے میں لگا رہے جن سے تجھے
دیر تو نہیں رہنا ہے۔ اور اپنے پیارے رب کی خدمت و اطاعت کو ترک کر دے جس کی طرف آخر تو نے
رجوع کرنا ہے۔ مرنے کے بعد صرف وہی ہمیشہ کے لیے تیرا ساتھ دے گا۔ درحقیقت ہم سب کا دل
حاجت روا ہے۔ اور ہر بات میں صرف اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور ہر حال میں ہر شدت و سختی
و نفع اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ وہ کیسے؟ کوئی اس کا شریک نہیں

اے عاجز انسان! میری ان باتوں اور نصیحتوں کو غور سے سن۔ شاید تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف

سے راہ ہدایت دکھ دے ——— اور اللہ ہی ہدایت کا مالک ہے

مذمتِ نفس کا بیان:

نفس کے برے ہونے کا یہی ثبوت کافی ہے کہ جو خوشی و رونق کے وقت میں سب سے بڑے راد
اور اس کے خلاف شرع ہونے کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ یہ نفس شہوت کے وقت بے تابی جیسے
فعال بنا ہے۔ غصے کے وقت درندہ بن جاتا ہے۔ مصیبت و تکلیف کے وقت چھوٹے بچے کی
طرح آہ و زاری کرتا ہے اور آرام و آسائش کے وقت ذلیل بن جاتا ہے۔ جب بھوکا ہوتا ہے تو
پاگل ہو جاتا ہے اور جب یہ بھرتا ہے تو سرکش بن جاتا ہے۔ اگر تو سے یہ ڈرے تو سرکشی کرتا ہے
اور اگر بھوکا رکھے تو عبادت سے روکتا ہے۔ یہ بیماری اسی طرح ہے جیسا کہ ایک شاعر
نے کہا ہے

کلھا آفات النفوس اشتھت لھا ... ومعظم الدین ان جاع فنھوض

یہ نفس تجربہ کار ہے، اندھے جویری کی طرح ہے جو مستی میں آکر لوگوں کو پامال کرتا
ہے۔ اور جب بھوکا ہوتا ہے تو بانٹتا ہے۔

بعض علماء نے بالکل درست فرمایا ہے کہ:

النفس ... ھی النفس ...

جبلت علی حب الشھوات فعبیۃ ... ایسی نفیس کی عادت ہے کہ ہمیشہ

فان انبعثت تشبع فتبلغ ... اگر تو اسے اس کی خواہش کے مطابق

وان ترکتھا تجع فتلتمس ... اور اگر تو اسے بھوکا رکھے تو

بالسوء تامر ... برائی کا

وبکتابہ وجمیع ... اور اس کی

الصالحات ... نیک

الموت والقبر ... موت اور قبر

وانما لا تعقل ... یہ صرف

النهوة تحران استقبلته بمنه	روکتا ہے یہ بھیجے ورغلانے کی جسر کو
وعيف تسكن وتترك شهوتها	بھروسہ ہے۔ تو بجھے اس کی کمینگی ورنہ
تعده خستة وجهلها	کا اندازہ ہو جائے گا۔

اس لیے اسے عزیز! اس سے غفلت نہ کرنا۔ کیونکہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو اس کی حقیقت سب سے بہتر جانتا ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ۔ بیشک نفس ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے۔

حضرت حذیفہ بن ارقم بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میرے نفس نے جہاد میں شریک ہونے پر مجھے مجبور کیا۔ میں نے دل میں کہا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ نفس برائی کی ترغیب دیتا ہے۔ اور میرا نفس مجھے نیک کام کی ترغیب دے رہا ہے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ضرور اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگوں سے میل جول کرے تنہائی اور گوشہ نشینی کی وحشت کو دور کرے۔ اور لوگوں سے خلط ملط ہو کر راحت حاصل کرے۔ اور ان کے ساتھ اپنی گوشہ نشینی اور بزرگی کا چرچا کر کے اپنی تعظیم اور اپنا احترام کرائے۔ چنانچہ میں نے نفس کو جواب دیا کہ میں ہرگز تجھے باز نہیں رہنے دوں گا۔ اور تیری جان پہچان کی جگہ نہیں سے جاؤں گا۔ تو وہ اس جواب پر راضی ہو گیا۔ لیکن مجھے یہ خطرہ ہوا کہ یہ اپنے خلاف بات پر کیسے راضی ہو سکتا ہے۔ اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ نفس کا کلام سچا ہے کہ نفس برائی کی طرف ہی لے جاتا ہے) تو میں نے سوچا کہ میں دشمن سے جہاد و قتال کرتے کو تیار ہوں۔ لیکن یہ میرا دشمن تو ہے۔ اس سے پہلے مقابلہ اور قتال تو ہوا نہیں۔ یہ سوچ کر میں جہاد کے لیے نکل پڑا۔ اور دشمن کے مقابلہ پر آ گیا۔ لیکن وہ اس پر بھی برابر وسوسے ڈالتا رہا۔ میں نے اس کی ایک نہ سنی۔ اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ اور دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا اندر گھس گیا۔ اور دشمن کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نفس کہہ رہا تھا:

اے حمد! تو نے مجھے ہر روز شہوتوں سے روک کر قتل کرتا رہا۔ اب میں تجھ کو ایسا قتل کروں گا کہ تیرے لئے کبھی دوبارہ زندہ ہونا ممکن نہ ہو گا۔ اور تیرے اس قتل و ہلاکت کا کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ اور تو ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ تو میں نے نفس کو جواب دیا کہ

ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔ دریں صورت میں اس بات کا پتہ چلا کروں گا کہ جہاد نے

شہادت کا درجہ پایا۔ اس طرح میرے پہلے گناہ بھی بخشے جائیں گے اور مجھے جنت میں شرف حاصل ہو گا۔"

اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے اس جواب سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ نے اسے جہاد میں شرکت نہیں

کرنے دی۔ چنانچہ اس نے اس سال جہاد میں شرکت نہ کی۔

اے بیٹی! غور کرو کہ نفس کن دھوکوں اور فریب کاریوں سے کام لیتا ہے۔ بعد موت بھی تیرے عمل حسنہ کو ریاء کے

ذریعہ ضائع کرتا ہے۔ ایک عربی شاعر نے بہت ہی اچھا کہا ہے ؎

توق نفسك لا تامن غوائلها

فالنفس اخبث من سبعين شيطانا

(تو اپنے نفس کی خباثتوں سے ستر درندوں کی دھوکا بازیوں سے بڑھ کر خوف نہ کر۔

کیونکہ نفس کی خباثت تو ستر شیطانوں کی خباثت سے بھی زیادہ ہے)

اس لیے اس دھوکا باز کو کبھی بھی بلند کرنے دے نفس خبیث سے چوکنا رہ اور ہر وقت

اور ہر حال میں اپنے دل کو اس کی آفت پر متنبہ رکھ۔ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے سے تو اس کی

آفت سے محفوظ رہے گا اور تجھے اجر عظیم نصیب ہو گا۔

اپنے اس بیٹے کو بتقاضائے محبت کہ اسے شہوت کی دکانوں سے باز رکھنے کے لیے تقویٰ کی

اہمیت اور اس کے مقام کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں۔

اے بیٹے! تو جان لے نفس کو حرام سے باز رکھنے کا بہت بڑا فائدہ دنیا میں کرنا ہوں کہ وہ

یہ ہے کہ:

عبادت دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو فرض ہے یعنی جس کے کرنے کا حکم ہے اور دوسرے مستحبات۔

(وہ چیزیں جن سے بچنا ضروری ہے اور جو حرام کے بعد ہیں مستحبات سے جتنا بھی

کے مجموعے کا نام تقویٰ ہے۔

لیکن مستحبات سے بچنا ہر حال میں بندے کے لیے افضل زیادہ بہتر حفاظت زیادہ بہتر

اور اکمل ہے۔ حرام کے مقابلے میں مستحب کی اہمیت زیادہ ہے۔ اس لیے مجاہدہ اور ریاضت

کے ذریعے نفس کا علاج کرنا حرام سے بچنے کے لیے مستحبات پر زور دیتے ہیں۔ وہ دن کو روزہ سے ہوتے ہیں اور

رات کو نوافل میں کھڑے رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اور تنہائی و اہل بصیرت حضرات مغربیات سے جتنا آپ کی زیادہ پابندی کرتے ہیں چنانچہ وہ اپنے دلوں کو غیر اللہ کے خیال سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اپنے شکموں کو زیادہ سے زائد خوراک سے محفوظ رکھتے ہیں اپنی زبانوں کو غیبت اور بیہودہ گفتگو سے بچاتے ہیں اور اپنے کو ہر قسم کے گناہوں سے بچاتے ہیں۔ اسی لیے عابد علی نے جو بڑے عابد کو گمان اور عابدوں کی تعداد بہت تھی) کہا:

"اے یونس! بعض لوگ وہ ہیں جن کو سب سے زیادہ پیارا نمازوں سے ہے چنانچہ وہ نماز پر کسی اور عمل کو ترجیح نہیں دیتے۔ وہ عبادت کے ستون ہیں وہ پوری طرح صدق دل سے اپنے کام پر ہر وقت دربار خداوندی میں خشوع و خضوع میں مشغول رہتے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جنہیں سب سے زیادہ روزہ سے محبت ہے چنانچہ وہ روزہ رکھنے اور عمل کو ترجیح نہیں دیتے۔ اور بعض وہ ہیں جو ہر صدقہ کو سب سے زیادہ اچھا خیال کرتے ہیں۔ اسے برس پر مجھے نماز روزے اور صدقہ کی بہ نسبت ہمدرد کیا ہے؟

تو نماز سے مراد یہ ہے کہ تو ہمیشہ کا یعنی وقت سب سے پہلے نماز پڑھنے کی کوشش کرتا رہے اور ہمیشہ احکام خداوندی کی بجا آوری میں قائم رہے۔

روزہ سے مراد یہ ہے کہ تو ہر برائی سے اپنے آپ کو روکے رکھے۔

اور صدقہ سے مراد یہ ہے کہ تو ہر ممکن طریق سے کسی کو اذیت اور تکلیف نہ پہنچنے دے کیونکہ اس سے بڑھ کر کسی شے کا صدقہ نہیں ہو سکتا۔ کسی کو اذیت نہ دینا ہی بہت بڑا صدقہ ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ فعل ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے اب آپ پر روشن ہو گیا کہ مغربیات سے بچنا زیادہ مراد اس کی رضا ہے اور اس کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔ تو ہر قسم کی عبادت اور نیکی اور تقویٰ سے جتنا آپ اپنے کو قریب تر محسوس کریں گے اتنا ہی آپ کو مغربیات سے بچنے میں آسانی ہوگی اور اس کی رحمت آپ کے شامل حال ہوگی۔ اور اگر ان تمام عبادت سے آپ کو فائدہ نہ ہو سکے تو پھر جانیے کہ تو جب جتنا آپ کو قریب

[illegible]

تو تیرے اس روزے کا کیا فائدہ پہنچے گا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فصل دوم

پھر تجھ پر چار اعضاء کی نگہداشت بھی ہر روز ورنہ دری سے کیونکہ ہم میں بھی بہت سے ہوتے اور اصل ہیں۔

آنکھ کی حفاظت:

اول آنکھ۔ اس کی نگہداشت اس لیے نہ دری ورنہ ذمہ ہے کہ دین و دنیا کے کام دارومدار دل پر ہے اور دل کی خرابی اور اس میں وسوسے وغیرہ اکثر و بیشتر آنکھ کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی آنکھ کی حفاظت نہیں کرتا اس کا دل بے قیمت ہوتا ہے یعنی اس میں کوئی کمال یا نور وغیرہ نہیں آتا۔

زبان کی حفاظت:

دوسرا عضو زبان۔ اس کی حفاظت و نگہداشت اس لیے نہ دری ورنہ ہے کہ تمام دنیا و طاعت کا نفع یا نقصان اور صلہ سزا کی نگہداشت سے وابستہ ہے اور عبادت میں وسوسے بیدا کی سب سے نقصان اور خراب ہونا بھی کثرت سے زبان ہی سے ہوتا ہے کیونکہ بہت کثرت گفتگو، غیبت وغیرہ اگرچہ ایک لحظہ کی ہے تیری سال کی بلکہ پندرہ سال کی عبادت و ریاضت کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ:

ما نجی احق بطول السجن من لسان۔ سب سے زیادہ جیل کا مستحق زبان ہے۔

مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک عابد نے کہا اسے یونس! تو ایک پہاڑ کی چوٹی پر عبادت میں مشغول رہتا ہے میں کو جو تجھ پر جو تجھ نصیب ہوتی ہے وہ زبان کی بیہودہ گوئی کا نتیجہ ہے پھر اس عابد نے کہا تو زبان سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہوتی چاہیے کیونکہ دل کو ہر قسم کے وسوسوں سے پاک رکھنے کا ذریعہ یہی ہے۔

پھر تو دن رات گی کہ وقت ضائع کرنے کی محنت نہ کرے تو بہتر ہے اور لغو گفتگو میں ضائع کرنے کی
نسبت تو اس محنت میں تو بہت سا ثواب حاصل کرتا تو شاید کسی نیک گفتگو میں تیری توبہ قبول ہو جاتی اور تیرے
گناہوں کی بخشش ہو جاتی فضول گفتگو میں محنت نہ کرنا کا اور کرتا تو تجھے بے حساب
ثواب ملتا اس محنت میں ہمیشہ دعا کرتا رہے اے اللہ! میں تجھ سے عافیت اور حق کا سوال کرتا ہوں
شاید کسی وقت کی محنت میں یہ دعا کرنے سے تیرے گناہوں کی بخشش ہو جاتی۔ اس طرح تو دنیا و
آخرت کی آفت سے بچ جاتا تو بہت ہی اچھا ہوا اور بیہودہ کلام میں محنت زندگی کو ضائع کرنا اور
بیٹھنا نہیں ہے اس وقت میں اگر زبان کو دونوں عالم میں مشغول رکھتا تو بڑے بڑے فوائد
حاصل ہوتے۔ اور تیرے نفس اور وقت کو فضول کاموں میں نہ لگاتا کہ روز قیامت تجھے ندامت نہ ہو۔
اور میدان حشر میں حساب کے لیے زیادہ دیر نہ رکنا پڑے۔ اس مضمون کو ایک شاعر نے اچھے پیرائے
میں ادا کیا ہے ؎

وَاِذَا مَرَرْتَ بِاَحْمَقٍ مُتَشَاغِلٍ بِهَرٍ
وَاجْعَلْ مَكَانَ كُلِّ جَوَابٍ تَسْبِيحًا

اجب تو زبان سے کوئی بیہودہ بات کہنے والے کے پاس سے گزرے تو اس باطل سے زبان کو روک
اور اس کی جگہ خدا کی تسبیح کر۔

پیٹ کی حفاظت:

تیسرا عضو جس کی حفاظت اور نگہداشت ضروری ہے وہ پیٹ ہے۔ اس کی نگہداشت کے ذریعے
نجات ہے۔ بندہ دنیا میں عبادت کے لیے آیا ہے۔ اور غذا عمل کے لیے بمنزلہ بیج اور پانی کے ہے۔
جیسا کم و بیش اس کا سب سے اسے پانی دیا جائے گا ویسا ہی بیج اگے گا۔ اور جب تخم خراب ہو تو کھیتی
اچھی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بیسے بیج سے بیخ دے۔ شاید دونوں کی زمین ہی ہمیشہ کے لیے شورہ
اور بنجر ہو جائے۔ اسی لیے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:

ذَا صُمْتَ فَانْظُرْ عَمَّ تَصُوْمُ وَ حَيْثُ تَرْدَهٖ فَتَرَدَّدْ

نَظَرُ وَعَنْ هَمْ تَفْطِرُ وَ مَعَ مَنْ تَفْطِرُ وَمَعَ مَنْ

من ناکل فکم من کل یاکل اکلة — کتنے ہے اور کس کے کھانے سے

فینقلب قلبه عما کان علیه — کیونکہ جب دفعہ یہ تو ہے کہ

فلا یعود الی حاله ابدا وکم — قلب کی کیفیت ہے تو بدل سے دوبارہ

من اکلة حرمت قیام لیلة و — ساری عمر وہ پیٹ بھی نہیں کر سکتا اور

کم من نظرة منعت قراءة سورة — بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک نظر

وان العبد یاکل اکلة فیحرم — پیٹ میں جانے سے ایک رکعت

بها قیام سنة۔ — کرنے سے سنت محروم ہو جاتا ہے۔ اور بہت سی

یہ ہوتا ہے کہ صرف ایک دفعہ نظر دیکھنے سے بندہ ایک سال تک قرآن پاک سے محروم ہو جاتا

اس لیے اے عزیز! اگر تو اصلاح قلب اور توفیق عبادت چاہتا ہے تو تجھ پر لازم ہے کہ پیٹ کے

بارے میں سخت احتیاط کرے۔ یہ اصل غذا کے متعلق حکم ہے جس میں درجہ اول کی سنت ہے

ضروری ہے۔ ورنہ تو غذا اٹھائے ہوئے ٹٹو بن جائے گا اور بن الوقت مر جائے گا۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے

بلکہ ہم نے کئی بار مشاہدہ کیا ہے کہ پیٹ بھر کھانے سے عبادت قطعاً نہیں ہو سکتی۔ اور اگر نفس کو مجاہدہ

کر کے اور حیلے بہانے سے عبادت کی طرف لگایا بھی جائے تو ایسی عبادت میں بالکل لذت و حلاوت نہیں

ہوتی۔ اسی لیے بعض صالحین نے فرمایا ہے۔

لا تضعف فی صلوة العبادة مع — اگر تو عبادت میں لذت چاہتا ہے تو

کثرة الاکل وای نور فی نفس — بھوکا پیٹ رکھ۔ کیونکہ پیٹ بھر کر

بها عبادة وفی عبادة بلا لذة — کھانے سے عبادت میں لذت

وحلاوة۔ — کیسے آسکتی ہے۔ اور نہ ہی

اسی لیے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں کوفہ جانے کے لئے

کی صحبت میں رہا ہوں۔ ان میں سے ہر ایک مجھے یہی وصیت کیا کرتا تھا کہ اے ابراہیم! جب تو اپنے

کے پاس جائے تو کم کھانے کی اور چار باتوں کی نصیحت کرنا:

(۱) جو پیٹ بھر کر کھاتا ہے اسے عبادت میں لذت نصیب نہیں ہوتی۔

(۲) جو زیادہ سوتا ہے اس کی عمر میں برکت نہیں ہوتی۔

(۳) جو لوگوں کی خوشنودی چاہے وہ اللہ کی خوشنودی سے محروم ہو جاتے۔

(۴) جو غیبت و فحش سے بچتا ہے وہ دین کے [illegible]

حضرت [illegible] رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تین چیزیں نہیں چھپ سکتیں:

۱) علم ۲) عشق ۳) خوشبو

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے:

العلم [illegible] بھی کہا گیا ہے۔

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ علم میں جو قوت ہے وہ عبادت احوال علم اور عمل نافع وغیرہ نصیب ہوتا ہے وہ سب جہل کے سبب اور تعبیر کی برکت سے ہوتا ہے۔

دل کی حفاظت:

چونکہ تمام خوبیوں کی حفاظت اور نگہداشت زیادہ ضروری ہے وہ دل سے کیونکہ یہ تمام [illegible] اس لئے اپنے [illegible] دل کو [illegible] سے [illegible] اور [illegible] سے [illegible] دوسرے تمام [illegible] کی اصلاح [illegible] کیونکہ دل درخت کے تنے کی مانند ہے اور باقی جسم شاخوں کی طرح۔ اور تمام خوبیوں کی اصلاح [illegible] درخت کے تنے پر موقوف ہے۔ تو اگر تیری آنکھ، زبان یا [illegible] درست نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرا دل درست اور اصلاح یافتہ ہے۔ اور اگر آنکھ، زبان، کان وغیرہ تمام اعضاء کی درستی [illegible] تو سمجھ لے کہ تیرا دل خراب ہے۔

[illegible] کہ [illegible] دل کو [illegible] سے [illegible] اصلاح قلب کی طرف [illegible] [illegible] کی اصلاح ہوتے ہی [illegible] کی درستی محسوس کرے۔

پیر قلب کی اصلاح نہایت مشکل اور دشوار ہے کیونکہ اس کی خرابی حضرت وسوسوں پر مبنی ہے جو [illegible] سے اختیار میں نہیں۔ اس لئے اس کی اصلاح [illegible] کی ضرورت ہے اور [illegible] ضرورت ہے۔ اس [illegible] کی بنا پر اصحاب مجاہدہ و ریاضت اصلاح قلب کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اور [illegible] اصلاح کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں چنانچہ حضرت بایزید

بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

ما لقیت قلبی عشرۃ ونسانی عشرۃ ونفسی عشرۃ فکان قلبی اصعب الشرذمۃ

جس شخص نے دل کی دس قسمیں اور نفس کی دس قسمیں پہچان لیں اس کا دل سب سے زیادہ دشوار معلوم ہوتا ہے۔

پھر اصلاح قلب کے سلسلے میں چار امور جو ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں یعنی مجاہدہ اور ریاضت میں جلد بازی سے اور تکبر سے بچنا اور ترک نہ کرنا ان کی رعایت ضروری ہے۔

اس مقام پر ان چار امور سے اجتناب کرنے کی تخصیص ہم نے اس لیے کی ہے کہ اگرچہ عام لوگ بھی ان امور میں مبتلا ہیں مگر عبادت گزار لوگ خاص طور پر ان میں مبتلا ہیں اس لیے یہ امور ان کے حق میں قبیح اور بُرے ہیں۔ یہ عام ہوتا ہے کہ عبادت کرنے والا کسی نہ کسی مرحلہ میں مبتلا ہونے سے ڈرتا ہے ایک بھی نیت خیال کر رہا ہوتا ہے۔ اور آخر کار وہ اس کے باعث عمل میں سستی اور ریاضت میں کمزوری آجاتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ بلند رتبہ حاصل کرنے میں جلد بازی سے کام لیتا ہے۔ اور جلد حاصل نہ ہونے کے باعث ہمیشہ کے لیے اس کا دل سرد پڑ جاتا ہے۔ اور بعض فقہ کسی بزرگ سے وابستہ ہوتے ہیں مگر جلد فیض نہ ہونے کے باعث اس سے بدظن ہو جاتا ہے۔ اور بعض فقہ کسی کے حق میں بدگمانی کرتا ہے اور بعد میں پشیمان ہوتا ہے۔ اور بعض فقہ اپنے ہم عمروں سے حسد اور بغض رکھتا ہے اور بعض اوقات آفت سماوی میں گرفتار ہو کر ایسے بیمار ہوتے ہیں جو ان کے کام کی ایک نہ رہنے دیتی ہر آدمی کو بھی جرأت نہیں ہوتی۔ حق یہ ہے کہ شیطان ہمیشہ ہمارے تعاقب میں ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

"مجھے ہر شخص کے متعلق سب سے زیادہ خطرہ دشمن اور عبادت گزار لوگوں سے ہے۔"

لوگوں نے آپ سے اس بات کو بیان کیا تو آپ نے جواب دیا یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی ہے یہ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

اور حضرت عمر سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیٹھے ہوئے تھے کہ عبادت گزار لوگوں سے ڈرتے رہو۔ اور ان کی طرح بھی نہ بنو کیونکہ یہ لوگ وفات میں ایک تار کے متعلق کہیں گے کہ یہ کیا ہے۔ اور سمجھ سکتے کہ نہیں یہ ترش ہے۔ کسی معمولی بات سے بھی

تکرار بڑھ جائے گا۔ اور روٹی بھیجنے میں کہ ایک دوسرے کے قتل تک نوبت پہنچ جائے۔

اور حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں عبادت گزار لوگوں کی گواہی دوسروں کے حق میں قبول کرنے کو تیار رہوں۔ لیکن ان کے پیٹ اندر ایک دوسرے کے متعلق ان کی شہادت قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں گے کیونکہ میں نے انہیں ایک دوسرے کے متعلق حسد سے بھرا ہوا پایا ہے۔

مذکورہ بالا حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے رشتے کو فرمایا کہ مجھے عبادت گزار اور سچی لوگوں سے دور کوئی مکان خرید دے۔ کیونکہ مجھے اس لئے دیں۔ بتانے سے کیا فائدہ جو میری لغزش دیکھ کر اس کا چرچا کریں اور مجھے آزار و تکلیف میں دیکھ کر حسد کریں۔

قرآنِ مجید نے بھی دیکھا کہ مخلص عابد اور سچی لوگوں کی نگاہ سے بچتے ہیں۔ دوسروں کو حقیر خیال کرتے ہیں۔ تکبر کی وجہ سے اپنے رخسار سے کو بیڑھا رکھتے ہیں اور لوگوں سے منہ پھیرے رکھتے ہیں۔ گویا کہ دو رکعت نماز پڑھ کر لوگوں پر احسان کرتے ہیں۔ بات یہ نہیں دوزخ سے نجات و جنت کے داخلے کا سرٹیفکیٹ مل چکا ہے۔ یا ان کو یقین ہو چکا ہے کہ صرف ہم ہی ایک بخشے ہوئے ہیں باقی سب لوگ بدبخت و شقی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جیسے صوف و پشم اور بناوٹ سے خاموشی و کمزوری کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسے لباس و خاموشی وغیرہ کا نہ کبر اور غرور سے کوئی تعلق۔ بلکہ یہ چیزیں تو تکبر و غرور کے منافی ہیں۔ لیکن ان بدھوں کو سمجھ نہیں۔

مذکور ہے کہ ایک دفعہ فرقد سنجی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا۔ وہ اس وقت ایک دھاری دار گودڑی پہنے ہوئے تھے اور حضرت نے نیا جوڑا پہنے ہوئے تھے۔ وہ بار بار حضرت حسن کے کپڑوں کو دیکھتا تھا اور ہاتھ ملتا تھا۔ آپ نے فرمایا تو بار بار میرے لباس کو کیوں دیکھتا ہے۔ سن لے۔ میرا لباس اہلِ جنت کا لباس ہے اور تیرا لباس دوزخیوں کا لباس ہے۔ حضرت حسن نے فرمایا مجھ تک بات پہنچی ہے کہ کثیر اہلِ دوزخ گودڑی پہنیں گے۔ پھر حضرت حسن نے فرمایا ان لوگوں نے کپڑوں میں تو زہد اختیار کیا ہے مگر سینوں میں تکبر اور غرور کو جگہ دے رکھی ہے۔ قسم خدا کی خوش پوش مگر صاف دل لوگ ہمیں گودڑی پہننے والوں سے بہت درجے بہتر ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل اشعار بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہے ہیں ؎

(۱) تصوف نازدھی بصوف ھمہ

وبعضہ لباس یسمہ ھمہ

(۲) یریہٗ مھانۃ ویریٰ کبرا

وبین کبرہ شکر مھانۃ

(۳) تصوف کے یقال لہ امین

ومعنی تصوفہ لا مانۃ

(۴) ولہ یرد الا لبسہ وذکر

الدیہ الحیوۃ والخیبۃ

ترجمہ (۱) بعض لوگ صوفیوں کا سا لباس پہنتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر دوسروں کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اور بعض لوگ تو فضول ہی صوف کا لباس پہنتے ہیں۔

(۲) ایسے جاہل صوفی دوسروں کے سامنے اپنے عیب و نقص ظاہر کرتے ہیں اور دوسروں کو تکبر سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ عاجزی کرنے والوں میں کبر نہیں ہوتا۔

(۳) ایسے صوفی یہ لباس صرف اس غرض سے پہنتے ہیں تاکہ لوگ انہیں امین اور دیانت خیال کریں۔ مگر درحقیقت ان کی یہ صوفیانہ وضع قطعہ کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

۴ درویشانہ لباس سے نہیں خوشنودی خدا مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اس طرح محض دھوکہ دہی اور ان کے ساتھ خیانت کی نیت کرتے ہیں۔

تو اے عزیز! تو ان چار فعلکات سے بچتا رہ کہ۔ اس لیے کہ دوسری چیزیں تو ایسی آفتیں ہیں جن سے توصرف کنارہ کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ لیکن یہ خودنمائی انسان کو کفر و گمراہی تک پہنچا دیتا ہے۔

تنبیہ کے سلسلے میں تو ہمیں وہ سب کچھ کرنا ہے جس کی ہم نے آپ سے توقع کی اس لئے کہ کیا اور خدا کے حکم کا انکار کیا ——— اور آپ کی نسبت ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ ہمیں آپ فضول سے ہر گمراہی اور خرابی سے بچائے۔

فصل

خلاصہ یہ کہ جب تو عقل و دانش سے دیکھتا ہے تو تجھ پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ دنیا فانی ہے اور اس میں مشغول ہونا عقل سے بعید ہے۔ اور دنیا میں ہمیشہ سے مصیبتوں کی پیشانیاں شکن آلود رہی ہیں جیسے جسمانی کوششیں اس کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور آخرت میں ہر چیز اس کے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وہ گویا ایک خوب تھا اور جو باقی ہے وہ نفسانی خرمشات میں صرف ہو رہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب تک وہ خدا کا مطیع نہ ہوا تو اس سے خدا کا نفع نہ ہوا۔ اور جب تک فرمانبردار نہ ہو تو اس سے اپنا بھی

نہ سکا۔

اور جب تو نے جان لیا کہ یہ نفس تمہارا دشمن ہے اور نقصان دہ ہلاک کن چیزوں پر رغبت دیتا ہے اور تو نے عقلمند اور زمانے پر نظر رکھنے والے علماء کی طرح نفس کے حالت پر غور کیا۔ ان لوگوں کی طرح نہیں کی خاطر تواضع کی جو جاہل ہیں اور صرف زمانہ حال پر ہی نظر رکھتے ہیں۔ جس کے عواقب اور نتائج کو نہیں دیکھتے اور زہد و تقویٰ کی کڑوی دوا سے بھاگتے ہیں۔ تو جب تو نے نفس کو تقویٰ کی راہ پر لانے کی اس طرح کہ فضول چیزوں سے روکا جیسے فضول کلام، ناجائز نظر، حرام سے اسے ان قبیح چیزوں سے روکا جن میں یہ گرفتار رہتے۔ جیسے لمبی امیدیں، جلد بازی، مسلمان کے ساتھ تکبر اور شہوت و حرص کے طور پر کھانا اور صرف وہی چیزیں اسے دیں جو ضروری ہیں۔ جب تو نے اسے پکایا۔ کیونکہ جب انسان زہد و تقویٰ کی زندگی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کی طرح اس انسان کو بھی اپنی رحمت اور اپنے فضل سے اس کے ایمان کو مضبوط چیزوں سے محفوظ کر لیتا ہے۔ جب خدا زہد و تقویٰ اختیار کرنے سے انسان کے کاموں کا خود نگہبان بن جاتا ہے۔ تو متقیوں اور ریاضت والوں میں متقی ہونے کی کیا حاجت ہے۔

بعض معاجین سے قریب سے بیرے لیے تقویٰ آسان ہے۔ کیونکہ جب تجھے کسی چیز کے حرام ہونے میں شک ہوتا ہے تو میں اسے ترک کر دیتا ہوں۔ کیونکہ میرا نفس میرا مطیع ہو چکا ہے۔ اور جو چیز شک میں اسے ڈالے وہ اس کا عادی بن جاتا ہے اور بے شک نفس کی حالت یہی ہے جو ایک عارف نے اس شعر میں بیان کی ہے

فانفس من اعجبته لذة ترسبته

واذا تردی قبیحا تقنعه

(ترجمہ) نفس کو جب تو کسی چیز سے رغبت دے تو رغبت ہو جاتا ہے اور جب قبیح شے پر

کفایت کرنے کا اسے عادی بنا لے تو وہ اسی پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

یہ اور شخص نے کہا ہے:

عادی بن جائے گا۔

ایک شاعر نے یوں کہا ہے ؎

(۱) صبرت عن اللذات حتی تولت ... وذللت نفسی صابرہ فاستمرت

(۲) وما النفس لاجیت بیعجبہ حتی ... فان صعبت ذلت وان ذلت صعبت

ترجمہ: (۱) میں نے لذتوں سے اپنے آپ کو روکا یہاں تک کہ وہ مجھ سے علیحدہ ہو گئیں اور میں نے نفس کو صبر کا عادی بنایا تو وہ اس کا عادی بن گیا۔

(۲) نفس وہی بات اختیار کرتا ہے جس پر انسان اسے رکھے۔ اگر اسے خوب کھلایا جائے تو اس کی شہوتیں بڑھتی ہیں آتی ہیں۔ اور اگر اسے کھانے سے کم دی جائے تو اسی پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

تو جب یہ بات معلوم ہو گئی تو ان کا حال بھی بن گیا جو ہم نے بیان کیا ہے تو بے شک تو زاہدوں میں شامل ہو گیا۔ اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے والے لوگوں میں سے ہو گیا۔

اے عزیز! تو جان لے کہ یہ زاہد کا نفس ہونا درست ہو گیا۔ گویا وہ اپنی صفتوں سے متصف ہو گیا۔ اسی طرح جب تو زاہدوں میں شامل ہو گیا۔ تو تو بھی مخلوق سے کنارہ کشی کرنے والے اور سب سے علیحدہ محبت جوڑنے والے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اور تو بھی ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جن کی صفت ایک عارف نے مندرجہ ذیل اشعار میں کی ہے:

(۱) تنشق عن قوم بدنیا هم ... وقوم عن الدنیا بهم قد تنزهوا

(۲) فمنهم بحب الدار ضنت نفوسهم ... ومنهم بحب الدار جادت وجادوا

(۳) یصونون انفس قد ضنت بهم ... ومنهم بها جادت فجادوا وجادوا

(۴) فصوبی بهم فرقة طوبی بهم ... ذا بغیة کل محب

ترجمہ: (۱) ایک قوم وہ ہے جو دنیوی عیش و عشرت میں مست ہے اور ایک وہ قوم ہے جو سب سے علیحدہ ہو کر صرف اپنے مولیٰ کی ہو گئی ہے۔

(۲) خدا نے اپنے نفس سے نہیں اپنے آستانہ رضا پر جگہ دے دی ہے اور اپنی مخلوق

سے انہیں بے پروا کر دیا ہے۔

(۳) رات کو جاگیں بنائے اپنے مولیٰ کے دربار میں عبادت کی حالت میں کھڑے رہتے ہیں

اور رب تعالیٰ کی نافرمانیت ان کی نگہبانی کرتا ہے

(۴) انہیں اس وقت کی برکت ہو۔ جب ان کا مولیٰ انہیں اپنے نعمت روز سے

نوازے گا۔

تو جب تو عبادت بیان کردہ زہد و تقویٰ کے تمام مقامات پر پوری طرح عمل پیرا ہو جاتا ہے تو

خدا کی رحمتیں تجھ سے ہمکنار ہونے لگتی ہیں اور خدا کے خاص بندوں میں سے ہو جاتا ہے۔ جن کی

صفت میں رب تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ — بیشک میرے خاص بندوں پر تجھے کوئی

تسلط نہیں

اور جب تیرا نام پرہیزگاروں میں نامزد ہو جائے گا تو ان کو سعادت دارین حاصل ہو گی اور

اب تو بہت سے مشکل مقامات سے بھی فضل واصل ہو جائے گا کیونکہ یہ مشکلات اور فتن نفسیات

پاک بندوں کے دامن سے بچے رہتے ہیں۔

اور جب تو ہماری بیان کردہ ہدایت کا عامل ہو گیا تو تجھ پر شیطان کی بھی ارشاد صادق آئے گی

کہ تو تمام راہوں سے آگے نکل کر اپنے اصل مقصود کے قریب ہو گیا۔ اور جب تمام قوتوں کی

واگذاشت شامل حال ہو تو پھر کوئی مشکل مشکل نہیں۔

ہم خدا ہی سے سوال کرتے ہیں وہ بہتر حل مشکلات ہے کہ وہ ہمیں دنیا میں بھی مدد و توفیق

کے قابل بنائے رکھے کیونکہ درحقیقت وہی کافی مدد ہے۔ اور آخرت میں بھی اپنی رحمت سے نواز

طلب کرنی چاہیے کیونکہ وہی سب کچھ عطا کرنے والا ہے اور اسی کے دست قدرت میں ہر چیز ہے اور

وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

اس رسالے کے باب میں جو ضروری امور ہمیں بیان کرنے تھے وہ بیان ہو گئے ——— اگلے

رسالے کا باب نفس امارہ

———

چوتھا باب چوتھی گھاٹی میں

اور یہ گھاٹی "عقبۃ العوارض" کے نام سے موسوم ہے

بسم اللہ سب عبادت اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ ان عوارض سے بچنے اور ان کے راستے بند کرنے کی بات پہلے ہم ضروری ہے تاکہ بات صحیح تعقل سے نہ رکے ——— اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ عوارض چار ہیں۔

اول عارضہ رزق، اور نفس کا رزق کے متعلق مطالبہ:

ان عارضے سے نجات کی یہ صورت ہے کہ تو رزق کے بارے میں خدا تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرے ——— یہ توکل دو وجہ سے لازم اور ضروری ہے:

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ توکل کے بغیر عبادت کے دروازے بند ہو سکتے اور ہم حسن عبادت حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ جو شخص رزق کے بارے میں خدا تعالیٰ پر توکل نہ کرے وہ خدا تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر تمام روز رزق [illegible] یا تو اس ہر ایک جسم سے مشغول ہوگا یا عبادت سے۔

اور ہر ایک بندے کے لیے ان دونوں طرح ——— کہ تمام روز روزی میں مشغول رہے گا اور بدن سے محنت مزدوری کرے کمانے کی کوشش کرے گا ——— جیسے عام لوگوں کا حال ہے۔

اور عبادت کے لیے اس طرح ——— کہ تمام رزق کی تدبیر میں ہو جائے گا۔ طرح طرح کے دھندے کرے گا۔ اور مختلف نوعیتوں کے وسوسے اس کے دل میں آئیں گے ——— جیسے وہ لوگ جو رزق کی تدبیر میں مشغول ہیں۔

اور عبادت کے لیے اس وقت ہو سکتی ہے جب دل اور بدن پوری طرح اس کے لیے فارغ ہوں۔

اور یہ فراغت صرف تین طریقوں سے ہی میسر آ سکتی ہے۔ یہ میں بتاتا ہوں کہ بہت ہی ضعیف اعتقاد

لوگ اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے جب تک انہیں رزق یا کچھ روپیہ پیسہ ہاتھ نہ آجائے۔ وہ بہت ضعیف الاعتقاد لوگ دنیا و آخرت میں اپنے اصل مقصود سے رہ جاتے ہیں۔ میں نے بارہا شیخ ابو محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ آپ فرمایا کرتے تھے:

جہان میں دو شخص ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ ایک باہمت آدمی اور دوسرا متوکل۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ایک جامع فقرہ ہے۔ کیونکہ باہمت شخص اپنی قوت، ہمت اور جرأت کے سبب جس کام کا ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے اور کوئی چیز اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ اور متوکل شخص اس لیے کامیاب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے اور یقین کامل سے معتقد رہتا ہے کہ ہر کام اپنے وقت سے اللہ تعالیٰ ہی پورا کرتا ہے۔ وہ اپنا ارادہ پورا کرنے میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ اور نہ ہی اپنی قوت اور کوشش کے بھروسے اس کے لیے رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

لیکن ضعیف الاعتقاد اور کمزور آدمی ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرنے میں متذبذب رہتا ہے اور ہمیشہ اس کے دماغ میں فتور اور طبیعت میں پریشانی سمائی رہتی ہے۔ وہ بندے ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بندہ نہیں سمجھتا۔ اسی لیے وہ اپنے نفس کی خواہشات کا غلام بنا رہتا ہے۔ اگر کبھی کرنے کا ارادہ بھی کرے تو اس میں ناکام رہتا ہے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ تم دیکھتے نہیں کہ ذرہ ہی بندہ مرتبہ حاصل کرنے والے بھی بڑی پست اور ادنیٰ حالت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی جان، اپنے مال اور اپنے ان ذلیل سے تو جہ ختم کر کے مقصد کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

بندوں کا وہ بادشاہ جو کسی کو اپنے زیر کنٹرول نہیں کر سکتا جس کے لیے جنات جمع کر دیتے ہیں دشمنوں کو کچل دیتا ہے یعنی جو دشمنوں کو ہلاک کر دیتا ہے یہ سب جمع ہو جاتا ہے تب جا کر وہ بادشاہ و بندے زیر کنٹرول حاصل کر سکتا ہے۔

منقول ہے کہ جب تک میرا دوست فتح موصلی اللہ تعالیٰ علیہ سے جنگ نہیں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ علیہ اور اس کے دشمنوں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑے کر کے تماشا دیکھا کرتا تھا۔ یہ سب سے بڑی بڑی شہادت ہے۔

[illegible] خشکی و تری کے [illegible] خوفناک سفر اختیار کرتے ہیں۔ اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق تک لے جاتے ہیں۔ اور دنیا کے [illegible] تعلقات پیدا قائم کرتے ہیں۔ تب جا کر بڑے منافع ہمت ہاں اور بڑی بڑی علمی اور تحقیقی چیزوں کے مالک بنتے ہیں۔

باقی رہے چھوٹے درجے کے تاجر اور دوکاندار، جو دن کے کمزور اور ڈرپوک بچے ہیں۔ وہ اتنی ہمت نہیں کرتے کہ دور دراز کے خطرناک سفر اختیار کریں۔ بلکہ حقیر سے حقیر نفع پر بھی قناعت کر لیتے ہیں۔ جیسے وہ ساری عمر اپنے شہر سے دوچار منزل تک اور دوچار سے زیادہ تک ہی نہیں جاتے ہیں۔ اسی بنا پر وہ بڑے بڑے مرتبے پر نہیں پہنچ سکتے۔ اور نہ ہی وہ بڑے بڑے تاجروں کی طرح کافی سرمایہ حاصل کر سکتے ہیں جیسے آدمیوں کو شمار کر کر کے ہی نفع ہوتا ہے کافی ہوتے ہیں یہ لوگ اتنے قلیل نفع پر بھی خوش ہو جاتے ہیں کہ ان کی ہمت اور وسعت نظر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تاجر اور اہل دنیا کا حال ہے۔ لیکن وہ مقدس لوگ جو آخرت کی تجارت چاہتے ہیں ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے سوا دوسری چیزوں سے ہٹا لیتا ہے۔

جب یہ لوگ توکل کی دولت کا خزانہ اپنے اندر حاصل کر لیتے ہیں اور اس پر مضبوطی سے جم جاتے ہیں تو وہ دنیا کی عبادت میں ہر چیز سے فارغ ہو کر مشغول ہو جاتے ہیں۔ فرق سے کہ وہ کشتی تو بنا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن وہ تجارت میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور خطرناک گھاٹیوں میں زندگی بسر کرنا ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے تو ایسے لوگ سب سے طاقتور اور بامہمت ہو جاتے ہیں اور آخرت کی تجارت میں اللہ کے بندے یہ ہی توکل اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں سے ہٹا لینا ہے۔

جب یہ لوگ توکل کی دولت کا خزانہ اپنے اندر حاصل کر لیتے ہیں اور اس پر مضبوطی سے جم جاتے ہیں تو وہ دنیا کی عبادت میں ہر چیز سے فارغ ہو کر مشغول ہو جاتے ہیں۔ فرق سے کہ وہ کشتی تو بنا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن وہ تجارت میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور خطرناک گھاٹیوں میں زندگی بسر کرنا ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے تو ایسے لوگ سب سے طاقتور اور بامہمت ہو جاتے ہیں اور آخرت کی تجارت میں اللہ کے بندے یہ ہی توکل اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں سے ہٹا لینا ہے۔

جب یہ لوگ توکل کی دولت کا خزانہ اپنے اندر حاصل کر لیتے ہیں اور اس پر مضبوطی سے جم جاتے ہیں تو وہ دنیا کی عبادت میں ہر چیز سے فارغ ہو کر مشغول ہو جاتے ہیں۔ فرق سے کہ وہ کشتی تو بنا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن وہ تجارت میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور خطرناک گھاٹیوں میں زندگی بسر کرنا ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے تو ایسے لوگ سب سے طاقتور اور بامہمت ہو جاتے ہیں اور آخرت کی تجارت میں اللہ کے بندے یہ ہی توکل اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں سے ہٹا لینا ہے۔

جب یہ لوگ توکل کی دولت کا خزانہ اپنے اندر حاصل کر لیتے ہیں اور اس پر مضبوطی سے جم جاتے ہیں تو وہ دنیا کی عبادت میں ہر چیز سے فارغ ہو کر مشغول ہو جاتے ہیں۔ فرق سے کہ وہ کشتی تو بنا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن وہ تجارت میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور خطرناک گھاٹیوں میں زندگی بسر کرنا ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے تو ایسے لوگ سب سے طاقتور اور بامہمت ہو جاتے ہیں اور آخرت کی تجارت میں اللہ کے بندے یہ ہی توکل اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں سے ہٹا لینا ہے۔

جب یہ لوگ توکل کی دولت کا خزانہ اپنے اندر حاصل کر لیتے ہیں اور اس پر مضبوطی سے جم جاتے ہیں تو وہ دنیا کی عبادت میں ہر چیز سے فارغ ہو کر مشغول ہو جاتے ہیں۔ فرق سے کہ وہ کشتی تو بنا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن وہ تجارت میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور خطرناک گھاٹیوں میں زندگی بسر کرنا ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے تو ایسے لوگ سب سے طاقتور اور بامہمت ہو جاتے ہیں اور آخرت کی تجارت میں اللہ کے بندے یہ ہی توکل اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں سے ہٹا لینا ہے۔

جب یہ لوگ توکل کی دولت کا خزانہ اپنے اندر حاصل کر لیتے ہیں اور اس پر مضبوطی سے جم جاتے ہیں تو وہ دنیا کی عبادت میں ہر چیز سے فارغ ہو کر مشغول ہو جاتے ہیں۔ فرق سے کہ وہ کشتی تو بنا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن وہ تجارت میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور خطرناک گھاٹیوں میں زندگی بسر کرنا ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے تو ایسے لوگ سب سے طاقتور اور بامہمت ہو جاتے ہیں اور آخرت کی تجارت میں اللہ کے بندے یہ ہی توکل اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں سے ہٹا لینا ہے۔

جب یہ لوگ توکل کی دولت کا خزانہ اپنے اندر حاصل کر لیتے ہیں اور اس پر مضبوطی سے جم جاتے ہیں تو وہ دنیا کی عبادت میں ہر چیز سے فارغ ہو کر مشغول ہو جاتے ہیں۔ فرق سے کہ وہ کشتی تو بنا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن وہ تجارت میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور خطرناک گھاٹیوں میں زندگی بسر کرنا ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے تو ایسے لوگ سب سے طاقتور اور بامہمت ہو جاتے ہیں اور آخرت کی تجارت میں اللہ کے بندے یہ ہی توکل اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں سے ہٹا لینا ہے۔

یکون اکرم النفس فیتقی اللہ ۔ ہمت تو جب سے تو ہے پاک تقوی ہے

ویمسی ویصبح ان یکون غنی النفس ۔ رہے اور تو ہے کہ سب دولت ہے

فیکرم بہا فی اللہ اولیاء اللہ ۔ دولت تو ہے کہ جس سے بن جائے

بما فی ید اللہ ۔ سے زیادہ اس شخص پر جو محتاج ہے

تا رہتے ہیں ۔

حضرت سلیمان خواص نے فرمایا کہ جو کوئی شخص صدق نیت سے شب بھر نوافل پڑھتا کرے تو ملائکہ اور خیر اس کے محتاج ہو جائیں گے اور دنیا اس کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ اس کا مالک تو زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک ہے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے بیابان میں ایک خوبصورت نوجوان غلام دیکھا۔ تو میں نے اسے کہا اے غلام! تو کہاں جا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے میرے مالک نے بغیر سفر خرچ اور بغیر سواری کے بھیجا ہے۔ تو میں نے کہا تجھے یقین و وثوق ہے کہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کی مخلوق میں سے کوئی تجھے بغیر زاد راہ اور بغیر سواری کے پہنچا دے گا؟ حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ جب کہ میں نے یہ بات کہی تو زمین و آسمان کی مخلوق میں سے ہر ایک طواف کر رہا تھا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

یفنی سیدی ابدا ۔ ولا یخشی احدا

یجیب الملتجا ۔ لیس معبود سواہ

(ترجمہ) اے میری جان، ہمیشہ یہ وسیع ہے اور اللہ کے سوا کسی کو اپنا دوست نہ بنا

اور اے نفس! تو آخرت میں اپنی جان دے۔

جب میں نے اسے دیکھا تو اس کے ساتھ ہو لیا۔ تو اس نے مجھ سے فرمایا

حضرت ابو علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلیمان خواص سے پوچھا کہ آپ کی بہت سی باتیں ہیں جن کے ذریعہ آپ توکل پر پہنچے ہیں۔ آپ کی کون سی بات ہے جو سب سے زیادہ قوی ہے؟ تو حضرت سلیمان خواص نے جواب دیا:

پہلی یہ کہ جس پر یقین ہے کہ دنیا و آخرت خدا کی ملک ہیں۔

دوسری یہ کہ تمام مخلوق خدا کی عیال اور فرماں بردار ہے۔

تیسری یہ کہ رزق اور رزق کے تمام اسباب خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔

چوتھی یہ کہ خدا کی مشیت اور دنیا میں نافذ ہے۔

ایک شاعر نے بہت پتے کی کہا ہے:

[illegible] قد یبسط عن المرء من راحۃ

[illegible] موث الارض سبعۃ امتاحۃ

تشریح: اس میں دیکھتا ہوں کہ زمانہ ایک آدمی پر مہربان ہے۔ ان کا دل دنیا کی طرف سے بند ہے

ہاتھ پیچھے ہیں۔

۲۱ اجنبی میں نہیں دیکھتا ہوں تو بیان ایسی قوم کو دیکھتا ہوں جو زمین کی بادشاہ ہے

اس کی نشانی حکومت ہے۔

توکل کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے ترک کرنے میں بڑا خطرہ اور بہت نقصان ہے۔ اس

متابوں کیا خدا تعالیٰ نے پیدائش انسان کے ساتھ نفس اس کے رزق کا ذکر نہیں کیا؟ یعنی کیا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

[illegible] فرمائے تم میں یہ تین رزق دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح وہ خالق ہے رازق بھی ہے۔ پھر اس کی قدرت کاملہ نے

[illegible] پر رزق کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

[illegible] بے شک اللہ ہی ہے بڑا رزق دینے

پھر صرف اس وعدے پر کفایت نہ کیا بلکہ صاف صاف پر رزق کا ذمہ اپنے پر لیا اور فرمایا:

[illegible] زمین پر چلنے والی جاندار نہیں مگر اس کا رزق خدا

[illegible] تعالیٰ کے ذمے ہے

پھر صرف زمین کا تذکرہ نہیں بلکہ اس پر قسم بھی کھائی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

[illegible] تو آسمان و زمین کے رب کی قسم بیشک یہ

لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝ — حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔

پھر صرف قسم پر اکتفاء نہ کیا بلکہ نہایت واضح الفاظ میں توکل کا حکم دیا اور توکل کرنے کی تنبیہ فرمائی چنانچہ فرمایا:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ — اور توکل کرو اس ہمیشہ زندہ پر جسے موت نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ — اور خدا ہی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو۔

تو جو شخص خدا کے قول پر اعتبار نہ کرے، اس کے وعدے کو کافی نہ سمجھے اور اس کے ذمہ لینے پر مطمئن نہ ہو، پھر اس کے وعدے، وعید اور حکم کی کوئی پرواہ نہ کرے۔ تو ایسے شخص کے متعلق دو برے ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اور ایسا شخص جن معاشی پریشانیوں میں گرفتار ہوتا ہے وہ کس سے پوشیدہ ہیں۔ یہ ایک بہت سخت بات ہے جس سے عام دنیا غافل ہے۔ ایک دفعہ سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا:

كيف انت اذا لقيت بين قوم يخبئون رزق سنتهم لضعف اليقين۔ — اے ابن عمر! اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو ایسی قوم میں ہوگا جو ضعف یقین کے باعث قوت کے خوف سے رزق کا ذخیرہ بنائے گی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ لعنت ہو اس قوم پر جسے خدا کی قسموں پر یقین نہ آیا۔ جب آیت فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ نازل ہوئی تو ملائکہ نے کہا ہلاکت ہو بنی آدم کے لیے کہ اس نے رب کو غصے کیا یہاں تک کہ اس نے رزق دینے پر قسم کھائی۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

يا عجبا لمن عبد الله كيف يشك في السموات والارض لا يقبل منك حتى تصدق انه قيل وكيف تصدق. قال تكون ممن يعلم ان الله رزقك من حيث رزقك

اے عجب کرنے والے کہ کیونکر وہ شک کرے آسمان و زمین میں جب تک تو اس کی تصدیق نہ کرے کسی نے کہا کیونکر تصدیق کرے فرمایا تو ہو جائے ان میں سے جو جانتے ہیں کہ اللہ نے تجھے رزق دیا جس سے رزق دیا

[illegible] مطمئن تو ہوتے اور جسم کو اس کی بندگی کے لیے

فارغ رہتے۔

جب سہل بن عبداللہ کی ملاقات حضرت ذوالنون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تو حضرت سہل نے پوچھا: میں کہاں قیام اختیار کروں؟ تو آپ نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ فرمایا۔ تو حضرت سہل نے کہا: شام میں تو بڑی قلت ہوگی؟ تو آپ نے جواب دیا: افسوس ہے اس پر جو شک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اب تمہیں کوئی نصیحت فائدہ نہیں دیتی۔

منقول ہے کہ ایک کفن چور نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ حضرت بایزید نے قبر کے متعلق اس سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا: میں نے تقریباً ستر قبروں سے کفن چرائے لیکن سوائے دو قبروں کے باقی تمام سے مجھے نرقبہ کی جانب سے پتھر ہٹے ہوئے ملے۔ تو آپ نے فرمایا: ان لوگوں کو رزق کے بارے میں خدا پر توکل نہیں تھا۔ اس لیے قبریں ان کے چہرے قبلہ سے پھیرے ہوئے تھے۔

بیرے ایک دوست نے مجھ سے ذکر کیا کہ میری ایک نیک آدمی سے ملاقات ہوئی تو میں نے پوچھا کہ اللہ نے اس سے کیا سلوک کیا؟ تو اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میرے ان گناہوں کو معاف فرما دیا ہے جن کا مجھے علم تھا اور ان گناہوں کو بھی معاف فرما دیا ہے جن کا مجھے علم نہیں تھا۔ اور ہمارے بارے میں یہ گمان نہیں کرتے کہ ہم اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ بلکہ ہمارے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں جو ان کی رحمت اور شان کے لائق ہے۔ وہ سب سے بڑھ کر رحم و کرم کرنے والے ہیں۔

سوال:

ارشاد کیا کہ توکل کی حقیقت اور اس کا حکم کیا ہے اور رزق کے بارے میں کس حد تک توکل ہونا ضروری ہے؟

جواب:

تو اس سوال کا جواب سمجھنے کے لیے چار چیزوں کا سمجھنا ضروری ہے:

اوّل لفظ توکل کے معنی۔ دوم توکل کے مقام۔ سوم توکل کی تعریف۔ چہارم توکل پیدا ہونے کے اسباب و ذرائع۔

لفظ توکل تَفَعُّلٌ کے وزن پر مصدر ہے جس کا مادہ وَکَالَۃٌ ہے۔ توکل اسے کہتے ہیں جو کسی دوسرے کو بمنزل وکیل کے تصور کرے جو اس کی طرف سے اس کے کام کاج کو سرانجام دے اور جو اس کے معاملات کی درستی کا ضامن ہو اور جو بغیر تکلف اور بغیر اہتمام اس کی مشقات کے لیے کافی ہو۔

اس لفظ کا استعمال تین مقام پر کیا جاتا ہے۔ ایک تو قسمت پر توکل کرنے کے معنی میں کہ خدا تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اطمینان کیا جائے۔ کیونکہ اس میں کسی تبدیلی نہیں ہو سکتا۔ اور شرع کی طرف سے یہ اطمینان لازم اور ضروری ہے۔

اس لفظ کے استعمال کا دوسرا مقام نصرت ہے۔ نصرت امداد میں توکل کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی امداد پر اعتماد اور یقین کیا جائے۔ کیونکہ جب تم اس کے دین کی مدد اور اس کی اشاعت میں کوشش کرو گے تو وہ بھی ضرور تمہاری امداد کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ — جب تو کوئی کام کرنے کا ارادہ کرے تو خدا پر بھروسہ کر۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ۔ — اگر خدا تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ — اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارا حق ہے

توکل کے سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق اس پر توکل و بھروسہ کرنا چاہیے۔

اور تیسرا مقام جہاں توکل کرنا چاہیے وہ رزق اور روزی کا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اس چیز کا ضامن اور کفیل ہے جس سے تمہارا جسم قائم رہتا ہے اور جس کے ذریعہ تم اس کی عبادت پر قادر رہتے ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ — اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لو توکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا۔

اگر تم اللہ پر حق توکل کرتے تو وہ تمہیں پرندوں کی طرح رزق دیتا جو صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے واپس آتے ہیں۔

اور رزق کے سلسلے میں عقل و فہم خدا پر توکل کرنا لازم ہے۔ اور رزق کے سلسلے میں ہی خدا پر توکل کرنا صوفیاء کے نزدیک عام طور پر صرف توکل سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کتاب میں اسی توکل کی بحث مقصود ہے لیکن رزق کے بارے میں خدا پر توکل کرنے کے مفہوم کی اس وقت وضاحت ہوگی جب رزق کے تمام قسموں پر بحث کیے جائیں گے۔

تو جان لے کہ رزق چار قسم ہے:

رزق مضمون - رزق مقسوم - رزق ممنوع - رزق موعود

رزق مضمون سے مراد وہ خدا داد چیزیں ہیں جن سے انسان کا بدن قائم رہتا ہے تمام جانور دنیا کی تمام چیزیں۔ اور یہ توکل نظر و تفکر واجب ہے۔ کیونکہ جب خدا نے ہمیں اس کی خدمت و عبادت کا مکلف بنایا تو وہ ہمارے لیے ان چیزوں کا کفیل و ضامن ہوگا جن کے ذریعہ ہمارے بدن قائم رہتے ہیں اور ہم اس کی عبادت کر سکیں۔ اور بعض مشائخ کرام نے اپنے مسلک کے مطابق اس توکل کے متعلق اپنی گفتگو کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ کا بندوں کے رزق کا ضامن ہونا تین وجہ سے ضروری ہے:

ایک اس لیے کہ ہم اس کے غلام ہیں اور وہ ہمارا آقا و مالک ہے۔ تو جس طرح غلاموں پر آقا کی خدمت واجب ہے اسی طرح آقا پر لازم ہے کہ غلاموں کے رزق اور ان کی دیگر ضروری حاجات کا کفیل ہو۔

دوسرے اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے بندوں کو رزق کا محتاج پیدا کیا ہے لیکن نہیں تو رزق رزق کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں بتایا۔ کیونکہ بندے نہیں جانتے کہ ان کا رزق کون سی شے ہے اور کہاں ہے اور کب پہنچے گا۔ اس لیے رب تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ ان کے رزق کا کفیل ہو اور ان کے لیے رزق

مہیا کرے۔

تیسرے اس لیے کہ خدا نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی عبادت و طاعت میں مشغول رہیں۔ تو اگر وہ تلاشِ رزق میں سرگرداں رہیں تو وہ اس کی عبادت کے واسطے فارغ نہیں ہو سکتے۔ اس وجہ سے بھی چاہیے کہ رب تعالیٰ ان کے رزق کا کفیل بنے تاکہ فراغت سے وہ اس کی عبادت بجا لا سکیں۔

لیکن کرامیہ کا یہ مسلک درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ کہنا کہ بندوں کو رزق دینا خدا پر واجب ہے غلط ہے۔ اور ایسی گفتگو اسرار ربوبیت سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے اور ہم نے سورۂ کہف میں ایسے مذہب کی نہایت مدلل طریقہ سے تردید کر دی ہے۔

ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ رزق چار قسم ہے اول رزق مضمون ... اس کی تفصیل تم سن چکے ہو۔

قسم دوم رزق مقسوم ہے۔ اس سے مراد وہ رزق ہے جو خدا نے بندے کی قسمت کر دیا ہے۔ اور لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہوا ہے کہ بندہ یہ کھائے گا، یہ پیئے گا، یہ پہنے گا۔ اس رزق مقسوم کی مقدار اور اس کا وقت معین ہے۔ اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ اس میں تقدیم و تاخیر ہو سکتی ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الرزق مقسوم مفروغ منہ	رزق تو اس سے تقسیم کر دیا گیا ہے اور فراغت
فبعض تفوق تقی بزائد ولا فجر	ہو چکی ہے کسی کا تقویٰ رزق میں زیادتی نہیں
فجر بناقصہ۔	کرتا اور نہ کسی کا فسق و فجور رزق میں کمی
	کرتا ہے۔

تیسری قسم رزق مملوک ہے۔ اس سے مراد وہ رزق ہے جو مالک و سبب ہے جس کا بندہ شخص دنیا میں مالک ہوتا ہے اور جو اس کے قبضے میں ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں یہی رزق مراد ہے۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ	اور اس رزق سے خرچ کرو جو ہم نے
	تمہیں دیا ہے۔

اس آیت میں لفظ مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ کے معنی میں مِمَّا مَلَّكْنٰكُمْ یعنی جس کا ہم نے تمہیں مالک بنایا ہے۔

چوتھی قسم رزق موعود ہے۔ اس سے مراد وہ رزق حلال ہے جس کا خدا تعالیٰ نے پرہیزگار لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں بغیر محنت و مشقت کے دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۔ جو شخص خدا سے ڈرتا ہے وہ پرہیزگاری نکالتا ہے۔

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔ اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں اس بندے کا گمان تک نہیں ہوتا۔

یہ ہیں رزق کی چار قسمیں۔ ان میں سے تین قسموں میں توکل واجب ہے۔

توکّل کی تعریف:

توکل کی تعریف میں مشائخ طریقت کا اختلاف ہے۔ عام مشائخ تو کہتے ہیں کہ صرف خدا پر بھروسہ کرنے اور مخلوق سے ہر قسم کی امیدیں منقطع کرنے کا نام توکل ہے۔ اور بعض مشائخ کہتے ہیں کہ غیر سے تعلق منقطع کر کے دل کو صرف خدا کی حفاظت میں دینے کا نام توکل ہے۔

اور امام ابوالقاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا کے سوا ہر شے سے ترک تعلق کا نام توکل ہے اور ترک تعلق سے امام موصوف یہ مراد لیتے ہیں کہ بندہ اپنے بدن کے قوت اور تنگی و تکلیف کا خدا کے سوا کسی سے ذکر تک نہ کرے۔

اور شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اپنی ہر تنگی و ضعیفی کا ذکر صرف خدا سے کرنے کا نام توکل ہے۔ اور مخلوق سے تنگی و تکلیف کا ذکر کرنا غیر سے تعلق رکھنا ہے۔

میرے نزدیک مشائخ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ توکل اس کا نام ہے کہ بندے کو اس امر کا یقین ہو جائے اور اس کا دل اس پر مضبوطی سے قائم ہو جائے کہ میرے جسم اور اس کے بقا کو باقی رکھنا، میری حاجات کو پورا کرنا اور ہر تنگی و ضعیفی سے بچانا صرف خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں۔ اور نہ ہی اسباب و وسائل دنیا کے سبب سے ہے۔ خدا گر چاہے تو میرے جسم کی بقا اور دیگر

حاجات کے لیے کسی مخلوق کو وسیلہ بنا دیتا ہے یا دنیا کی کسی چیز کو ذریعہ بنا دیتا ہے۔ اور جو بغیر ظاہری اسباب دنیا اور بغیر کسی مخلوق کے سہارے کے تجھے زندہ رکھ سکتا ہے۔ وہ اسباب کا محتاج نہیں۔

جب تیرا اعتقاد توکل کے اس مفہوم پر ہو جائے اور تیرا دل اس عقیدے پر مطمئن ہو جائے۔ اور تیرا دل مخلوق اور اسباب دنیا سے بے نیاز ہو جائے تو سمجھ لے کہ تجھے توکل حاصل ہو گئی۔ اور تو متوکلین میں شامل ہو گیا۔

توکل پیدا کرنے کا طریقہ:

توکل اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ بندہ رزق اور دیگر ضروریات کے متعلق خدا تعالیٰ کے ضامن اور کفیل ہونے کا تصور رکھے اور خدا کے کارساز ہونے کی کامل قدرت کا تصور کرے اور اس بات پر یقین رکھے کہ خدا تعالیٰ خلاف وعدہ بھول عجز اور ہر نقص سے منزہ اور پاک ہے۔ جب ہمیشہ ایسا تصور ذہن میں رکھے گا تو فوراً سے رزق کے بارے میں رب تعالیٰ پر توکل کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔

سوال:

کیا بندے پر تلاش رزق لازم ہے یا نہیں؟

جواب:

رزق مضمون کی تلاش بندہ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس سے وہ ہے جس کی ربوبیت اور کارسازی کو ثابت نما دینا اور یہ خدا کا فعل ہے جس کی موت اور زندگی کا عطا کرنا رب تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کا فعال پیدا کرنا نہیں ہے جو خدا کی صفت ہیں۔

اور رزق مقسوم کی تلاش بھی انسان کو روا نہیں۔ کیونکہ رزق مضمون کا تخلیق ہے اور رزق مضمون عامل ضامن اور کفیل خدا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے یہ ہے فرمایا ہے:

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

تو اس سے مراد تلاش رزق نہیں بلکہ طلب علم اور طلب ثواب دین ہے۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ رزق مضمون

اسباب سے متعلق ہے۔ تو کیا سبب کی تحقیق بھی لازم ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سبب کی تحقیق بھی لازم نہیں، کیونکہ خدا تعالیٰ جب رزق مقدر کرتا ہے تو سبب کے ساتھ یا بغیر سبب کے دے سکتا ہے تو تحقیق سبب کی کیا حاجت ہے؟ پھر خدا تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے کہ ہم رزق کے ضامن ہیں۔ یہ قید نہیں لگائی کہ ہم رزق کے ضامن ہیں اور اس کے سبب فراہم کرنا بندوں کے ذمہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا — اور زمین پر کوئی چلنے والا نہیں مگر اس پر اللہ کا رزق ہے۔

یہ انسان وہ شے ہے جو رزق بھی کیسے کرسکتا ہے جس کی جگہ کا اسے پتہ نہ ہو۔ پھر جو یقین سے انسان کو یہ علم نہیں کہ کس ذریعہ سے رزق حاصل ہوگا یہ شے تیری غذا ہے اور اس سے تیری نشوونما ہے کوئی ذریعہ یہ تیرا رزق یقینی اس ذریعہ سے حاصل ہوگا

اس سلسلے میں تیسرے اطمینان کے لیے یہ بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور دنیا کے عظیم رزق کے معاملے میں فکر پیدا نہ کرتے تھے۔ اور جب کبھی رزق کی تلاش کرتے تھے۔ بلکہ اپنے بدن کو خدا کی عبادت کے لیے فارغ رکھتے تھے۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء نے تلاش رزق ترک کر کے خدا تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کی۔ اور نہ کسی نے کبھی خدا کی عبادت ترک کی۔ تو اس بیان سے واضح ہوا کہ رزق کے لیے اسباب رزق کی تلاش کرنی ضروری نہیں۔

سوال:

تلاش سے رزق زیادہ اور تلاش نہ کرنے سے رزق کم ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:

اول تو تقدیر میں رزق کی مقدار اور اس کا وقت معین ہو چکا ہے۔ اور تقدیر کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی تقسیم میں کوئی تغیر ہو سکتا ہے۔ اور یہی علماء اہل سنت کے نزدیک صحیح ہے اور اشاعرہ اور تحقیق کے پیرو اور اس کے خلاف ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ رزق تو تلاش و عدم تلاش سے زیادہ نہیں ہو سکتا لیکن تلاش سے رزق میں برکت ہو سکتی ہے۔ اور یہ فی الحدیث ہے جس طرح تلاش سے رزق زیادہ نہیں ہو سکتی اسی طرح عدم تلاش سے بھی کم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ دونوں کی دلیل یکساں ہے۔ خدا

تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا	تاکہ جو (نقصان) تمہیں پہنچا ہے اس پر غم نہ کرو اور جو
تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ	(مال) تمہارے قبضہ میں آیا ہے اس پر خوش نہ ہو۔

اگر تمہارے رزق میں زیادتی ہوتی رہے تو اس سے کبھی تو ابتدائی یا خوشی کا احساس ہوتا ہے جیسے کہ سستی اور ارزانی سے جب کوئی شے ضائع ہو جائے تو اس پر انسان غمناک ہوتا ہے۔ اور رزق کی تنگی و کمیابی ہونے سے جب کوئی شے حاصل ہو تو اس پر انسان کو فرحت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سوال کرنے پر فرمایا:

هَلْ كَانَ لَهُ نَحْنُ تَرْزُقُهُ	کیا تو اسے روزی دیتا تھا یا اللہ تعالیٰ
أَمِ اللَّهُ	جیسے اللہ دیتا ہے وہ اسے دیتا تھا۔

سوال:

توب اور عذاب ہی تو روح تفویض میں کہا ہوا ہے۔ پھر بھی ہمیں حکم ہے کہ جب توب کرے اور جو اشیاء عذاب کا باعث بنتی ہیں ان سے اجتناب کیا جائے۔ تو کیا جب سے توب نہ ہو سکتا ہے۔ یا عذاب کا موجب بننے والی اشیاء سے اجتناب کرنا عذاب ہی کی نا باعث بن سکتا ہے

جواب:

جان لے کہ خدا تعالیٰ نے جب توب کا حکم قدمی اور واضح طور پر ہمیں دیا ہے۔ اور اس کے نہ کرنے پر عذاب کا ڈر سنایا ہے۔ اور خدا نے یہ ذمہ نہیں لیا کہ بندہ نیک عمل نہ کرے تب بھی وہ اسے چھ جزا دے گا۔ اس لیے عذاب و توب کی زیادتی بندے کے فعل پر مبنی ہے اور رزق و توب عذاب میں فرق ہے جو بعض علماء نے بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ رزق اور موت کے متعلق روح مقدس نے بغیر کسی شرط و تعلیق کے ایک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے۔ تم نے قرآن مجید میں دیکھا نہیں ہے کہ خدا نے کس طرح موت کے متعلق غیر مشروط طور پر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا	زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق
عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا	خدا نے ذمہ کرم پر ہے۔

اور موت کے متعلق فرمایا:

وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَسْتَكْمِلُ رِزْقَهُ — جب موت و وقت آتا ہے تو ایک ساعت

حَتَّى تَأْتِيَهُ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ لَا يَسْتَكْمِلُ سَاعَةً — سے پہلے نہیں آتی

اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

أَرْبَعٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُنَّ: خَلْقُهُ — یہ چار باتیں ہیں جن سے فارغ ہو چکا ہے اللہ

وَخُلُقُهُ وَرِزْقُهُ وَأَجَلُهُ — کہ وہ پیدا کرتا ہے اس کی عادت اور

اس کا رزق اور اس کی موت اور اس کے رزق سے

اور عذاب و ثواب کی تحریر ہر شخص کی بندے کے فعل کے ساتھ تعلق و نسبت ہے جس کو وہ کرتا ہے یعنی کرنے والا کرتے کا ثواب پائے گا اور گناہ کرنے کا عذاب کا مستحق ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں مذکور ہے:

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ — اور ثواب ہر شخص کو اتنا ہی ملے گا جتنا وہ نیک

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ — عمل کرے گا اور کسی پر ظلم و زیادتی نہیں

وَأُدْخِلَتِ الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ — جنت میں داخل ہونا تمہارے نیک اعمال کی وجہ سے

سوال:

ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ رزق کی تلاش اور سعی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو رزق اور مال و فراوانی عطا فرماتا ہے اور جو تلاش اور سعی نہیں کرتے وہ مفلس اور محتاج ہوتے ہیں۔

جواب:

ایسا نہیں بلکہ دیکھا گیا ہے کہ بعض تلاش اور سعی کرنے والے رزق سے محروم ہوتے ہیں اور بعض تلاش نہ کرنے والے دولت مند اور نعمت مند ہوتے ہیں۔ ہاں کثرت یہ ہے کہ سعی کرنے والے فقیر و تلاش نہیں ہوتے۔ اور سعی نہ کرنے والے کثر بیشتر غنی ہوتے ہیں یہ اس لیے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ عزت و ذلت دینا خدا کی تدبیر و تقدیر ہی طرح جاری ہے۔ ابو بکر محمد بن سابق صغانی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے ؎

(۱) لَمْ يَنَلْ مَا نَالَ فِي تَقَلُّبِهِ — مِثْلُ مَا نَالَ حَتْفُ رِزْقٍ حَتُوفٍ

(۲) كَمْ خَبِيثٍ خَفِيفٍ فِي نَقِيبَةٍ — كَانَ مِنْ خَيْبَةِ الْخَبِيثِ خَفُوفٍ

(۳) هٰذا دليل على ان لا اله له فی اخلاق سر خفی لیس ینکشف

ترجمہ: (۱) بہت سے قوی لوگ جو تدبیر میں بہت ہوشیار و چالاک ہوتے ہیں رزق سے محروم ہوتے ہیں۔

(۲) اور بہت سے ضعیف البدن تدبیر میں نکمے دنیا ان کے پاس اس حالت میں آتی ہے جیسے وہ سمندر کی تہ سے دونوں ہاتھوں سے میرے درجہ ہا ت نکال رہے ہیں۔

(۳) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رزق کے بارے میں مخلوق کے ساتھ خدا کے تعلق کا ایک خفی تعلق ہے جسے سمجھنے سے انسانی دماغ قاصر ہے۔

سوال:

کیا کسی صحرا میں بغیر زادِ راہ کے داخل ہونا درست ہے؟ اور بغیر کسی سازوسامان کے سفر کرنے کا ارادہ ٹھیک ہے؟

جواب:

جان لے کہ اگر تیرا دل توکّل میں محکم ہو اور تجھے خدا کے وعدے پر مکمل یقین ہو تو تیرے لیے بے زادِ راہ صحرا نوردی درست ہے۔ ورنہ عوام کی طرح تو بھی زادِ راہ لے کر چل۔

اور میں نے امام ابو معالی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس دستور سے پیش آئے جو اس کا لوگوں کے ساتھ تعلقات، تو خدا بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آتا ہے جس طرح لوگ اس سے پیش آتے ہیں۔ آپ کا یہ ارشاد بہت درست ہے اور غور کرنے والے کو اس سے بہت فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔

سوال:

تمہارا یہ کہنا کہ بغیر زادِ راہ محض توکل خدا پر سفر اختیار کرنا درست ہے ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حکم دیا ہے:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔ اور زادِ راہ ساتھ لو کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔

جواب:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ زادِ راہ سے مراد زادِ آخرت ہے۔ کیونکہ

فرمایا خیر زادِ التقویٰ ۔ نہ کہ زیادہ اسباب اور معمولی سفر خرچ وغیرہ ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جب جنگل لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں حج کو آتے تھے تو بہت سفر خرچ ساتھ نہ لاتے تھے ۔ رستے میں لوگوں سے مانگتے تھے اور اپنی محتاجی کا شکوہ شکایت کرتے تھے ۔ لوگوں کو تنگ کرتے تھے اور صبر کے ساتھ نہ رہتے تھے ۔ تو ایسے لوگوں کو حکم دیا گیا کہ زادِ راہ سے حج کو جائیں ۔ اور نہیں تنبیہ کی گئی کہ خود کمائے ہوئے مال کے ساتھ حج کرنا ہی اصل حج ہے ۔ لوگوں کے سہارے پر رہتے ہوئے حج نہ کرو اور راستے میں ہر ایک سے حج کا ذکر کرتے پھرو ۔ اور یہ ہیں ذلت و خواری کے ساتھ حج کرنا بے فائدہ ہے ۔

سوال :

ایک متوکل شخص بھی سفر میں زادِ راہ لے سکتا ہے ؟

جواب :

بسا اوقات متوکل شخص بھی زادِ راہ ہمراہ لے کر روانہ ہوتا ہے لیکن اس کا دل اس بات پر مطمئن نہیں ہوتا کہ میں یہ رزق سے دور سفر میں بھی پریشان ہو رہا ہے بلکہ اس کا دل خدا کے ساتھ مطمئن ہوتا ہے اور اس کا بھروسہ خدا پر ہوتا ہے اور وہ دل میں کہہ رہا ہوتا ہے کہ یہ رزق روزی سے یہ سے سفر میں کھا جاؤں گا ۔ اور فرشتے یہ سے سفر کا رزق لکھ کر فارغ ہو چکے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اراد ہے تو اس رزق کے ذریعہ میرے بدن کو قائم رکھے یا سفر میں کوئی اور ذریعہ پیدا کر دے ۔

اور بسا اوقات متوکل شخص بے زادِ راہ اس نیت سے بھی سفر کرتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی اعانت کرتے گا یا کسی اور ذریعے کو فائدہ پہنچائے گا ۔

لیکن درحقیقت زادِ راہ لے کر چلنے میں اس چیز کی حکمت ہے ۔ تیرے دل میں یہ بات ہوتی چاہیئے کہ اللہ نے ہر حال میں مجھے رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ یہ کفیل و ضامن ہے اس لیے ان لوگوں جیسے مرتبے میں ہو جو خرچ لے کر چلتے ہیں اگرچہ کا توکل مکمل طور پر خدا پر ہوتا ہے تاکہ آخرت پر ۔ درجہ سے خرچ لے کر تو نہیں چلتے لیکن ان کا دل ہی میں کہ رہا ہوتا ہے خدا پر نہیں اور اللہ نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اصل بات دل کی ہے ——— اس لیے کوشش کرنی چاہیئے

سوال:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام اور سلف صالحین ہمیشہ زادِ راہ لے کر سفر کرتے تھے۔ تم کیسے کہتے ہو کہ زادِ راہ کی ضرورت نہیں؟

جواب:

ہم نے کب کہا ہے کہ سفر میں توشہ وری سامان خورد و نوش لے کر چلنا حرام ہے۔ بلکہ حرام یہ ہے کہ مسافر اس حقیقی سامان کو ہی اپنا سہارا سمجھے اور خدا تعالیٰ پر توکل نہ کرے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ خدا نے قرآن مجید میں آپ کو حکم دیا:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ۔ اے حبیب تو بھروسہ کر اس پر جو زندہ ہے۔

کیا آپ جو کبھی نابینا یا نابینا یا درہم یا دینار ساتھ لے کر سفر نہیں کرتے تھے تو اپنے خدا کے اس مذکورہ حکم کی نافرمانی کی؟ حاشا وکلا۔ آپ سے قطعاً نافرمانی صادر نہیں ہوئی بلکہ درہم و دینار کے ہوتے ہوئے بھی یقیناً آپ کا دل خدا کے ساتھ تھا اور یقیناً آپ کا توکل خدا پر ہی تھا جیسا کہ اس نے آپ کو حکم دیا تھا کیونکہ آپ ہی وہ برگزیدہ ذات ہیں جس نے دنیا کی کسی چیز کی طرف التفات نہیں فرمایا اور تمام زمین کے خزانوں کی چابیاں آپ کی طرف بھیجی گئیں مگر آپ نے قبول نہیں فرمائیں بلکہ آپ کا اور سلفِ صالحین کا سفر خرچ سے کر چلنا دوسروں کی عافیت و بہتری کی نیت سے تھا۔ اس لیے نہیں تھا کہ زادِ راہ کو ہی معاذ اللہ اپنا سہارا سمجھتے تھے اور خدا پر انہیں کوئی بھروسہ نہیں تھا۔

تو معلوم ہوا کہ عمل عقیدہ کے تابع ہوتا ہے۔ اس کو سبب بنانا یا نہ بنانا، اور سبب اختیار کرنا یا نہ کرنا سے بیدار ہو اور بات کو پوری طرح ذہن میں بٹھا لو تاکہ اچھے نیک کی راہ دکھائے۔

سوال:

کیا زادِ راہ لے کر چلنا فضل ہے یا نہ لے کر؟

جواب:

زادِ راہ ساتھ لے کر چلنا یا نہ لے کر چلنا حالت و شخص کی بنا پر مختلف ہے۔ کوئی مقتدائے قوم زادِ راہ لے کر چلے کہ لوگوں پر اس کا اچھا اثر ہو یا حسنِ ظن میں

سفر میں دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کی نیت ہو، یا کسی خستہ حال کی فریاد رسی مطلوب ہو، یا اسی قسم کا کوئی اور نیک ارادہ ہو تو زادِ راہ لے کر چلنا افضل ہے۔ ورنہ اگر کوئی شخص کیلا سفر کو روانہ ہو جس کا توکل خدا تعالیٰ پر قوی اور مضبوط ہو اور اسے یہ خدشہ نہ ہو کہ راہ خدا سے غافل نہ ہو جائے تو ایسے شخص کے لیے ترک زاد بہتر ہے ——— اس توفیق کو جس طرح ممکن ہو کرے ——— خدا تجھے نیکی کی توفیق عنایت کرے۔

دوسرا عارضہ ——— سفر کے خطرات کا تصور و خیال

اس عارضے سے محفوظ رہنے کی صورت یہ ہے کہ تو اپنے معاملہ پورے طور پر خدائے تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ اور یہ دو وجہ سے بہتر ہے۔

ایک تو دل کو اسی وقت اطمینان اور چین نصیب ہو جائے گا۔ اس لیے کہ وہ امور جو اہم ہوں اور ان کی بہتری یا برائی تم پر واضح نہ ہو تو ایسے امور کی فکر میں مضطرب و تشویش زدہ خاطر ہو گے۔ اور جب تم نے اپنے ہر معاملے کو خدا کے حوالے کر دیا تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ صلاح و خیر ہی نصیب ہو گی۔ تو اپنے معاملات پروردگار میں تفویض کر دے اور ہر قسم کی تشویش سے محفوظ ہو جائے گا۔ دل کو چین و اطمینان میسر آ جائے گا۔ دوسرے من و راحت اور دل کا اطمینان بہت بڑی نعمت ہے۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ کثر اللہ تعالیٰ مجلس میں فرمایا کرتے تھے:

(۱) التدبیر لی من خلقک	یعنی تدبیر اس ذات کے سپرد کر دے جس نے
تستریح۔	تجھے پیدا فرمایا تو راحت میں ہو جائے گا۔

میرے شیخ علیہ الرحمۃ نے مندرجہ ذیل تین اشعار بھی اسی سلسلہ میں کہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

(۱) ان من کان لیس یدری فی العجو	ب تقلبہ ان المکروہ
(۲) الحری بان یفوض ما یعجز عنہ	الی الذی یکفیہ
(۳) ذلک البر الذی ھو بالرا	حتی من امہ و ابیہ

ترجمہ (۱) جو شخص یہ نہ جانتا ہو کہ میرا نفع نقصان کن چیزوں میں ہے یا کن چیزوں سے ناپسندیدہ۔

(۲) اسے چاہیے کہ اس کام کو جسے وہ حل کرنے سے عاجز ہے اس ذات کے سپرد کر دے جو ہر حاجت میں کافی ہے یعنی خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے جو نیکوکار ہے اور ماں باپ سے

بھی زیادہ حسین و شفیق ہے۔

تفویض کی اس قدرے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آئندہ جتنے تم صبح و شام میں نوکے۔ اور یہ کہ ہمیشہ معاملات و حوادث کے نتائج و عواقب کے بارے میں تم فکر مند رہو گے کیونکہ ہمت ہار بیٹھنا اور بیٹھ رہنا معاملات کو بگاڑ دیتا ہے اور ایسے نقصان دہ امور میں جو بظاہر زود نفع ہوتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے امور جو بظاہر نفع مند نظر آتے ہیں درحقیقت بہت نقصان دہ ہوتے ہیں۔ اور تم کسی امر کو اس وقت تک شروع نہ کرو گے جب تک اس کے انجام کے بارے میں تمہیں شعور حاصل نہ ہو جائے۔

حکایت:

ایک عابد کے متعلق منقول ہے کہ وہ رب تعالیٰ سے یہ سوال کیا کرتا تھا کہ اسے بھی عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی جواب ملتا تھا کہ اس خیال کو چھوڑ دو۔ اور قسمت کی تقسیم پر راضی رہو مگر وہ اپنے اسی خیال پر مصر تھا۔ آخر ایک روز اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اس عابد پر ظاہر کر دیا۔ جب عابد نے ابلیس کو دیکھا تو سمجھا کہ یہ کوئی بڑا بزرگ ہے۔ ابلیس نے کہا اگر تو نے سو سال زیادہ نہ رہنا تو میں تجھے ہلاک کر دیتا اور تجھے سخت سزا دیتا۔ عابد یہ سن کر مغرور ہو گیا اور دل میں کہنے لگا کہ میری تو بہت سی آرزوئیں ہیں۔ ابھی آزادی سے گناہ کرتا رہوں گا آخر وقت پر توبہ کر لوں گا پھر وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا اور ہلاک ہو گیا۔

اے مخاطب! تجھے چاہیے کہ تو اپنی زندگی کے ہر لمحے کو اپنی آخری گھڑی سمجھے اور اپنے مطلوب و مقصود کے حصول میں سرگرم عمل رہے اور اس حکایت سے تجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اول اول سب سے زیادہ اہم چیز کیا ہے:

وَابْدَأْ بِالْأَهَمِّ فَالْأَهَمِّ

فکر مند ہونا جہالت ہے

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ہر وہ کام جس کے بارے میں تجھے یہ خدشہ ہو کہ اس کے پیدا کرنے والے اور اس کے حصول پر قادر

[illegible]

الفاظ نقل کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سوال:

[illegible]

جواب:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اور فائدہ ہے یا نقصان۔ جیسے نوافل اور مباح امور۔ ان امور کا تم یقینی اور قطعی ارادہ نہیں کر سکتے تو اپنے امور کا ارادہ کرتے وقت اِن شاء اللہ ضرور کہا جائے۔ بلا اِن شاء اللہ ان امور کا ارادہ درست نہیں۔ بلا اِن شاء اللہ ان امور کا ارادہ مذموم ہوگا جس سے شرعاً روکا گیا ہے۔ تو اس تحقیق کی روشنی میں تفویض کا مقام اور ہر وہ شے ہے جس کے اندر تمہارے لیے کوئی خطرہ ہو۔ اور تمہیں اس کے بہتر ہونے کا یقین کامل نہ ہو۔

تفویض کے معنی

ہمارے بعض مشائخ نے تفویض کے معنی کیے ہیں:

هو ترك اختيار ما فيه مخاطرة	تفویض کے معنی ہیں ہر وہ شے جس میں خطرہ ہو اس
الى المختار المدبر العالم بمصلحة	اپنے ارادے اور اختیار کو ترک کر دینا اس مدبر کائنات
الخلق لا اله الا هو	مختار مطلق اور مخلوق کے مصالح جاننے والے رب کے
	تعالیٰ کے سپرد کر دینا

اور شیخ ابو محمد سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے تفویض کے یہ معنی کیے ہیں:

هو ترك اختيارك المخاطرة على	تفویض نیز اِن خطرے کی شے میں اپنے اختیار کو ترک
المختار ليختار لك ما هو خير	کر دینا اور مختار حقیقی کے سپرد کر دینا ہے تاکہ وہ
لك۔	تمہارے لیے جو بہتر ہو اسے پسند فرمائے جس میں
	تیری بھلائی اور بہتری ہو

اور شیخ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے تفویض کی یہ تعریف کی ہے:

هو ترك الطمع والطمع هو ارادة	یعنی تفویض ترک طمع کا نام ہے۔ اور طمع ہر اس شے
الشئ المخاطر بالحكم	کے ارادے کا نام ہے جس میں خطرہ ہو۔

تفویض کے معنی میں یہ مشائخ کرام کی عبارات تھیں جو نقل کی گئیں۔ اور ہمارے نزدیک تفویض کے یہ معنی ہیں:

ارادة ان يحفظ الله عبيده مصلحة	جس نور میں نفع کا خوف ہو اس میں یہ ارادہ
فيما لا تامن فيه الخطر	کہ اللہ تعالیٰ تیری مصلحتوں کو رہنے دے جس

[illegible]

تفویض کی ضد جمع ہے۔ دوسرا جمع دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جو رجاء کے معنی میں ہے۔ یعنی ایسی شے کا ارادہ کرنا جس میں کوئی مفسدہ نہ ہو یا مفسدہ ہو مگر اللہ کا عفو لیا جائے۔

یہ جمع بمعنی رجاء کے معنی میں ہے ممدوح اور غیر مذموم ہے جیسا کہ پروردگار عالم جل وعلا نے جمع کو اس معنی میں قرآن مجید میں استعمال فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے:

[illegible] وہ ذات جس سے مجھے امید ہے کہ روز قیامت میرے [illegible] وہ میری تمام خطائیں بخش دے گا۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

[illegible] ہمیں پوری امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہماری تمام خطائیں معاف کر دے گا۔

[illegible] جمع محمود میں بات نہیں کرتے۔

دوسرا جمع مذموم ہے جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ا [illegible] اپنے آپ کو حرص سے بچاؤ کیونکہ وہ یہی چیز ہے جس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا۔

حضرت [illegible]

اور ارشاد ہے کہ:

[illegible] جس نے لوگوں کو ہلاک کر دیا وہ فساد طمع میں سے اور [illegible] ہے۔

[illegible] نے فرمایا ہے کہ طمع مذموم دو چیزوں میں ہے:

[illegible] ایک ہی شے سے سکون قلب حاصل کرنا جس کا نفع [illegible] مشکوک ہو اور ایسی چیز کا ارادہ کرنا جس کا [illegible]

خدا خیر۔

[illegible] مذموم میں جو ارادہ پایا جاتا ہے یہی تفویض کے منافی اور ممنوع ہے۔

[illegible] کا بیان جن کا تصور تفویض الی اللہ کا موجب ہے:

(۱) امور اور معاملات میں خطرہ۔

(۲) ہلاکت کا امکان۔

(۳) فساد اور خرابی کا خوف۔

(۴) انسان کا خطرے کی چیزوں سے محفوظ رہنے سے عاجز ہونا۔

(۵) انسان کی غفلت اور نادانی کے باعث خطرے کی چیزوں سے نہ بچ سکنا۔

اگر تم ان پانچ امور کو سنجیدگی سے ذہن میں حاضر کرو گے تو تمہارے دل میں خود بخود یہ بات پیدا ہوگا کہ اپنے تمام امور و معاملات احکم الحاکمین کے حوالہ کر دینے چاہییں اور ہر ان شاء اللہ سے کہ اس کے کرنے سے ان کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ ہر ان امور میں خیر و صلاح کی یقین کامل تو توفیق دیتا ہے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

سوال:

تم جس خطرے کا بار بار ذکر کرتے ہو کہ اس کی وجہ سے تفویض امور الٰہی اور توکل علی اللہ ضروری ہے وہ خطرہ کیا ہے؟

جواب:

جان لو کہ خطرہ دو طرح کا ہے:

ایک تو خطرہ شک کہ شاید یہ کام ہو یا نہیں۔ اور شاید میں اس کا نتیجہ اچھا ہو یا نہ ہو۔ اسی خطرہ شک کے باعث ان شاء اللہ کہنا ضروری ہے۔

دوسرا خطرہ فساد، کہ تمہیں یہ یقین نہ ہو کہ اس میں تمہارے لیے صلاح و بہتری ہے۔ اس خطرہ کی بنا پر تفویض ضروری ہے۔

پہلے خطرہ کی تعریف میں ائمہ کرام کی عبارات مختلف ہیں۔ بعض نے ذکر کیا ہے کہ

"خطرہ وہ شے ہے جس کے غیر میں نجات ہو اور اس کے کرنے سے اجتناب ممکن ہو"

اس تعریف کی رو سے یہاں استقامت و سنت میں کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا کیونکہ اس کے غیر میں نجات ناممکن ہے۔ اور یہ بھی نہیں ہے کہ استقامت میں شرع کسی اجتناب گناہ کا باعث نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ استقامت و سنت کا ارادہ یقیناً ہو نہیں ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہونا چاہیے۔ اور ہمارے شیخ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آخر کار تمام مشائخ کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے۔ اس اعتبار سے جب فرائض و واجبات خطرہ کے حکم سے خارج ہو گئے تو صرف مباحات و نوافل ہی محل خطرہ میں رہے ——— ہماری یہ بحث اس باب میں مشکل ترین بحث ہے۔ واللہ الموفق۔

سوال:

کیا اپنے جملہ امور کو حوالہ خدا کرنے والا ہلاکت و فساد وغیرہ امور سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دنیا دار مصائب و آلام میں ہے؟

جواب:

اغلب یہی ہے کہ ایسا شخص ان خطرات سے محفوظ رہتا ہے۔ ہاں نادر و قلیل طور پر کبھی خلاف بھی ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ خذلان و بدبختی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور درجہ تفویض سے گر جاتا ہے۔ شیخ ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ہی فرمایا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ ایسے شخص کو ان امور میں جو اس نے حوالہ خدا کیے ہوئے ہیں بھوک و درستی تک پیش آتی ہے۔ نادر طور پر بھی وہ ذلت و رسوائی وغیرہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قول زیادہ پسندیدہ ہے۔ کیونکہ تفویض کے ذریعہ اس کا اللہ تعالیٰ سے محفوظ رہنے کی امید نہ ہو تو تفویض (یعنی اپنے امور کو حوالہ خدا کرنے) سے فائدہ ہی کیا۔

سوال:

کیا خدا تعالیٰ پر واجب ہے کہ تفویض کرنے والے کے لیے افضل چیز ہی مہیا کرے۔

جواب:

یہ امر متفق علیہ ہے کہ باری تعالیٰ پر کسی شے کا ایجاب محال اور ناممکن ہے۔ اور بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی شے واجب اور لازم نہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے لیے حکمت ایسی چیز مقدر کر دیتا ہے جو حقیقت میں بہتر اور صحیح ہوتی ہے اگرچہ ظاہر بندے کی نظر میں وہ افضل و اعلیٰ نہیں ہوتی۔ دیکھیے! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے لیے یہ تجویز ہوئی کہ جمعہ کے دن چند آنے تک نہ پہنچ سکے یہاں تک کہ آپ کی اور صحابہ کرام کی نماز جمعہ کی نماز ظہر فوت ہو گئی۔ حالانکہ جمعہ کے بجائے نماز ظہر کی ادائیگی افضل اور بہتر تھی اسی طرح بسا اوقات اللہ تعالیٰ

ایک بندے کے لیے دولت اور نعمت مقرر کر دیتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت فقر اس کے حق میں افضل ہوتا ہے۔

اسی طرح بسا اوقات رب تعالیٰ بندے کے لیے بیویاں اور اولاد مقدر کر دیتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت اس کے لیے ذکر الٰہی اور عبادت زیادہ بہتر اور افضل ہوتے ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک حاذق اور خیر خواہ طبیب مریض کے لیے جو کا پانی پسند کرتا ہے اگرچہ مریض گنے کا بخوار اور اس کا پانی نفیس اور عمدہ خیال کرتا ہو۔ کیونکہ اس طبیب کو معلوم ہے کہ مریض کی اسی میں صلاح ہے۔ اور بندے کا مقصود بھی تو ہلاکت سے نجات ہے۔ فساد و ہلاکت کے ساتھ ساتھ نفس کی ہر ہی نفس و شرف اور بڑائی حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

سوال:

کیا انسان اپنے تمام اوراد و وظائف (تلاوت) تلاوت کے باوجود بھی ختم مقصود ہوگا؟

جواب:

علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ صحیح ہے کہ تلاوت سے اس کا اختیار باطل و زائل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مختار ہی شمار ہوگا۔

تیسرا عارضہ: فتنہ

اور یہ اس کے مختلف اقسام کا انسان پر وارد ہونا ہے۔

اس کا علاج صرف یہ ہے کہ انسان فتنہ دنیا پر راضی ہو جائے۔ اس لیے تین وجہ سے فتنہ دنیا پر راضی رہنا ضروری ہے۔

اوّل: عبادت کے لیے فراغت۔

اور یہ فراغت یوں حاصل ہوگی کہ اگر فتنہ دنیا پر راضی نہ ہوگا تو تمہارا قلب ہمیشہ مغموم اور مشغول رہے گا کہ یہ بات اس طرح کیوں نہ ہوئی ہے۔ اور یہ کام اس طرح کیوں ہو۔ جب اس طرح کے افکار میں تمہارا قلب ہر وقت مشغول رہے گا تو عبادت کے لیے فراغت کب نصیب ہوگی۔ اس لیے تمہارے پہلو میں دل تو صرف ایک ہی ہے اور اسے تم نے فکرت دو سو دس سے بھر دیا ہوا ہے۔ جب تمہارے دل کے تمام گوشے دنیوی محبت سے پُر ہوں گے تو یاد خدا۔ اس کی عبادت اور فکر آخرت کے لیے کون سا گوشہ ہے جو خالی ہوگا۔

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ان حسرۃ الامور اما ضیعۃ و	تمہاری گزشتہ و فوت ہونے والی
تدبیر لا تیۃ قد ذھبت بیرکۃ	کی تدبیر سے جس میں برکت نہ ہو
سعیت ھذہ	کی بات کوشش کرنا ہے۔

قضاء الٰہی پر راضی ہونے کی دوسری وجہ:

قضاء الٰہی پر اظہار ناراضی سے غضب خداوندی کا مستحق ہونا ہے۔ روایات اور تاریخ سے ثابت ہے کہ کسی نبی نے اپنی کسی تکلیف کا رب تعالیٰ کے دربار میں شکوہ کیا تو رب تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ کیا تو میرا شکوہ کرتا ہے؟ حالانکہ میں تو مستحق شکوہ کا مستحق نہیں ہوں۔ کیا تو میرا نامناسب بات کا اظہار کر رہا ہے؟ تو میری قضاء پر ناراضگی کا اظہار کیوں کر رہا ہے۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تیری خاطر دنیا بدل دوں یا تیری خاطر مخلوق میں تبدیلی کر دوں اور جس چیز سے تو بغض رکھتا ہے تو چاہے گرچہ میں اس کو نہ چاہوں؟ اور جس چیز سے تو محبت کرتا ہے تو چاہے کہ میں اس کو ناپسند کروں؟ تجھے میری عزت و جلال کی قسم اگر تو نے آئندہ کبھی اس قسم کا خطرہ اور وسوسہ کیا۔ تو میں ضرور تجھ سے نبوت کا مقدس لباس اتار لوں گا اور تجھے نار دوزخ میں ڈال دوں گا اور تجھے کوئی پرواہ نہیں۔

میں کہتا ہوں عقل مند شخص کو گردش ہوش سے سننا چاہیے کہ رب تعالیٰ کس قدر اپنے نبیوں اور برگزیدہ بندوں سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتا ہے جب وہ اپنے برگزیدہ اور پاک بندوں کو ایسے کلمات کہہ سکتا ہے تو غیر نبی کے ساتھ بطریق اولیٰ بھی ناراض ہو سکتا ہے۔

پھر رب تعالیٰ کا یہ ارشاد بہت قابل غور ہے کہ اگر تیرے بندوں میں دوبارہ اس قسم کا خیال یا تو تیری نبوت چھین لی جائے گی" جب محض رد سے اور خیال پر اس قدر سخت وعید وارد ہے کہ فرمایا تو اس شخص پر اس کے غصہ کا کیا حال ہوگا جو بے صبری سے آنسو بہا رہا ہے اور بار بار فریاد رسی کے لیے ہر وقت شکوہ کرتے اور رب کو پکارتا ہے اور بار بار اس کے سامنے اپنے حاجتوں کے سامنے پیش صرف کیا نہ پکارتے بلکہ اس میں اپنے ساتھی اور دوست بھی شامل کرتے۔ پھر یہ اس کو ناراض کرتے جس نے ساری عمر میں صرف ایک بار شکوہ کیا۔ تو جس کی ساری عمر ہی رب تعالیٰ کے شکوہ اور

شکایت نہیں کرتی ہوں تاکہ گناہ نہ ہو؟

جواب: ہر قسم کی ناشکری کے ساتھ ہے جس سے بندہ پر شکوہ کیا۔ تو جو شخص غیر کے آگے اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرے وہ سخت ترین سزا کا مستحق ہے ——— نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ ونسأل اللہ ان یعفو عنا ویغفر لنا انہ ہو الغفور الرحیم۔

سوال:

قضاء پر راضی ہونے کے کیا معنی ہیں اور اس کی حقیقت اور حکم کیا ہے؟

جواب:

ہمارے علماء کرام نے فرمایا ہے رضا عقد ترک کر دینے کا نام ہے۔ اور عقد ایسی چیز کو دل اور دیانت کا نام ہے جو قضاء الٰہی کے خلاف ہو اور جس کا برا ہونا یقینی نہ ہو۔ سخط اور غصہ میں ایسا فکر اور تدبیر کی ضرورت ہے تب غصہ متحقق ہوگا۔

سوال:

یہ شرور و معاصی جو قضاء و قدر سے نہیں ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی بندے سے شریعت رضی ہوگا اور اس پر ثواب عطا کرے گا؟

جواب:

رضاء تعلق قضا سے ہے اور قضا سے شر پیدا نہیں بلکہ وہ شے بری ہے جس کے ساتھ قضا متعلق ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا شبہ پیدا ہوئی۔ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جس امر سے قضا متعلق ہوتی ہے وہ چار قسم ہیں:

۱ نعمت ۲ شدت ۳ خیر ۴ شر

نعمت میں قضا یعنی خدا تعالیٰ قضا اور تقضی یعنی نعمت سب پر راضی ہونا واجب ہے اور اس کے نعمت ہونے کے اعتبار سے اس کا شکر بھی واجب ہے۔ اور اس صورت پر اظہار نعمت بھی ضروری ہے جس سے نعمت کے زوال کا اندیشہ نہ ہو۔

۲ شدت یعنی مصیبت اور تکلیف دہ امر میں بھی قضا یعنی اللہ تعالیٰ کی قضا اور

مقتضیٰ یعنی اس مصیبت اور تکلیف دینے پر راضی ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ورنہ سخت تکلیف ہونے کے اعتبار سے اس پر صبر بھی واجب ہے۔

(۳) خیر یعنی بھلائی اور نیکی۔ اس میں بھی مذکورہ تینوں اشیاء پر رضامند ہونا ہے۔ اور اس میں پروردگار کے احسان کا اعتراف کرنا کہ اس نے خیر کی توفیق دی بھی ضروری ہے۔

(۴) شر یعنی برائی۔ اس میں بھی قاضی یعنی خدا اور قضا اور مقتضیٰ یعنی اس برائی پر اس لحاظ سے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قضاء متعلق ہے رضامند ہونا ضروری ہے۔ ہاں اس اعتبار سے اس کے ساتھ رضا کا تعلق نہیں ہو سکتا کہ وہ شر اور برائی ہے۔ اور اس شر کا فیصلہ شدہ و قضا شدہ ہونا اصل میں اللہ تعالیٰ کے قاضی ہونے اور اس کی قضا کی جانب ہی رجوع کرتا ہے۔

اس کو یوں سمجھو کہ تم شر کسی برے مذہب پر رضا کا اظہار کرو اس اعتبار سے کہ وہ تمہارے علم اور اس کی پہچان ہو جائے۔ نہ اس اعتبار سے کہ وہ تمہارا مذہب ہو جائے۔ تو اس مذہب پر رضامند ہونا دراصل تمہارے علم کی طرف ہی رجوع کرتا ہے۔ تو رضا اور محبت درحقیقت اس مذہب سے نہیں بلکہ اس کے علم کے ساتھ ہے۔ اسی طرح یہاں شر پر رضامند ہونے کا مطلب اس برائی پر رضامند ہونا نہیں بلکہ اس پر رضامند ہونا ہے کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کے مقدر کردہ ہے۔

سوال:

کیا راضی بقضاء شخص کو زیادتی کا طالب ہونا درست ہے؟

جواب:

ہاں اس نیت سے کہ میرے لیے صلاح و خیر میں اضافہ ہو زیادتی کا طالب ہونا درست ہے اور یہ رضا بالقضاء کے خلاف نہیں کیونکہ اس نیت کے ساتھ زیادتی کا طالب ہونا اس پر کلی طور سے راضی ہے۔ انسان اسی وقت زیادتی کا طالب ہوتا ہے جبکہ وہ اس پر خوش ہو۔ لہٰذا وہ زیادتی کا طالب ہو سکتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ کے سامنے دو چیزیں پیش کی جاتیں تو فرماتے:

اختر اَرشَدَ هُمَا وَ اَتْقَاهُمَا ۔۔۔ یعنی ان میں سے بہتر اور زیادہ

اور اگر دنیا کی دولت پیش نظر ہو تو فرمایا:

[illegible]

وہ ان دونوں مقصدوں میں کہیں بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مقدر کردہ چیز پر راضی نہیں تھے۔

سوال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تو منقول نہیں کہ بیت بیہ صحیح زیادتی جیسا کہ آپ نے کہا ہے؟

جواب:

اس طرح کے امور کا تعلق قلب سے ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری نہیں زبان پر بھی لیا جائے تو وہ مراد ضرور ہوتے ہیں۔

چوتھا عارضہ: مصائب اور تکالیف:

دنیا میں کامیابی کی دوسری صورت صبر ہے۔ اس لیے ایسے تمام مقامات پر صبر بہت ضروری ہے۔ اور یہ دو وجہ سے ضروری ہے:

اول اس لیے کہ انسان عبادت تک پہنچ سکے اور اپنے مقصود حاصل کر سکے۔ اس لیے کہ عبادت کی ادائیگی میں بہت مشقت برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ تو جو شخص صبر نہیں کرتا اس سے کئی مشقت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ اس لیے کہ جو شخص خود کو تعب سے عبادت کرنے کا عادی نہیں بناتا اس کو کئی طرح کی مشقتیں، مصیبتیں اور شدائد پیش آئیں گی:

ایک تو اس لیے کہ ایسی کوئی عبادت نہیں جس میں مشقت نہ ہو۔ کیونکہ جب تک خواہش کا قتل اور نفس کا بہت سے عبادت کا کوئی فعل صادر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ خواہش اور نفس دونوں انسان کو عبادت سے روکتے ہیں۔ اور نفس اور خواہش پر قابو پانا انسان کے لیے مشکل ترین امر ہے۔

دوسرے اس لیے کہ انسان جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اس میں احتیاط ضروری ہے، اور احتیاط مشقت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اور کسی کام کو احتیاط اور درستی کے ساتھ انجام دینا بھی مشکل

کام ہے۔

تیسرے اس لیئے کہ دنیا دار محنت کرے تو جو شخص اس میں ہوگا اسے فراغت
مصائب اور تکالیف پیش آئیں گی۔ یہ مصائب کئی طرح کے ہیں:

(۱) اہل و عیال، رشتہ داروں، بچوں اور دوستوں کی طرف سے تکلیف ہونا یا ان کا مر جانا
جدائی۔

(۲) کسی کی اپنی ذات کا بیمار ہونا یا اور کسی طرح میں مبتلا ہونا۔

(۳) لوگوں کا اسے ذلیل کرنا اس کی عزت برباد کرنا اور اس کے لئے دنیا کو تنگ اور زندگی
کڑوا بنا دینا۔ اس کی غیبت کرنا، اس پر الزام تراشیاں کرنا۔

(۴) مال کا ضائع اور تباہ ہونا۔

اور یہ مذکورہ مصائب قدرتی بات ہے اپنے ہیں، ہر درجہ کے ہیں، انسان کو ان سے
اور اس کے دل کو چوٹ لگتی ہیں۔ تو ان سب تکلیفوں میں صبر کی ضرورت ہے۔ ورنہ غم و افسوس کا
بے صبری انسان کو عبادت سے باز رکھے گی۔

چوتھے یہ کہ طالب آخرت سخت آزمائش ہے اور سخت شدید محنت میں مبتلا ہوتا ہے
جو شخص اللہ تعالیٰ کے جتنا قریب ہوگا اتنا ہی سے مصائب بھی دنیا میں زیادہ پیش آئیں گے۔ حضور
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم ۔۔۔ ثم الامثل فالامثل

تمام لوگوں سے زیادہ مصیبت انبیاء پر آتی ہے پھر ان کے بعد جو ان کے قریب ہیں۔

جو شخص نیکی کا قصد کرے گا اور راہ آخرت اختیار کرے گا وہ ضرور مختلف آزمائشوں میں مبتلا
ہوگا۔ تو جو شخص ان پر صبر نہ کرسکا اور نہیں برداشت نہ کر سکا وہ راستے میں ہی رہ جائے گا اور آخرت
سے محروم رہ جائے گا۔ تو عبادت میں سے کچھ حاصل نہیں کر سکے گا۔

اور خداوند تعالیٰ نے ہم کو بار بار قرآن شریف میں بتایا ہے کہ ہم ضرور تم کو مختلف طرح کی آزمائش
میں آزمائش کے طور پر مبتلا کریں گے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ — اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ

مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔ — بہت ہمت کے کام ہیں۔

تو گویا اللہ تعالیٰ ان آیات میں یہ فرما رہے ہیں کہ اپنی جانوں کو مصائب کی تکلیف برداشت کرنے کا خوگر بنالو۔ اگر تم ان مصائب میں صبر کرو گے تو وہ تمہاری مردانگی کا ثبوت ہوں گے اور وہ تمہارے مرتبہ کو بلند کریں گے۔

پس جو شخص بھی عبادت کا عزم کرے گا اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے صبر عظیمہ کا رویہ کرے اور نفس کو اس بڑی مشقت برداشت کرنے کا عادی بنائے یہاں تک کہ موت آجائے۔ اور وہ آیات جن میں صبر کا ذکر ہوا ہے ان کا اس سے بڑا مرتبہ نہیں۔ اور جس ذریعہ سے وہ کامیابی کو پہنچ سکتا ہے وہ اس کے عکس کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جو شخص طریق آخرت طے کرنے کا ارادہ کرے وہ اپنے اندر پانچ موت کے بارے رنگ پیدا کرے: (۱) صبر، (۲) سرخ، (۳) سیاہ، (۴) ہرا۔

موت کا صبر رنگ تو ہمیشگی ہے۔ اور سیاہ رنگ فقر و فاقہ۔ اور سرخ رنگ شہوات اور صبر حوادث ایام پر صبر کرنا۔

اور ہرا رنگ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دنیا و آخرت کی جملہ نعمتیں ملتی ہے۔

اور نجات و کامیابی کے حسن امکان ہوتے ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا — جو شخص تقویٰ اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ — لیے راہ پیدا کرے اور اسے ایسی جگہ سے

رزق دے گا جہاں کا سے وہم و گمان بھی نہیں ہوگا۔

اس آیت کے معنی یہ ہیں جو شخص صبر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اسے شدائد سے نجات دے گا۔

(۲) صبر کے ذریعہ انسان دشمنوں پر فتح مند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ — تب صبر کریں بیشک نیک انجام پرہیزگاروں کا ہے

(۳) صبر کے ذریعہ انسان اپنی مراد پا لیتا ہے۔ قول اللہ تعالیٰ:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا۔ — اللہ تعالیٰ کے نیک کلمات بنی اسرائیل کے صبر کی وجہ سے پورے ہوئے۔

کہا گیا ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام نے فراق کے غم و اندوہ کا تذکرہ یوسف علیہ السلام کو لکھا تو یوسف علیہ السلام نے جواب میں لکھا:

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔ — آپ کے بیٹے نے صبر کیا تو کامیاب ہوئے آپ بھی صبر کریں جیسا انہوں نے صبر کیا تو کامیاب ہوئے آپ بھی کامیاب ہوں گے بیٹے واپس آئیں گے۔

یہ دو شعر بھی اسی سلسلہ میں کہے گئے ہیں:

(۱) لَا تَيْأَسَنَّ وَإِنْ طَالَتْ مُطَالَبَةٌ — إِذَا اسْتَعَنْتَ بِصَبْرٍ أَنْ تَرَى فَرَجَا

(۲) فَخَيْرُ بَدْءِ الْمَرْءِ أَنْ يَتَعَلَّمَ بِحِلْمِهِ — وَمِنْ عَجَلٍ أَنْ يَرْكَبَ الْأَمْرَ لَمْ يَرِجْ

ترجمہ: (۱) اے دوست ہرگز نہ ہو اگرچہ بہت گزر رہے ہوں عرصہ دراز گزر جائے جبکہ تو نے صبر سے استعانت کی ہو۔ کیونکہ آخر تو فرج و وسعت و کشادگی سے ہمکنار ہوگا۔

(۲) صابر شخص کتنی بلند خوبی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مقصود و مراد کو پا لیتا ہے۔ اسی طرح ورثاء یعقوبی کو مسلسل دستک دیتے رہے یہاں تک کہ ان کی مرادوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

(۴) صبر کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اس سے لوگوں کی پیشوائی و رہنمائی کا مرتبہ ملتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا۔ — اور ہم نے ان کو ان کے صبر کے باعث لوگوں کا امام بنایا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کی تبلیغ کرتے تھے

(۷) صبر سے انسان اللہ تعالیٰ کی مدد کا مستحق ہوتا ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّ وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ۔ — ہم نے اسے صابر پایا وہ بہت ہی اچھا بندہ ہے رجوع کرنے والا ہے۔

(۸) صبر سے جنت کی بشارت ملتی ہے اور صابر شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی کا مستحق ہوتا ہے۔ فرمایا:

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ۔ — صبر کرنے والوں کو جنت کی بشارت دو

اور فرمایا:

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔ — یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

(۹) صبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسان سے محبت کرتا ہے۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ۔ — اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

(۱۰) صبر کے ذریعہ جنت میں درجات عالیہ عطا ہوں گے۔ ارشاد ہوتا ہے:

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا۔ — ان لوگوں کو صبر کے صلہ میں جنت کے اندر بالاخانے عنایت ہوں گے۔

(۱۱) صبر کے طفیل انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرامت اور عزت کا مستحق ہوتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ۔ — تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کے صلہ میں تمہارے رب کا تحفہ ہے

(۱۲) صبر کے باعث بندے کو آخرت میں بے حساب و بے شمار ثواب عطا ہوگا جو لوگوں کے وہم و گمان سے بہت ہی بالاتر ہوگا۔ قال اللہ تعالیٰ:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ — صبر کرنے والوں کو بے حساب ثواب ملے گا۔

بہرحال اللہ! اس بزرگ و برتر ذات نے انسان پر کس قدر کرم فرمایا۔ اور صبر کے صلہ میں

جو مذکورہ دو کرامتیں اور فضیلتیں دنیا و آخرت میں پروردگار انسان کو عطا فرماتا ہے یہ محض ایک صبر کے عوض میں، تو تم پر واضح ہو گیا کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائی صبر میں منحصر ہے۔ یہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِنْ عَطَاءٍ خَيْرٍ وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ

صبر جیسی کشادہ اور بہتر عطا کسی کو نہیں دی گئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں:

جمیعہ خیر المؤمنین فی صبر

مومنین کی ہر قسم کی بھلائی ایک جملہ صبر میں ہے

ایک شاعر نے اس مضمون کو ذیل کے شعر میں بہت اعلیٰ پیرایہ میں ادا کیا ہے:

(۱) اصبر صفت مما تحب فربما ۔۔۔ ۔۔۔ خیر یساق بمکروہ

(۲) فاصبر فان صبرت لیسری ۔۔۔ ۔۔۔ فربما یمکن المحذور

ترجمہ (۱) صبر ہر امید کی چابی ہے اور ہر بھلائی صبر سے حاصل ہو سکتی ہے۔

(۲) تو صبر کرو اگرچہ صبر میں عرصہ درکار ہے۔ کیونکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک دشوار شے آخر ممکن ہو جاتی ہے۔

(۳) ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔

یا آسانی کا یا تنگی کا۔

جب تم معلوم کر چکے کہ صبر کے یہ فضائل ہیں۔ تو تم پر لازم ہے کہ اس نفیس اور عمدہ خصلت کو اپنے میں پیدا کرو۔ اور اس کے حصول کے لیے پوری جد و جہد کرو۔ اس خصلت کے حاصل ہو جانے پر ضرور تم کامیاب انسانوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

سوال:

صبر کی حقیقت اور اس کا حکم بیان کیجیے؟

جواب:

لغت میں صبر کے معنی روکنے کے ہیں۔ جیسے کہ قرآن میں یہ لفظ روکنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قول اللہ تعالیٰ:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ	اپنی ذات کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیے
رَبَّهُمْ۔	جو دن رات رب کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم سے عذاب روکے رکھا ہے اور جب تک وہ عذاب نازل نہیں کرتا۔

اور صبر ان عبادتوں کی کوششوں میں سے ایک کوشش کا نام ہے۔ کیونکہ صبر نفس کو جزع سے روکنے کا نام ہے۔ اور جزع کی علماء نے یہ تعریف کی ہے:

ذکر اضطرابٍ فی حالۃ۔	تکلیف کے وقت پریشانی کا ظاہر کرنا۔

اور جزع سے جزع کے یہ معنی ہیں کہ اپنے زور سے تنگی سے نکلنے کا قصد کرنا۔ اور یہ جزع کے نیک کا نام ہے۔

صبر کس طرح پیدا کیا جائے؟

اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی شدت اور اس کے وقت کو یاد کرے۔ اور یہ خیال کرے کہ نہ تو میری بے تابی سے کوئی چیز شافی ہو کر آئی اور نہ اس میں تقدیم ہوئی ورنہ تاخیر۔ تو پھر جزع اور بے صبری سے بیان کردہ اس میں بجائے فائدہ کے نقصان اور خسارہ ہے۔ اور اپنے اندر صبر کا وصف پیدا کرنے کی سب سے اہم چیز یہ ہے کہ آدمی صبر کے اس عوض کا تصور کرے جس کا پروردگار نے وعدہ فرمایا ہے۔ وباللہ التوفیق

فصل

عبادت کے لیے فراغت حاصل کرنے کی خاطر تقریباً ہر وہ چیز جو رزق کے حصول کے سلسلہ میں کوشش کے راستے سے ہٹا کر اس اہم اور سخت مہم کو عہدہ برآ ہونے کے لیے درکار توانائی کو بچاتی ہے ضروری ہے۔ رب تعالیٰ تمہیں اپنا مقصود دیا کرنے کی مہلت بھی نہیں دیتا جب تک وہ مقصود کو پا نہ لے اور ان عوارض میں سے ہر ایک حادثہ بذات خود اہمیت و اہمیت رکھتا ہے جو انسان کو مشغول کر لیتے ہیں اور بعض دیر سے۔

پھر ان چار میں سے سب سے بڑا اور سب سے سخت ترین رزق کا معاملہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ مخلوق کے لیے سب سے عظیم مصیبت یہ رزق ہی ہے جس کی وجہ سے مخلوقات کو اور اندھا اور عاجز کر دیا ہے اور لوگوں کو عبادت سے غافل کر دیا ہے۔ اور لوگوں کو بے پناہ فکرات اور پریشانیوں میں مبتلا کر دیا ہے اور عمروں کو ضائع کر دیا ہے۔ اور یہ رزق ہی لوگوں کے لیے سب سے بڑے گناہوں اور معاصی کے ارتکاب کا باعث بنتا ہے۔ اور یہ رزق ہی معاشرے کے لوگوں کو خدمت پر اور دوسروں کو خدمت دینے اور خدمت مخلوق کا باعث بنتا ہے۔ لوگوں کو رزق کے دائرے میں پھنس کر یہ حق سے غفلت اور گناہوں کی تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں اور رزق کی وجہ سے ہی مرد اپنی بیویوں اور اولاد کی ضروریات میں گھر

اس بات سے وہ نہیں بچ پاتے کہ ان کی قوت ضائع ہو جائے۔ اور اس تضحیک کی اصل اور بڑی وجہ آیات قرآنی کی وہ غلط تشریح ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام سے منسوب کی گئی ہے اور جس کے نتیجہ میں غور و فکر کی صلاحیت سے محروم لوگ دوسروں کی تقلید پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اور اس تقلید کی عادت سے ضعف پیدا ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے اعضاء پر مکمل طور پر قابو حاصل ہو چکا ہے اور ان کی حرکات میں بھی اس کمزور ضعف یقین کے اثرات نمایاں ہو چکے ہیں۔

ان کے علاوہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بے پناہ نعمتوں کو دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کا یقین نہیں کرتے۔ انہوں نے خود اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں اپنے ذہن میں کچھ تصورات قائم کر رکھے ہیں۔ اور ان تصورات کی بنیاد پر وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں وہ باتیں جو ان کی عقل میں نہیں آتیں یا جو ان کے نفس کی خواہشات کے خلاف ہیں وہ ان کا انکار کرتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے ان کے ان تصورات کی غلطی واضح کی جاتی ہے تو وہ پوری قوت سے مقابلہ کرتے ہیں اور مکمل معرفت اور یقین حاصل کرنے میں یہ بات ان کے لئے رکاوٹ بن جاتی ہے اور شیطان ان سے چھین لیتا ہے۔ اور نفس ان کا بہت بڑا دشمن ہے اور نہیں سیدھے راستہ پر چلنے دیتا اور شیطان ان کو گمراہ کر دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بھی قابل غور ہے کہ جب آپ نے اپنے رب کے بغیر ایک مستقل عمل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لغزش کی کوشش کی۔ اور آپ کے پاس نہ تو زاد راہ تھا اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ تھا جس کی وجہ سے یہ خوف دور ہو جاتا اور آپ مچھلی کے پیٹ میں فوراً خوفناک جگہ میں پہنچ گئے۔ اور نہ صرف یہ کہ آپ کو اس کا علم ہوا بلکہ آپ نے یہ بھی محسوس کیا کہ آپ نے ایک ہزار رکعت نفل ادا کرنے کا جو عہد کیا تھا وہ بھی پورا نہیں کیا۔ اور آپ بارہ برس تک مچھلی کے پیٹ میں رہے یہاں تک کہ جب بارہ برس بعد آپ کی توبہ قبول ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لغزش کی کوشش کی اذیت ناک جگہ سے نجات دی۔ اور آپ کے پاس نہ تو زاد راہ تھا اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ تھا جس کی وجہ سے آپ اس خوفناک جگہ میں فوراً

ہیں۔ تو اس نے آپ سے کہا "اے ابو اسحاق! آپ اس حال میں اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟" آپ نے اس کے جواب میں یہ دو شعر پڑھے:

(۱) نُرَقِّعُ دُنْيَانَا بِتَمْزِيقِ دِينِنَا ۔۔۔ فَلَا دِينُنَا يَبْقَى وَلَا مَا نُرَقِّعُ

(۲) فَطُوبَى لِعَبْدٍ آثَرَ اللّٰهَ رَبَّهُ ۔۔۔ وَجَادَ بِدُنْيَاهُ لِمَا يَتَّقِي

ترجمہ (۱) ہم اپنے دین کو برباد کر کے دنیا سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں تو نہ ہمارا دین باقی رہتا ہے اور نہ ہی دنیا سنورتی ہے۔

(۲) تو وہ شخص کس قدر مبارک اور خوش قسمت ہے جس نے ہر معاملے میں اپنے رب کی رضا کو ہی ترجیح دی اور آخرت کی نجات کی امید پر دنیا کو قربان کر دیا۔

بعض صالحین کے متعلق منقول ہے کہ وہ کسی جنگل میں تھے کہ ابلیس ان کے پاس آیا اور اس کے ہاتھ میں بہت سے رسے تھے۔ اندازہ کرنے لگا کہ آپ اس ویرانے میں زاد راہ سے تہی دست ہیں۔ اور یہ بیابان سے آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لیے اشیاء بکثرت ہیں۔ اور اس میں نہ تو کہیں آبادی کا نشان ہے اور نہ ہی کہیں کسی انسان کا گزر ہے۔ تو اس بزرگ نے اس شیطانی وسوسے کو محسوس کر کے عزم مصمم کر لیا کہ میں زاد راہ کے بغیر ہی اس راستے پر چلتا رہوں گا۔ اور نہ تو کسی سے کوئی شے لوں گا۔ اور نہ اس وقت تک کھاؤں پیوں گا جب تک کہ میرے منہ میں جبرائیل اور شہد وغیرہ نہ ڈالا جائے گا۔

یہ ارادہ کر کے آپ نے اس جنگل کے بالکل ہی جانب کی طرف اپنا رخ کر لیا اور اس کی سیاحت میں مشغول ہو گئے۔

وہ بزرگ فرماتے ہیں "میں اس میں گھومتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک روز میں نے دیکھا کہ ایک شخص راستہ بھول کر میری طرف کو آ رہا ہے۔ میں نہیں دیکھتے ہی زمین پر لیٹ گیا تاکہ وہ مجھے نہ دیکھ پائے لیکن خدا کی شان کہ وہ میری طرف ہی سیدھے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ عین میرے سر پر آ کر رک گئے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں تو وہ میرے بالکل ہی قریب کھڑے ہو کر یک ٹک دیکھتے رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا سفر خرچ ختم ہو چکا ہے اور بھوک پیاس کی وجہ سے خشک کانٹا ہو گئے اس لیے بھی اور شہد اور گھی کے حق میں دعا بھی کی تاکہ وہ ہونٹوں میں آ جائے چنانچہ وہ گھی اور شہد سے میں نے اپنا منہ خشبو ہی سے بند کر لیا تو انہوں نے میری منگوا کر میرا منہ زبردستی سے کھول دیا۔ تو میں

منہ بولی عابدین رکھ دیا۔ میری ہنسی دیکھ کر وہ کہنے لگے تم تو کوئی پاگل ہو۔ تو میں نے جواب دیا: خدا کی قسم میں مجنوں یا پاگل ہرگز نہیں ہوں۔ اور میں نے شیطان کے آنے اور اس کی وسوسہ اندازی کے واقعہ سے انہیں آگاہ کیا جسے سن کر وہ بہت ہی متعجب ہوئے۔

پھر وہ بزرگ فرمانے لگے کہ حاجی کے زمانہ میں سفر کے دوران میں نے ایک بڑی مسجد میں قیام کیا جو بازار سے کافی فاصلے پر تھی۔ اور میں نے مشائخ کی سنت کے مطابق سفر خرچ سے خالی ہاتھ تھا۔ جب میں نے آرام و سکون اندازی شروع کی کہ یہ مسجد آبادی سے بہت دور ہے۔ اس مسجد میں قیام کے بجائے اگر میں کسی مسجد میں قیام کرتا جو آبادی میں واقع ہو تو وہاں تیرے خورد و نوش کا انتظام ہو سکتا تھا۔ میں نے اس کے جواب میں کہا کہ میں یہیں رہوں گا۔ اور خدا کی قسم میں حلوے کے سوا کوئی شے نہیں کھاؤں گا یہی نہیں۔ اور ضرورت بھی اس وقت تک نہیں کہ وں گا جب تک ایک ایک لقمہ کر کے میرے منہ میں نہ ڈالا جائے چنانچہ میں نے وہاں نماز عشاء ادا کی اور مسجد کا دروازہ بند کر دیا۔ جب رات کا تہائی حصہ گزر گیا تو اچانک کسی شخص نے جس کے ہاتھ میں شمع تھی مسجد کا دروازہ کھٹکھٹایا جب میں نے کافی زور سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا تو میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا ہے جس کے ساتھ ایک نوجوان ہے۔ بڑھیا دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ اور میرے سامنے حلوے سے بھرا ہوا ایک تھال رکھ دیا۔ اور کہنے لگی یہ نوجوان میرا لڑکا ہے جس نے یہ حلوہ اس کے لیے تیار کیا تھا۔ اور گھنٹہ بھر کے دوران میں نے قسم کھائی کہ میں یہ حلوہ اکیلا نہیں کھاؤں گا بلکہ کسی مسافر کے ساتھ کھاؤں گا یا اس مسافر کے ساتھ جو اس مسجد میں ہے۔ اس لیے تو اے اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرما۔ اس کے بعد بڑھیا نے لقمے بنا کر ایک میرے منہ میں دوسرا اپنے لڑکے کے منہ میں دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہم نے سیر ہو کر کھا لیا۔ پھر وہ نوجوان اور بڑھیا واپس چلے گئے اور میں نے مسجد کا دروازہ بند کر لیا۔ اس واقعہ پر میں دل ہی دل میں دیر تک متعجب ہوتا رہا۔

اے مخاطب! یہ اور اس طرح کے ہزاروں واقعات ہیں جو صابرین سے مجاہدے اور مخالفت شیطان کے طور پر وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اس طرح کے واقعات سے ہمیں تین طرح کے فائدے حاصل ہوتے ہیں:

(۱) اول یہ کہ تم جان لو کہ جو رزق مقدر ہو چکا ہے وہ بہر حال انسان کو ملے گا۔

(۲) دوم یہ کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ رزق دراصل میں توکل ایک اہم شے ہے۔ دوسرے کہ رزق کے معاملہ میں شیطان کے فریب اور وسوسے نہایت ہولناک اور تباہ کن ہیں جن سے محفوظ نہ رہنے کے سبب بڑے بڑے کے زاہدین، ائمہ کرام اور بزرگان دین جن کی عمریں مجاہدات اور ریاضات شاقہ کے باوجود بیس تیس گھنٹے سے زیادہ نہ تھیں ان ائمہ کرام کو ان وساوس سے محفوظ رہنے کے لیے کیسے کیسے جتن کرنے پڑے۔ اور خدا کی قسم ہو شخص ستر برس سے مجاہدات و ریاضات میں مصروف ہو وہ بھی شیطانی وسوسوں سے مامون و محفوظ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح بندگی اور غافل لوگ کن کن وساوس و خطرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اور اگر نفس و شیطان کا ذرا بھی دخل ہو جائے تو وہ سب کے سب رکھ دیں جس طرح وہ غافل اور بے خبر بندوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ (فی ذیل عبارۃ زولی ایضاً)۔

(۳) ائمہ کرام اور بزرگان دین کے اس طرح کے واقعات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رزق کے سلسلہ میں توکل کی منزل کو شش شدید اور بار بار توجہ کے بغیر طے نہیں ہوتی اور وہ ائمہ کرام اگرچہ تمہاری طرح نوکری، تجارت، زراعت یا کوئی اور کام نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے بدن سے زیادہ دماغ اور ان کے علم سے زیادہ ضعف اور ان کی ہڈیاں گوشت سے زیادہ پتلی تھیں لیکن ان میں قوت علم اتنی نور یقین تھی۔ اور دین کے معاملہ میں ان کی ہمت قوی تھی کہ وہ اس قدر سخت مجاہدے کرتے رہے یہاں تک کہ ان بلند مقامات پر فائز ہوئے ——— ان بزرگان دین کی زندگیوں کے مقابلے میں ذرا اپنی حالت بھی غور سے دیکھو تمہیں پتہ چلے کہ اس سلسلہ میں ہماری کیا حالت ہے اور آخرت میں فلاح پا سکو۔

فصل

اب میں اس سلسلے میں تمہیں چند ایسے نکتے بتاتا ہوں جو میرے مطالعہ میں آئے ہیں۔ اور جو بہت دنوں تک غور کرنے سے تمہارے قلب میں بارش نور کی طرح نازل ہوں گے اور توکل فی رزق کے سلسلے میں وہ کش مکش ختم ہو جائے گی۔ اور ان پر عمل کرنے اور ان میں غور و تامل کرنے سے تمہیں [illegible]

ان کے حق میں نصیب نہ ہوتے کی ۔۔۔۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ شوق

پہلا نکتہ :

تمہیں یہ یقین کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں تمہارے رزق کی ضمانت و کفالت کا ذمہ لیا ہے۔ اس لیے کہ تم میں سے کوئی بادشاہ تم سے یہ وعدہ کرے کہ آج شام تمہارے گھر پر مہمان ہے اور تمہیں اس کے متعلق یہ گمان بھی ہو کہ یہ اپنی بات پر پختہ ہے اور یہ سچا ہے جھوٹا نہیں وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ بلکہ اگر ایک بازاری یا کوئی یہودی یا نصرانی یا کوئی آتش پرست جس کا تمہیں پتہ بھی نہ ہو تم سے یہ وعدہ کرے تو تم فوراً اس کی بات پر اعتماد کرو گے اور اس کی بات پر مطمئن ہو جاؤ گے اور رزق کے معاملہ کے سلسلہ میں اس کی بات پر بھروسہ کرنے لگو گے

جب تم ایک مخلوق کی بات پر اعتماد کرتے ہو اور اپنے حسن ظن کے باعث یقیناً اس پر مطمئن ہو جاتے ہو تو افسوس ہے کہ اپنے پروردگار کی بات پر اعتماد نہیں کرتے جس نے رزق کے متعلق نہایت سچے وعدے میں ضمانت و کفالت کا وعدہ فرمایا ہے۔ صرف وعدہ ہی نہیں فرمایا بلکہ قرآن پاک میں متعدد جگہ پر اس وعدہ رزق پر قسمیں کھائی ہیں۔ افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان تاکیدی وعدوں سے باوجود رزق کے معاملہ میں تمہارا دل مطمئن نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی کفالت و ضمانت پر سکون پذیر نہیں ہوتا۔ اور رزق کی تقسیم کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ تمہارا قلب مشوش اور مضطرب رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اتنے پختہ وعدوں پر عدم اعتماد کے وبال کا کشف تمہارے اوپر ہو جائے اور اس کی پرسش اور ہیبت کا اندازہ ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں :

۱ اطلب رزقک من عند غیرہ ۔۔۔ وتنسہ من خوف تعوّقہ منا

۲ وترضی بذا ذنب وتسکن منہ کی ۔۔۔ ضمنہ ولا ترضی بربک ضامنا

۳ کیف تقنو وہو فی سکنات ہ ۔۔۔ قد صحبت منحوس بیقین مبدیا

ترجمہ : کیا تم رب تعالیٰ کے سوا دوسروں سے رزق طلب کرتے پھرتے ہو اور اس ذات سے تم رزق کے عوقب و مصائب سے ڈرتے ہو۔ اور اس ذات کے ضمان پر اعتماد نہیں کرتے جو ضامن ہے اور تم ایک گناہ گار کے ضمان پر راضی ہو اور اس پر سکون پذیر ہو۔ کیا تم نے ایک ایسے شخص کی صحبت اختیار کی ہے جو یقیناً منحوس ہے۔

(۲) افسوس کہ تم ایک مشرک صراف کے ضامن بننے پر راضی مند ہو جاتے ہو مگر اپنے پروردگار کی ضمانت پر تمہیں اعتماد نہیں۔

(۳) گویا تم نے رزق کے متعلق آیات خداوندی کو پڑھا ہی نہیں۔ اس لیے تم رزق حق سے جدا اور یقین سے برگشتہ معلوم ہوتے ہو۔

رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر عدم اعتماد ایک ایسی تباہ کن چیز ہے جو انسان کو شک و شبہ میں مبتلا کر دیتی ہے اور ایسے شخص کے متعلق خدشہ ہے کہ اس سے کہیں دین و ایمان کی دولت سلب نہ ہو جائے ـــــ (العیاذ باللہ) ـــــ اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ — اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم ایماندار ہو۔

اور فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ — اور ایمانداروں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

دین کا صحیح احساس رکھنے والے ایماندار کے لیے صرف یہی ایک نکتہ کافی ہے ـــــ

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

دوسرا نکتہ:

قرآنی آیات اور ارشادات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہایت صحت کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ ہر ایک کا رزق ازل سے تقسیم ہو چکا ہے۔ اس لیے ہمیں اس تقسیم خداوندی پر یقین ہونا چاہیے اور اس امر کا بھی اعتقاد ہونا چاہیے کہ اس کی تقسیم میں تغیر و تبدل نہ تقدیم و تاخیر ممکن ہے تو کرم ان دلائل کے باوجود تقسیم ازلی کا انکار کرنا یا اس میں ردوبدل کو جائز خیال کرنا تو یہ صریح کفر ہے ـــــ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ ـــــ اور جب ہمیں اس امر کا یقین ہو چکا کہ اس میں ردوبدل ناممکن ہے تو اس سلسلہ میں اہتمام اور طلب و جستجو سے کیا فائدہ۔ اس عقیدہ کے ہوتے ہوئے پیہم تلاش و جستجو دنیا میں ذلت اور خواری اور آخرت میں تنگی اور خسران کا باعث ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے:

مکتوب عن فلان بن فلان الی فلان

رزق فلان من فلان زیادۃ

معلوم لا یجوز۔

کسی فلاں ابن فلاں کی طرف سے کسی فلاں کو

فلاں کا رزق فلاں کے ہاں سے زیادہ ہے

معلوم ہے جائز نہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

زمانہ قدیم ضعیف لوگ یہ

فلا یجتمع خوف فقر رزق

زیادۃ ناقص ولا تطمئن بکثرۃ۔

بیشک بعض قوموں کو بہت سے مقدر ہوتا

ہے نہیں ان کو فقر نہیں ہو سکتا اور جس

حصہ کے رزق کو وہ ساتھ لے کر

دنیا میں آتا ہے

دانش مند شخص کے لیے یہ دوسرا نکتہ بھی ایک بہت اہم نکتہ ہے۔

تیسرا نکتہ:

یہ نکتہ بھی شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے جسے انہوں نے اپنے کسی شاگرد رحمۃ اللہ سے نقل فرمایا ہے کہ:

میں نے شیخ کے شاگرد رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: رزق کے معاملہ میں بہت تنگ دل ہوں لیکن جو وجہ ہے کہ میں نے اپنے نفس سے کہا کہ یہ رزق زندہ انسانوں کے لیے ہی تو ہے۔ مُردوں کو رزق سے کیا تعلق۔ وہ بس تم انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کے خزانے اور اس کے دست قدرت میں ہے اسی طرح رزق بھی اسی کے دست قدرت میں ہے اپنے کو بے چین نہ کرے۔ اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی مشیت پر تکیہ کرے۔ وہی جیسے چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے۔ اور مجھے اپنے نفس کو سکون و قرار میں رکھنا چاہیے۔

اس نکتہ کے بعد یہ نکتہ بھی بہت مفید ہے۔

چوتھا نکتہ: اللہ تعالیٰ ہمارے رزق کا ضامن و کفیل ہے مگر اس حد تک ہونا ور

تربیت میں کام دے سکے، زیادہ کا نہیں۔

باقی رہا کھانا پینا، تو جب بندہ عبادت الٰہی کے لیے لوگوں سے علیحدگی اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ پر پوری طرح بھروسہ کرے، تو بسا اوقات خورد و نوش کے ظاہری اسباب سے رک لیے جاتے ہیں اور ظاہری اسباب کے رک جانے پر نہ تو بندے کو ملول ہونا چاہیے اور نہ ہی اس کی کچھ پروا کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ جب حقیقت امر یہ منکشف ہے کہ اس کی زندگی باقی ہے تو اللہ تعالیٰ نے میرے بدن کو قائم رکھنے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اور توکل کی حقیقت یہی ہے صرف اسی قدر ہے کہ وہ ہلاک نہ ہو اور اس کا جسم قائم رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی ذمہ فرمائے وہ تاکہ جب تک اس کی زندگی ہے عبادت اور خدمت حق میں وہ بندہ پوری توجہ سے مشغول رہے۔ اور مقصود بھی یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح انسان کا جسم قائم رہے تاکہ وہ رب تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے۔ اور خدا تعالیٰ کو قدرت ہے کہ جب تک چاہے کسی بندے کے بدن کو قائم رکھے چاہے غذا کے اور پانی پینے کے ذریعہ باقی رکھے یا کہ بغیر کسی تسبیح و تہلیل کے ذریعہ باقی رکھے جیسے فرشتے تسبیح و تہلیل سے غافل ہیں۔ اور چاہے تو بغیر کسی سبب کے باقی رکھے۔ اور مقصود تو عبادت اور خدمت حق میں بقائے بدن ہے چاہے جس طرح بھی باقی رہے۔ بندے کو اس وقت تک شغول رہنے کے لیے تو پیدا نہیں کیا گیا کہ خود کو اس کے لیے مرغن غذائیں ہی تناول کرتا رہے۔

ہمارے اس مذکورہ بیان سے واضح ہو گیا کہ جو صوفیاء سب کے سب ہی چند دن تک نہیں۔ چونکہ یہ پیغام بزرگان دین اور زاہدین امت کے قلوب میں پوری طرح جاگزیں تھا اس لیے وہ طویل مسافتیں ہی کئی کئی راتیں اور دن ہاتھ پر ہاتھ کاٹ لیتے تھے چنانچہ ان میں سے کئی دس روز کچھ نہیں کھاتے تھے اور بعض ایک ایک ماہ اور بعض دو دو ماہ تک کچھ نہ کھاتے پیتے نہ رہتے تھے اور اس کے باوجود ان کی بدنی قوت بحال رہتی تھی۔

واقعہ ایسے بھی تھے جو صوفیاء بیت پھر تک بیٹھے تھے اور وہی ان کو غذا کا کام دیتے تھے جیسا کہ حضرت عفیف تاوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ مکہ معظمہ میں آپ بیمار ہو گئے تو آپ مسلسل پندرہ روز بیت پر گزارتے رہے۔

ابو عمارہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے

مسلسل نہیں۔ وہ گاہے گاہے پڑتا رہتا ہے۔ اور حضرت عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ مجھے ایک دفعہ حضرت بزرگ مسیب بن ابو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ملے اور کہنے لگے ایک ماہ سے میں نے کچھ نہیں کھایا پیا۔ بلکہ دو ماہ سے اور اس دو ماہ کے عرصہ میں صرف ایک دفعہ ایک شخص نے خدا کی قسم دے کر کچھ تھوڑے سے انگور کھلا دیئے اور اس بات پر میں اب تک اپنے تئیں گناہگار سمجھتا ہوں۔

میں کہتا ہوں اے طالب! تجھے ایسے بزرگان دین اور بزرگان سلف کے ایسے واقعات سن کر متعجب نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

اور اس سلسلے میں تمہارے سامنے دو مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ بعض مرغابیاں ایک ایک ماہ اور دو دو ماہ بغیر کھائے پیئے زندہ رہتی ہیں۔ حالانکہ ہمارا جسمانی طور پر تندرست آدمی سے زیادہ کمزور اور کمزور ہوتا ہے۔ اور جو شخص ایسے نوافل میں بھوک سے ہلاک ہو جائے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اس کی نیت صرف اتنی ہی تھی۔ نہ یہ کہ خدا پر توکل کرنے سے اس پر موت وارد ہوتی جس طرح بعض لوگ خوب سیر ہو کر کھا لینے کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔

اور ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ سے بوسعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ سلسلہ میں میرا دستور تھا کہ ہر تیسرے روز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے ایک مسئلہ معلوم کرنا پڑا۔ اس وجہ سے تین روز رہے پر میں نے کچھ کھانے پینے کی کوئی صورت مہیا نہ ہو سکی۔ آخر چوتھے روز میں نے کچھ مزدوروں کی موجودگی کی وجہ سے کھانا تیار ہوتے دیکھا۔ تو اچانک غیب سے آواز سنائی دی اے بوسعید! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ضرورتیں پیش تو ہم کریں اور تجھے صرف اس قدر احسان ہے کہ تجھے کھانے پینے کی قوت دے دی جائے۔ میں نے عرض کیا مجھے صرف قوت کافی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد مجھے برابر قوت دی جاتی رہی اور میں مسلسل بارہ روز کچھ کھائے پیئے بغیر رہا۔ اور مجھے کچھ تکلیف محسوس نہ ہوئی۔

تو اے طالب! دیکھ کہ فاقہ کشی کے سلسلہ میں کتنے کتنے واقعات ہو رہے ہیں۔ اور اس کا خدا تعالیٰ پر توکل ہی ہوا سے یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ضرور اپنی قوت سے مدد فرمائے گا۔ تو کشی سبب پر قول نہ کر۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کر کہ اس بات پر کثرت سے شکریہ ادا کرنا ہے کہ اس نے اپنے خصوصی احسان کرم فرمائی اور مہربانی سے مشقت سے بچا کر فضیلت بخشی ہے

مہ فرز فرمایا اور مقصود اصلی تک پہنچایا۔ اور خورد و نوش کے سبب سے بیماری کی پریشانی اور موت سے نجات عطا فرمائی۔ اور عادت کے سوا سے قوت و حرکت فرمائی اور کھانے پینے کی یاد کی قدرت نصیب فرمائی اور اس کے حال کو ملائکہ کرام کے حال کے مشابہ کر دیا۔ اور اس عامۃ الناس کے حال سے بلند کر لیا۔ اور اپنے قرب کی عزت سے سرفراز فرمایا۔

ہمارے اس بیان میں سنجیدگی سے غور کرو تاکہ تمہیں نفع کثیر حاصل ہو۔ وباللہ التوفیق۔

میں کہتا ہوں شاید تو یہ سمجھے کہ رزق کے موضوع پر تم نے گفتگو کا سلسلہ خوب طول دراز کر دیا ہے۔ حالانکہ تم کہہ چکے ہو کہ اس کتاب میں اختصار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتے۔ میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم! رزق کا معاملہ جس قدر ہم رزق کے متعلق کی نسبت بیان کرتے ہیں اس سے قلیل و مختصر ہے۔ کیونکہ رزق ایک ایسی چیز ہے جس پر دنیا و دین کے تمام امور کا دارومدار ہے۔ تو عبادت خداوندی کے لیے جس کی ہمت قوی ہو اسے چاہیے کہ ہماری بیان کردہ باتوں پر یقین سے عمل پیرا ہو۔ اور اس کے متعلق اسلامی حکام کی پیروی نہایت محفوظ رکھے۔ اور کوئی شخص نہیں کر سکتا تو وہ مقصود سے بہت ہی دور ہے۔

اور وہ چیز جس سے تم پر یہ سر دہ منکشف ہو کہ رزق کے معاملہ میں مخلوق کی طرف سے حقوق اور زیادتی دین کس قدر بصیرت کاملہ کے مالک تھے یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کی ہر ہر منزل میں عبادت کی حرص پوری توجہ اور مخلوق سے تعلقات منقطع کرنے پر رکھی تھی۔ انہوں نے اس موضوع پر کس کثرت سے کتب تصنیف فرمائیں اور وصال کے وقت اس معاملہ میں کیا کیا وصیت کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے دین میں ان کے لیے کیسے مخلص معاونین اور دوست پیدا کر دیئے تھے کہ خلف اہل سنت و جماعت کے عقائد و اسلاف عابدوں اور زاہدوں وغیرہ کو ان میں ایک نقطہ بھی عیب نہیں ملا۔ جیسے کہ ربیعہ وغیرہ۔ اس لیے کہ ان کے عقائد کی بنیاد ہی ان سب عقائد کے خلاف پر تھی۔

اور ہم اہل سنت و جماعت جب تک اپنے ائمہ دین اور بزرگان سلف کی سیرت اور ان کے طریق قدم پر چلتے رہے تو خدا اور مخلوق کی نظروں میں مکرم و معظم رہے۔ اور مدتوں سے ہم عبادت کے کاموں سے علماء و خلائق کے پیشوا بن کر رہتے رہے۔

چنانچہ علماء میں سے ابو اسحاق، ابو حامد، ابو الطیب، ابن شریح اور ان کے بعد شیخ رحمۃ اللہ علیہ جیسے متقدمین ہمارے امام اور پیشوا ہیں۔ اور عبادت میں ابو اسحاق شیرازی، ابو سعید اصطخری اور ان کے مقدس جیسے پاکیزہ صفت ہمارے رہبر ہیں۔ یہ لوگ علم و فہم میں دقیق تر بین لوگ تھے۔ فسوس کہ ہمارے قرب ان حضرات کی متابعت سے کمزور و ضعیف ہو گئے۔ اور ہم ایسے اخلاق میں مبتلا ہو گئے جن کا نہ نفع سے کوئی زیادہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں دین کے معاملہ میں جرأت و قوع ہوئی ہمیں پست ہمتیوں نے گھیر لیا۔ اور عبادت کی لذتیں اور حلاوتیں ہم سے چھن گئیں۔ اب یہ امید مشکل ہو گئی ہے کہ عبادت میں کسی کا دل پوری درست ہو جائے اور سچی طلب نصیب ہو جائے۔ اور جس میں یہ توفیق دین و معرفت کی عمدہ روشنی موجود ہے وہ صرف حدیث کی سبق محمد بن ادریس شافعی مزنی اور حرملہ و ربیع و ائمہ متقدمین کی اقتداء و پیروی کا صدقہ ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ جیسا کہ

باب شوافع سلاف کی ان اشعار میں صفت بیان کی ہے:

(۱) وھم صحبوا الایام لا عن تفقہ ۔۔۔ وما وجدوا من صحب سبعۃ بحر

(۲) فکم فرض صحیح اھل ولایۃ ۔۔۔ فی سیئ السنوات نزر بعوز نقصہ

(۳) فھل سقط الصبر من کف صابر ۔۔۔ وھل سلمت الارض من عقم عقرا

ترجمہ: (۱) وہ زمانے میں نہایت علمت و پاکیزگی کے ساتھ رہے۔ اور ان کے پیچھے کوئی

نعمان کی محبت کے سوا کوئی چیز بھی باعث تسلیم و سکون نہ ہوئی

(۲) بڑے بڑے فاضل و صدیق اسلاف جو ان کی ولایت تھے ہمیشہ ان کی توجہ

سید السادات یعنی رب تعالیٰ کی طرف ہی رہی۔

(۳) زمانہ کے مصائب اور حوادث سے بڑے بڑوں کے صبر کی گرہیں کھول دیں مگر

ان قدسی نفوس کے صبر کی ایک گرہ بھی نہ کھول سکے۔

ہم اہل اسلام اصول میں دین اسلام کی پیروی کے باعث بادشاہ تھے۔ لیکن اس سے

زمانہ کی گردش سے اب ہماری پوزیشن ایک بازاری شخص سے زیادہ نہیں ہم دین و دنیوی سعادت

سے بہرہ ور تھے۔ مگر اب پیچھے سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اور سب خسارہ ہے کہ نہیں دنیا

سے بھی نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہی مصائب پر ہمارا مددگار ہے۔ اور اسی سے خصوص قلب کے ساتھ

التجا ہے کہ دین کی جو معمولی سی تم ہم میں باقی ہے وہ سلب نہ کرے۔ اِنَّہٗ جَوَّادٌ کَرِیْمٌ مَنَّانٌ رَءُوْفٌ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

تفویض کا بیان

تفویض کے معنی ہیں جملہ امور خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دینا۔ تفویض کی پوری حقیقت اور تفویض سمجھنے کے لیے دو چیزوں کا سمجھنا ضروری ہے:

ایک یہ کہ کسی چیز کے پسند یا ناپسند کا امتیاز وہی کر سکتا ہے جو ہر شے سے بہتر ہو اور اس کے ظاہر باطن، حال اور انجام سے پوری طرح آگاہ ہو۔ جس شخص کو اس قسم کا علم نہ ہو وہ اچھی بری چیز اور غلط صحیح میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ کسی بدو یا دیہاتی یا پردیسی سے آپ کبھی گئے کہ یہ درہم اچھا کھوٹا ہے یا کھرا ہے؟ کیونکہ وہ اس وصف سے خالی ہے۔ اسی طرح آپ کسی شہری سے بھی یہ بات نہیں کہیں گے جو صراف نہ ہو۔ کیونکہ وہ بھی یہ کام مشکل ہی سے کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام کاموں کے لیے اسی شخص کی طرف رجوع کرتے ہیں جو ہر وصف تو درجۂ کمال پر ہو کے ہر نقص سے پوری طرح واقف ہو۔

اور ہر شے کے متعلق اس طرح کا علم محیط بجز ذات رب العزت کسی کو حاصل نہیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو لائق نہیں کہ خود کی تدبیر اور کسی امر کے پسند یا ناپسند کا فیصلہ خود کرے بلکہ تدبیر و اختیار کا یہ جملہ وصف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہی مختص ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام میں فرماتا ہے:

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ	اور تیرا رب ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور
مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ	جسے چاہتا ہے پسند فرماتا ہے ان کو پسند
	نہ پسند کوئی اختیار نہیں۔

پھر دوسرے مقام پر فرمایا:

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ	اور تیرا رب ہی جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں
وَمَا يُعْلِنُوْنَ۔	جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

نقل ہے کہ کسی بزرگ کو خدا کی طرف سے اشارہ ہوا آپ جو چاہیں مجھ سے مانگیں آپ کو عطا کیا جائے گا۔ وہ وہ بزرگ مستجاب الدعا تھے۔ تو آپ نے جواب عرض کیا! سبحان اللہ! وہ ذات جو جمیع علوم پر حاوی ہے ایک ایسے جاہل سے فرماتی ہے مانگ جو مانگنا چاہتا ہے۔ مجھے یہ معلوم کہ میرے لیے کون سی چیز بہتر ہے اور کون سی بہتر نہیں۔ بلکہ جو تجھے پسند ہے وہی مجھے پسند ہے۔

تفویض کے لیے دوسری اس چیز کو ذہن میں رکھنا بھی ضروری ہے کہ اگر ایک شخص تجھ سے یہ کہے کہ تیرے سب امور میں انجام دیتا ہوں اور تیری تمام حاجات کی تدبیر میں کرتا ہوں اس لیے تو اپنے جملہ امور میرے حوالے کر دے اور تو اپنے کسی امر کو بھی انجام دینے میں مشغول نہ ہو۔ اور یہ کہنے والا شخص تیرے نزدیک ایک دانشمند امور سے واقف ہو اور جس میں قوت حاکمہ کا مالک ہو اور اپنے ارادے کو پورا کرانے کی قوت رکھتا ہو اور وہ تجھ پر رحیم و کریم بھی ہو۔ اس کے ساتھ وہ شخص متقی و پرہیزگار اور صادق القول بھی ہو۔ تو ایسے شخص کی اس عظیم پیشکش کو اپنے حق میں عظیم ترین غنیمت نہیں سمجھے گا اور بہت بڑی نعمت شمار نہیں کرے گا اور اس کی انتہائی حسن مندی کا معتقد نہیں ہوگا۔ اس کے تقرب اور صفت دانائی میں تردد نہیں کرے گا، یقین نہ کرے گا۔

پھر جب وہ شخص تیرے لیے وہ چیز پسند کرے گا جس کی اچھائی تجھ پر واضح نہ ہو تو اس کی اس پسندیدگی پر ہرگز تو ناراض اور ناپسندیدہ خوش نہیں ہوگا۔ بلکہ تجھے اس پر پورا اعتماد و بھروسا ہوگا۔ اور تیرے دل کا میلان اس کی طرف ہوگا۔ اور تجھے یقین ہوگا کہ یہ شخص وہی چیز میرے لیے منتخب کرے گا جو میرے لیے بہتر اور زیادہ خیر ہے اگرچہ بعض اوقات وہ چیز تجھے ناپسند ہو لیکن تو اس پر کامل اعتماد کرے گا۔

جب تو ایک انسان پر اس طرح کا اعتماد کر سکتا ہے تو تجھے کیا ہے کہ اپنے پروردگار جل جلالہ کے سوا کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ حالانکہ وہی ہے جو زمین و آسمان کے تمام کی تدبیر کرتا ہے اور وہ ہر شخص سے زیادہ عالم ہے اور تمام مخلوق سے زیادہ قدرت رکھتا ہے اور ہر شخص سے زیادہ رحیم ہے اور ہر شخص سے زیادہ خیر ہے۔ وہ تجھے کامل علم و احسن تدبیر سے وہ چیز تمہارے لیے منتخب کرے گا جس تک تمہارا وہم و گمان نہیں جا سکتا۔

جب تو یہ جان لے کہ تیرے لیے بہتر اور مفید اور زیادہ خیر کا ضامن ہے۔ تو تجھے چاہیے کہ اس کے ساتھ محبت و تعلق سے

لاتا رہے ان پر راضی رہے۔ اگرچہ اس کا حسن و قبح بجھ پر منکشف نہ ہو۔ کیونکہ خدا کی طرف سے جو چیز ہوگی وہ تیرے حق میں بہتر اور بہتر ہی ہوگی ——— واللہ الموفق

رضا بالقضا کا بیان

رضا بالقضا کے سلسلے میں بھی دو امر ذہن نشین کرنے ضروری ہیں تاکہ حقیقت حال کی وضاحت ہو جائے۔

ایک تو یہ کہ رضا بالقضاء کا حال اور عمل میں کیا فائدہ ہے؟

فی حال تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ فراغت قلب و ریحۂ فکر و آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب قضا و قدر حق ہے تو مصیبت زدگی میں غور و فکر بے معنی ہے۔ اور اس کی اصل وہ حدیث شریف ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضور نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

لِيَنْزِلْ هَمَّكَ وَمَا قَدْ يَكُونُ بِمَا لَمْ يَكُنْ وَمَا لَمْ يُقَدَّرْ لَهُ يَا بُنَيَّ

یعنی مسعود! تجھے اس معاملے میں غور و تشویش نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ جو نہیں ہوا ہے وہ آئندہ ہوگا اور جو تیرے لیے مقدر نہیں ہوا ہے وہ ہو نہیں سکتا۔

یہ کلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام مبارک ہے جو نہایت جامع و مانع ہے کہ تمام مسائل متعلقہ اس کے مرکب شدہ معانی پر مشتمل ہے۔

اور رضا بالقضا کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ قضاء پر راضی ہونے والے انسان کو اللہ تعالیٰ اجر و ثواب عطا فرماتا ہے کہ دنیا میں بھی اس شخص کو اپنے رب کی رضا اور خوشنودی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَرْضَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ يَسْخَطْ فَلَهُ السَّخَطُ

جو راضی ہوا اس کے لیے رضا ہے اور جو ناراض ہوا اس کے لیے ناراضی ہے۔

اس کے برعکس جو شخص قضا و قدر کے فیصلوں پر ناراض ہوتا ہے اور پریشانی و بے چینی کا شکار ہوتا ہے وہ آخرت میں بھی محروم ہوتا ہے اور عذاب کا سبب بنتا ہے۔ بلکہ قضا و قدر کی تلخی اور ناگواری کی تلخی اور ناگواری اس سے دور نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

۱۔ مالی بضعفی نفسی تصبری لہ ۔۔۔ تنال الحسنیٰ من لدنی لتقدر

۲۔ وتخشی ان مقدر کی ۔۔۔ حتوسبت صبرت ام لم تصبر

ترجمہ: اے نفس! تیرا کیا حال ہے جو کچھ تقدیر سے تجھ پر گزرا اور جو کچھ تیرے لیے مقدر ہے اس سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ بچ کر نہیں جا سکتا۔

(۲) اور اس بات پر یقین رکھو کہ جو کچھ مقدر ہو چکا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا چاہے تو صبر کرے یا بے صبری کا مظاہرہ کرے۔

اور عقلمند انسان وہ ہے جو اس چیز کو اختیار نہیں کرتا جو ثابت نہ ہو اور مذموم اور عیب سے خالی نہ ہو اور اس سے بچنے اور دور رہنے کی کوشش کرتا رہے۔

دوسری قسم کی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر میں نقصان کا اندیشہ اور عیب و مذمت کی وجہ سے ناقابل عمل ہونے کے باعث اپنے پیمانہ عمل کے مطابق انسان جس وقت کفر و نفاق میں مبتلا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کرو:

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً ۔۔۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ کبھی نعمت کو نہیں بدلتا

يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۔۔۔ جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں

ثُمَّ زَيَّنَّا لَهُمُ السَّيِّئَةَ ۔۔۔ پھر ہم نے ان کے لیے برائی کو مزین کر دیا

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا ۔۔۔ پھر برے کام کرنے والوں کا انجام

السُّوأَىٰ ۔۔۔ برا ہوا

اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں اس شخص کے بیان کی ہے جس کی نعمت زائل ہو گئی اور نفسی بیماری پر قسم کھائی ہے جو نفس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پسند نہ آئے۔ اور جس کے فیصلہ سے دل میں تنگی اور بے چینی محسوس ہو۔ اسے تو جو شخص فیصلہ خداوندی کو تسلیم نہ کرے بلکہ اس سے ناراض ہو وہ کیسے مومن ہو سکتا ہے؟ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے یہ قدسی حدیث مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

من لم یرض بقضائی ولم یصبر ۔۔۔ جو میری قضا پر راضی نہ ہو اور صبر نہ کرے

علی بلائی ولم یشکر لنعمائی ۔۔۔ میرے انعامات پر شکر نہ کرے

فلیتخذ الٰہ سواہ۔ کردہ نعمتوں کا شکر نہ ادا کرے تو اب کوئی اور

بھی اس کا رب بنا لے۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ گویا یوں فرماتا ہے کہ یہ شخص جب مجھ سے راضی نہیں ہوتا میری تقدیر پر ناک منہ چڑھاتا ہے تو پھر یہ اپنا رب کوئی اور بنا لے جو اس کو پسند آ جائے۔ عقلمند بننا ہے یہ تو اللہ

زبردستی منوانے کی باتیں ہیں۔ ایک بزرگ سے جب عبودیت اور ربوبیت کا معنی دریافت کیا گیا

تو اس نے کیا ہی اچھا جواب دیا۔ چنانچہ فرمایا:

"ربوبیت یہ ہے کہ رب تعالیٰ جو چاہے حکم کرے۔ اور عبودیت یہ ہے کہ بندہ اس کے ہر حکم اور قضا کو بلا چون وچرا تسلیم کرے۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم دے تو بندہ نہ تو اس کی تعمیل کرے اور نہ اس کو پسند کرے تو وہاں عبودیت اور ربوبیت کچھ بھی نہیں۔

اس میں غور کرو اور اپنے حال کو عبودیت کے مطابق بناؤ تاکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی مدد توفیق سے حصہ نصیب ہو۔

صبر کا بیان

صبر ایک کڑوی دوا ہے اور نفس کو تلخ ہے۔ لیکن نہایت بابرکت اور روح کی صحت کا موجب اور ذریعہ ہے اور ہر حر کی صحت کو فتح کرتا ہے۔ جب دوا پینی ہی پڑتی ہے تو عقلمند انسان بیماری پر جبر کر کے بھی دوا استعمال کرتا ہے اور ہنستے ہنستے دوا پیٹ میں ڈال لیتا ہے۔ اور اس کی تلخی اور تیزی کو برداشت کرتا ہے۔ اسی طرح یوں کہنا ہے کہ اس دنیا کی تلخی تکلیف کو برداشت کرنا ہے۔ اور یوں کہنا ہے کہ اس دنیا کی تلخی تکلیف کو برداشت کرنا ہے۔ اور یوں کہنا ہے کہ اس دنیا کی تلخی تکلیف کو برداشت کرنا ہے۔

اب ہم ان منافع کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو صبر سے حاصل ہوتے ہیں۔

جان لو کہ صبر چار قسم کا ہے:

(۱) صبر علی طاعۃ (۲) صبر عن معصیۃ۔

(۳) صبر علی قضاء اللہ۔ (۴) صبر علی مصائب الدنیا۔

جب کوئی شخص صبر کی ان چاروں قسموں پر دل و جان سے

[illegible] تقویٰ اختیار کرنے کی نعمت عظمیٰ نصیب ہوتی ہے۔ آخرت میں قرب الٰہی کا مستحق بنانے والے شخص کو دنیا میں ناپسندیدہ امور اور ناپسندیدہ حالات پر صبر کرنے کا بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں گناہوں کے وبال میں مبتلا ہونے سے بچ جاتا ہے نیز ایسا شخص طالب دنیا کو ترک کر دیتا ہے اور اس کا پورا وقت زندگی دنیوی مشاغل دنیوی سے الگ رہتا ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے عذاب آخروی سے بھی محفوظ رہے گا۔ اس کے اعمال خیر بھی ضائع نہیں ہوتے اور دنیوی تکلیف و آزمائش میں ثابت قدم رہتا ہے اور آسائش دنیا حاصل نہ ہونے پر بے چین و بے قرار نہیں ہوتا۔ تو صبر سے انسان کو کون سی نعمت حاصل ہوتی ہے اس کے واجبات عالیہ اطاعت کا ثواب، تقویٰ، زہد اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بدلہ اچھی جزا اور قرب کثیر حاصل ہوتا ہے۔ اور فوائد کی پوری تفصیل درحقیقت خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

صبر فضائل رسان بیچیدن کو دور کر دیتا ہے:

صبر کی وجہ سے بندہ تو ان تمام بے صبری سے پیدا ہونے والی جزع فزع کی مشقت سے بچ جاتا ہے اور دنیا میں بے صبری کے بعد مصیبت دور کرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ پھر آخرت میں صبر پر بے حساب اجر ملے گا۔ اس لئے کہ انسان جب صبر کرے تو اللہ کی زبان اور ذکر سے اس کی ہر مصیبت ختم ہو جاتی ہے اور وہ جزع و فزع اور ناشکری کی مشقت سے بچ جاتا ہے۔ کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی بجا لانے کی نعمت پر صبر نہیں کرے گا تو اطاعت و بندگی کرنے کی نعمت سے محروم رہے گا اور اس اطاعت پر ثواب نہ پا سکے گا جو بے صبری کے باعث اطاعت پر ثواب سے محروم رہے گا۔ تو مرتبہ اطاعت نہیں پا سکے گا جو ایک اعلیٰ مرتبہ ہے۔ یا اس قدر صبر کے باعث فضول باتوں و لغویات دنیا سے نہیں بچے گا اور وہ مصیبت میں پڑ جائے گا۔ یا اس قدر بے صبری سے تو بہ توفیق عبادت و طاعت کے وقت نہیں ہو سکے گا اور وہ توبہ سے محروم رہے گا۔ اور اسی طرح بے صبری کے باعث اور بہت سے فوائد و ثمرات سے محروم رہے گا۔ اور ایسا ہونا بے صبری کے باعث ہے جو آخرت کے ثواب کے مقابلہ میں دنیا میں جو نعمت ملنے والی تھی وہ بھی کم ہے: فانیہ ہے باقی ہے مرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے ایک مصیبت سے بچ جائے گا جو بے صبری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور آخرت کا ثواب بھی فوت ہو جاتا ہے اور کئی مصیبتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بے صبری عبادت و نعمت

سے محروم ہو جاتا ہے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے:

حرمان الصبر علی المصیبۃ اشد من المصیبۃ — مصیبت کے وقت صبر نہ کرنا مصیبت سے زیادہ بدتر مصیبت ہے۔

لہٰذا اس چیز کو اختیار کرنے کا کیا فائدہ جو حاصل شدہ شے کو بھی فوت کر دے۔ درگزشتہ شے کو واپس نہ لا سکے۔ لہٰذا کوشش کرو کہ اگر ایک شے (نعمت دنیوی) فوت ہو جائے تو دوسری تو فوت نہ ہو۔ یعنی صبر۔

فضیلت صبر کے متعلق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک نہایت جامع قول منقول ہے۔ آپ نے ایک شخص کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

اصبر فان جزعت جرت علیک المقادیر وانت ماجور وان جزعت جرت علیک المقادیر وانت مأزور۔

تجھ پر تقدیر بھی ضرور جاری ہو کر رہے گی ہاں اگر تو صبر کرے گا تو اجر و ثواب پائے گا۔ اور اگر بے صبری کا شیوہ اختیار کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔

پھر میں کہتا ہوں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات برحق پر توکل و بھروسہ کرتے ہوئے دل کو دنیا کی چیزوں سے علیحدہ کرنا، نفس اور روح کو اس کی بری عادات سے روکنا، دنیوی معاملات کی تدبیر و ترتیب کو ترک کر دینا، اپنے متعلق نفع و نقصان کی چیزوں سے اعراض کرتے ہوئے بیٹھ رہنا، معاملہ تقدیر کے سپرد کرنا، نفس اور روح کی نگرانی کرنا، کسی شے کے فوت ہو جانے پر نفس کو بے صبری سے روکنا، ایسے موقع پر بے صبری کرنا اس کی فطرت و سرشت میں داخل ہے نیز نفس کو رضائے الٰہی اور قربت کے باوجود نفس و جسم کے تلخ اور کڑوے گھونٹ پینا، یہ سب چند وجہ بالا مورد ناقابل برداشت میں اور یہ نہایت ہی بری بوجھ اور مشکل ترین طریق علاج ہے۔ لیکن یہی صبر اور درستی کی صحیح تدبیر بھی ہے۔ اور یہی راہ مستقیم ہے۔ اور اسی راہ مستقیم پر چلنے کا نجام اچھا ہے اور سعادت دارین کی کامیابی اسی سے پیدا ہو سکتی ہیں۔

اس باب کے متعلق کیا کہنے جو چیز بیمار بچے کو کھجور اور سیب وغیرہ پھل کھانے سے روکتی ہے اور پھل فروخت کی قیمت دینے سے بچاتے اس کو یک سنت بیعت علم کے حوالے کر دیتا ہے جو سارے دن

تعمیر کے لیے اسے اپنے پاس روکے رکھتا ہے اور اسے ڈانٹتا رہتا ہے۔ اور اس کا باپ اس کو سیکھنے کے لیے جہاز کے پاس سے جاتا ہے۔ جو اسے اپنے عمل جراحی سے درستگی دیتا ہے۔ بیمار بچہ خیال رکھتے ہوئے کہ اس کا باپ اسے عقل و سمجھ کی بنا پر کھانے کو نہیں دیتا جبکہ اس کا باپ بچوں کے ساتھ بھی فیاضی سے پیش آتا ہے اور ہر طرح مالی تعاون کرتا ہے۔ بیمار شخص اپنی اولاد کے حق میں کیسے بخیل و سفاک ہے اپنی اولاد سے پیار و محبت کیونکر روک سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے اس کی اولاد کے لیے ہی ہے۔

نیز سخت طبیعت معلم کے متعلق کیا وہ اسے دکھ اور تکلیف دینا چاہتا ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ اس کا بیٹا تو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اس کے دل کا چین ہے۔ بلکہ بیٹے کو اکثر مواقع پر جب تربیت سے بے چین ہو جاتا ہے۔ درحقیقت وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا سلوک اس لیے کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اس میں اس کی بہتری ہے اور تعلیم و تربیت کی اس تھوڑی سی مشقت و تکلیف سے اس کا بیٹا عظیم کامیابی اور اعلیٰ مقامات کا مالک بن جائے گا۔

نیز اس نیک خاوند، مخلص و ماہر طبیب کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو ایک ایسے مریض کو اس کی پسندیدہ غذا سے روک دیتا ہے۔ حالانکہ اس مریض کو شدید پیاس لگ رہی ہوتی ہے اور شدت پیاس سے اس کا کلیجہ جل رہا ہوتا ہے لیکن وہ طبیب اسے ٹھنڈا پانی دیتا ہے جو اس مریض کی بیماری میں اضافہ کر دیتا ہے اور اس کی موت کا سبب بن جاتا ہے۔ کیونکہ طبیب بخوبی جانتا ہے کہ اس مریض کے حق میں موت جو کچھ طلب کرتا ہے اس میں اس کی ہلاکت ہے اور اس سے اس کو روکنے اور باز رکھنے میں ہی اس کی شفاء ہے۔

تو تمہیں ان مثالوں سے نہ دھوکا کھانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ایسا ہے جیسا کہ تم نہیں سمجھتے۔ تو تمہیں یقین کر لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جو کچھ چاہتے ہو وہ تمہیں عطا کر دے جبکہ وہ فضل و جود کا مالک ہے۔ تمہارا سلسلہ سند سے بڑی حد تک ملتا ہے۔ اس سے ملتا جلتا ہے نہیں۔ اس کے باوجود اگر وہ حکیم تمہیں تمہاری چاہت کی چیز عطا نہیں کر رہا تو اس کا یہ سبب ہرگز نہیں کہ وہ تمہیں دشمن سمجھتا ہے بلکہ وہ جانتا ہے

تمہارے سامنے کا پتہ نہیں بلکہ وہ بخیل ہے۔ وہ تو ان تمام عیوب و نقائص سے پاک و منزہ ہے وہ تمام غنیوں سے بڑا غنی تمام قدرت والوں سے بڑا قادر تمام علم والوں سے بڑا عالم اور تمام جودوں سے بڑا جواد و کریم ہے۔ لہٰذا تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ تمہارے پاس جو نعمتیں اور برکتیں ہیں وہ تمہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملی ہیں۔ یہ نہیں کہ تمہاری محنت و کوشش کا نتیجہ ہیں بلکہ وہ تو فرمان مجید میں یہ ارشاد فرماتا ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۔ زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔

دنیا کی اشیاء کی جو نسبت کسی سے ہو سکتی ہے جبکہ اس نے تمہیں اپنی معرفت جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی جس کے سامنے دنیا کی نعمتیں ہیچ ہیں۔ ایک مشہور حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا

جب میں اپنے دوستوں کو دنیا کی نعمتوں سے نوازتا ہوں تو وہ کفار بھی پاتے ہیں جو میرے دشمن ہیں اور جو میرے نافرمان ہیں

فَإِنَّهُ لَا يُعْطِيهِ إِلَّا لِمَنْ يُحِبُّ وَلَا يُعْطِي الْآخِرَةَ إِلَّا لِمَنْ أَحَبَّهُ

کوئی بھی زندہ دنیا سے نہیں رکھتا ہے۔

اور جب مجھے اپنے دوستوں کو آخرت کی نعمتوں سے نوازنا ہوتا ہے تو میں صرف اپنے دوستوں کو عطا کرتا ہوں

اور یہ بات ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتوں کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتیں بے حد و بے شمار ہیں۔ اور یہ نعمتیں صرف اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لیے ہیں

اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہر بندہ مومن پر واجب ہے

اور شکر ادا کرنا بندگی کا تقاضا ہے

جب بندے پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہے تو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ شکر ادا کرنا بندگی کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نعمتوں کی بارش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں پر نعمتوں کی بارش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دوست شکر ادا کرنے میں کثرت سے لگے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر فرمایا:

فصل

۱۔ کہ جب تک قیامت سے پہلے یہ بات معلوم نہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر زمین کو پیدا کیا ہے اور دنیا کے کتنے حصے پر آبادی ہے اور کتنے حصے پر پانی اور سمندر ہیں اور کتنے حصے پر پہاڑ اور ریگستان ہیں اور کتنے حصے پر جنگل ہیں اور کتنے حصے پر میدان ہیں اور کتنے حصے پر دریا ہیں اور کتنے حصے پر نہریں ہیں اور کتنے حصے پر جھیلیں ہیں اور کتنے حصے پر چشمے ہیں اور کتنے حصے پر کنویں ہیں اور کتنے حصے پر باغات ہیں اور کتنے حصے پر کھیت ہیں اور کتنے حصے پر کھجور کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر انگور کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر انار کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر انجیر کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر زیتون کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر بیر کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر ببول کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر کیکر کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر شیشم کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر سرو کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر صنوبر کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر چنار کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر دیودار کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر چیڑ کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر بید کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر بانس کے درخت ہیں اور کتنے حصے پر گھاس ہے اور کتنے حصے پر ریت ہے اور کتنے حصے پر مٹی ہے اور کتنے حصے پر پتھر ہیں اور کتنے حصے پر کنکر ہیں اور کتنے حصے پر ریگستان ہیں اور کتنے حصے پر برف ہے اور کتنے حصے پر گلیشیئر ہیں اور کتنے حصے پر آتش فشاں پہاڑ ہیں اور کتنے حصے پر زلزلے آتے ہیں اور کتنے حصے پر طوفان آتے ہیں اور کتنے حصے پر سیلاب آتے ہیں اور کتنے حصے پر قحط پڑتے ہیں اور کتنے حصے پر وبائیں پھیلتی ہیں اور کتنے حصے پر جنگلی جانور ہیں اور کتنے حصے پر پالتو جانور ہیں اور کتنے حصے پر پرندے ہیں اور کتنے حصے پر رینگنے والے جانور ہیں اور کتنے حصے پر کیڑے مکوڑے ہیں اور کتنے حصے پر مچھلیاں ہیں اور کتنے حصے پر سانپ ہیں اور کتنے حصے پر بچھو ہیں اور کتنے حصے پر شہد کی مکھیاں ہیں اور کتنے حصے پر ریشم کے کیڑے ہیں اور کتنے حصے پر لاکھ کے کیڑے ہیں اور کتنے حصے پر مونگے کے کیڑے ہیں اور کتنے حصے پر موتی کے کیڑے ہیں اور کتنے حصے پر سیپ ہیں اور کتنے حصے پر مرجان ہیں اور کتنے حصے پر سونا ہے اور کتنے حصے پر چاندی ہے اور کتنے حصے پر لوہا ہے اور کتنے حصے پر تانبا ہے اور کتنے حصے پر پیتل ہے اور کتنے حصے پر سیسہ ہے اور کتنے حصے پر قلعی ہے اور کتنے حصے پر جست ہے اور کتنے حصے پر پارہ ہے اور کتنے حصے پر کوئلہ ہے اور کتنے حصے پر تیل ہے اور کتنے حصے پر گیس ہے اور کتنے حصے پر نمک ہے اور کتنے حصے پر شورہ ہے اور کتنے حصے پر گندھک ہے اور کتنے حصے پر سنگ مرمر ہے اور کتنے حصے پر سنگ سرخ ہے اور کتنے حصے پر سنگ سیاہ ہے اور کتنے حصے پر سنگ سفید ہے اور کتنے حصے پر سنگ لاجورد ہے اور کتنے حصے پر سنگ یشم ہے اور کتنے حصے پر سنگ عقیق ہے اور کتنے حصے پر سنگ فیروزہ ہے اور کتنے حصے پر سنگ زمرد ہے اور کتنے حصے پر سنگ یاقوت ہے اور کتنے حصے پر سنگ الماس ہے اور کتنے حصے پر سنگ لعل ہے اور کتنے حصے پر سنگ پکھراج ہے اور کتنے حصے پر سنگ گوہر ہے اور کتنے حصے پر سنگ مروارید ہے اور کتنے حصے پر سنگ مرجان ہے اور کتنے حصے پر سنگ مونگا ہے اور کتنے حصے پر سنگ سیپ ہے اور کتنے حصے پر سنگ صدف ہے اور کتنے حصے پر سنگ کوڑی ہے اور کتنے حصے پر سنگ گھونگا ہے اور کتنے حصے پر سنگ سیپی ہے اور کتنے حصے پر سنگ صدفی ہے اور کتنے حصے پر سنگ کوڑی ہے اور کتنے حصے پر سنگ گھونگا ہے اور کتنے حصے پر سنگ سیپی ہے اور کتنے حصے پر سنگ صدفی ہے

اور حالت کی حاجت و ضرورت سے بھی واقف ہے۔ تو تجھے اللہ کی ذمہ داری اور حفاظت پر توجہ کرنا چاہیے اور اس کے وعدے کو سچا جاننا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ پر اس اعتماد اور بھروسے سے تمہارے دل کو سکون و اطمینان نصیب ہوگا اور تمہارے جسم کے اعضاء و اعصاب زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کے لیے تیار ہوں گے اور دل کا تعلق ان اسباب و ذرائع سے کٹ جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اتفاقات اور اسباب و ذرائع بھی اس وقت تک مفید و مؤثر ہوتے ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو۔ عقل کہتی ہے اور اس کے مطابق ہر انسان روزمرہ کی زندگی میں ان چیزوں کے استعمال میں مصروف ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء میں بیماری کے موقع و محل ہونے کی صفت اللہ تعالیٰ ہی ان میں پیدا کرتا ہے۔ پھر ان اشیاء سے بیماری کی دفع بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ نیز ان خورد و نوش کی اشیاء سے بیماری پیدا کرنی اور نہ کھانے والے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے دور کرنا ہے۔ تو درحقیقت نافع اسی کی ذات بابرکات ہے اور وہی درحقیقت معالج ہے۔ تو ہر وقت اختیار صرف اسی کی ذات وحدہٗ لاشریک کو سمجھ اور اسی پر توکل کر اور بھروسہ کر اور اپنے معاملات میں پوری تدبیر اختیار کر اور بلکہ اس ذات کی تدبیر و دانش و مہربانی کا اعتبار کر جو مدبر زمین و آسمان ہے۔ اور اپنے آپ کو آئندہ کے پروگراموں میں غور و فکر سے کبھی نہ روک۔ اور یوں نہ سوچ کہ یہ کام کل مجھے کس طرح انجام دینا چاہیے اور یہ کام کل ہوگا یا نہیں، اور یہ کام انجام دینے کے لیے کیا صورت اختیار کرنی چاہیے۔ غالب یہ ہے کہ شاید اور اگر مگر کے چکر میں نہ پڑو۔ کیونکہ اس سے تشویش وقت اور بے چینی دل کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ کل ایسے حادثات سامنے آجائیں جن کا تمہیں وہم و گمان بھی نہ تھا اور جو باتیں اور پروگرام تمہارے ذہن میں تھے اور جن معاملات میں تم غور و خوض کر رہے تھے ان میں سے کوئی نہ ہو سکے اور سوچ و بچار میں بے فائدہ وقت ضائع ہو جائے۔ بلکہ دل کی مصروفیت اور عمر برباد جانے پر خسارہ اور پشیمانی اٹھانی پڑے۔ کسی نے کہا ہے:

سبقت مقدر تدبیر را و حکم قضا نہ زحمت شود دانشمند را

ترجمہ: تقدیر خداوندی میں ہر شے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ منصوبہ بندی اور سوچ بچار پر مصیبت نہ لاؤ۔ اور شاید اگر مگر کے چکر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

(۱) سیکون ما ھو کائن فی وقتہ واخر بجھلہ متعب ومحزون

(۲) فعلی ما فات لیس بکائن وعلی ما ترجو لیس یکون

ترجمہ: (۱) جو کچھ ہونا ہے وہ اپنے وقت میں ضرور ہو کر رہے گا۔ اور جاہل و بے خبر انسان خود خواہ مخواہ اپنے آپ کو مشقت اور غم میں ڈالے رکھتا ہے۔

(۲) تو ممکن ہے جس کا تجھے غم ہے وہ نہ ہو اور جس کی تجھے امید ہے وہ بھی نہ ہو۔

لہٰذا اپنے نفس کو یوں تلقین کرو:

اے نفس! ہمارے ساتھ وہی پیش آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر کر دی ہے وہ ہمارا مولیٰ ہے وہی ہمیں کافی اور ہمارا کارساز ہے۔"

وہ ایسا قادر ہے کہ اس کی قدرت کی انتہا نہیں اور وہ ایسا حکیم ہے کہ اس کی حکمتوں کی حد نہیں اور ایسا رحیم ہے کہ اس کی رحمتوں کی انتہا نہیں۔ اور یہ ان صفات کا تقاضا ہے کہ وہی اس بات کا اہل ہے کہ اس پر توکل کیا جائے اور اپنے تمام امور اس کے حوالے کیے جائیں۔ اور صفت تفویض پر ایمان رکھنے والے کے علاوہ اس کے حقیقی معنی کو کوئی نہیں جانتا۔

اپنے نفس کو یوں بھی تلقین کرو:

اے نفس! گزشتہ مصیبت پر افسوس کرنا عقل اور دین کے خلاف ہے اور یہ بزدلی کی علامت ہے۔ اور یہ ان کافروں کا طریقہ ہے جو اللہ کی قضا و قدر پر ایمان نہیں رکھتے۔

اے نفس! جب تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہے تو اس کے حکم و تقدیر پر بھی راضی ہو جا کیونکہ قضا و قدر ربوبیت کی صفات اور اس کے لوازمات میں سے ہیں۔ اے نفس! اپنی رائے کو اختیار کرو۔

اے نفس! جو مصیبت تجھ پر نازل ہو چکی ہے اس پر صبر کرو اور اپنے نفس کو اس پر مطمئن رکھو اور اپنے دل پر بھی قابو رکھو۔ یہ نہ ہو کہ جزع فزع سے پیش آمدہ شکایت کا دروازہ کھل جائے۔ کیونکہ مصیبت کے وقت صبر کرنا عقل مندی ہے

ور پہلے صدمے کے وقت نفس پر قابو رکھنا بہت مشکل ہے۔ ایسے وقت میں اپنے نفس سے یوں کہو:

"اے نفس! یہ مصیبت تو سر پر پڑ چکی ہے۔ اسے دور کرنے کی اب صورت اور تدبیر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑے بڑے مصائب سے بندے نجات دے چکا ہے کیونکہ آفات و بلیات کی بے شمار اقسام ہیں۔ اس مصیبت و تکلیف کو بھی اللہ تعالیٰ دور کر دے گا اور یہ مصیبت عنقریب چھٹ جائے گا۔ تو اے نفس! تھوڑی دیر کے لیے صبر کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہو تجھے اس کے بدلے دائمی سرور اور ثواب عظیم حاصل ہوگا۔"

پھر یہ بھی ہے کہ بے صبری سے نازل شدہ آفت دور نہیں ہو سکتی۔ تو جزع فزع بے سود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صبر و تحمل کے ہوتے ہوئے مصیبت کا برداشت کرنا مشکل نہیں رہتا۔ تو زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اور دل میں اجر و ثواب کا تصور کرو جو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے لیے تیار فرماتے ہیں۔ پھر ایسے وقت میں بڑے بڑے مصائب پر وہ انعامات یاد کرو جو اللہ تعالیٰ نے صبر و تحمل کرنے والوں کے لیے تیار فرما رکھے ہیں۔

اور کسی وقت مصائب پر صبر کا حکم دینے کے بعد تو اپنے نفس سے یوں کہو:

اے نفس! اللہ تعالیٰ نے تیرے حال سے پورا پورا واقف ہے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر صبر کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تو صبر کر سکتا ہے۔ یہ کام تو ہر دشمن دین کا سر دشمن دین بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تو ایک معمولی بات ہے۔ بلکہ تو ضرور صبر کرے گا۔ اس کے بدلے تو دنیا و آخرت میں بے شمار نعمتوں کا حقدار ہوگا۔ اور یہ بے توقعی و بے صبری میں کوئی نفع عظیم پوشیدہ نہیں ہے۔ ہر مشکل کے بعد راحت ہے۔ اے نفس! تو صبر کے بدلے میں اللہ تعالیٰ سے بہت بڑے بڑے انعامات کی توقع رکھ۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

توقع منہ ربک سوف یاتی ۔۔۔ بما تہوی و من قرب قریب

اپنے رب سے توقع رکھتے ہوئے صبر کا دامن تھامے رہو عنقریب وہ مشکلیں دور ہو جائیں گی جن سے تو پریشان ہے۔

ولا تیأس و لا تذہب بخطب ۔۔۔ فکم فی عبد من عجب

وتعلیمات دینی کے وقت مایوسی کا شکار نہ ہو جائے کیونکہ پردۂ غیب میں

بڑے بڑے عجائب و غرائب موجود ہیں۔

یہ وہ زمانہ فرماتے ہیں:

۱۔ [illegible]

۲۔ اذا اشتد بلاء عبدی فتفکر فی احد ثلاثۃ

۳۔ فعند ذلک یرتفع عنہ [illegible]

نتیجہ: اے وہ شخص جس پر غم و فکر مسلط ہو چکا ہے۔

۲۔ جب تیرا غم و فکر شدت اختیار کر جائے تو سوچ ان تین باتوں میں سے

۳۔ اس طور پر [illegible] ایک کی [illegible]

تو یہ مصیبت [illegible] سے فوراً حاصل کر

تو جب تک اس طرح کے [illegible] اپنے تصورات میں لگائے رکھے گا اور ان کی مشق کرتے رہے گا

[illegible] جب تک کہ [illegible] تک ہمت اور کوشش سے کام لو۔

جب تک اس مقام پر [illegible] تو [illegible] سے دور کر دے

اس کی مشیت [illegible] کے ان تین [illegible] میں شامل ہو گئے۔ ان لوگوں کا مقام [illegible]

جو اپنا [illegible] اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں اور اس کی تقدیر پر راضی رہتے ہیں۔ اور تب صابرین

[illegible] حاصل کر لیا۔ اور دنیا میں تو تمہیں [illegible] حاصل ہو گئی۔ اور آخرت میں جو [illegible]

اور ذخیرہ ثواب ہے۔ اور جب صابرین کی [illegible] نہیں بلکہ [illegible] حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے

تو اپنا محبوب دوست بنا لیا۔ اس طرح تم نے خیریت دارین حاصل کر لی اور [illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ کے ہاں [illegible] ہوتا ہے اور بندوں کو دھوکہ دینے والی کوئی چیز [illegible]

اور اس وقت [illegible] سے [illegible] کو عبور کر لیا۔

اللہ تعالیٰ کے [illegible] ہے کہ وہ جس توفیق سے [illegible] بھی [illegible]

[illegible] ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

پانچواں باب

پانچویں گھاٹی کے بیان میں

یہ گھاٹی عَقَبَۃُ الْمَوَاعِظ کے نام سے موسوم ہے

اے برادر عزیز! جب طریق عبادت درست معلوم ہو گیا۔ اس راہِ عبادت پر چلنے میں سہولت اور آسانی حاصل ہو گئی۔ اور موانع اور رکاوٹیں دور ہو گئیں، تو اب تجھے اس راہ پر چلنا ضروری ہے۔ لیکن اس پر چلنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تو اپنے اندر خوف و رجاء کی حالت پیدا نہ کرے نہ ان کا شعور حاصل نہ کرے اور ان دونوں کو کما حقہٗ نہ اپنائے۔

خوف کا التزام دو وجہ سے ضروری ہے: ایک تو اس لیے کہ خوف کے ذریعہ ہی انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے۔ کیونکہ نفس سرکش شر اور برائی کا نہایت درجہ حریص ہے اور فتنہ کی باتوں کی جانب شائق ہے۔ یہ اس وقت تک باز نہیں آ سکتا جب تک اپنے اندر زبردست خوف نہ پیدا کیا جائے اور نہایت زجر و تنبیہ کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ کیونکہ نفس مارہ جبلی صفت و طبیعت خالی ہے جیسے کسی نے کہا ہے:

العبد یقرع بالعصا ۔۔۔ والحر تکفیہ الاشارۃ

(غلام کو چھڑی سے درست کرتا ہے لیکن آزاد اور شریف انسان کو تھوڑی سی اشارت و تنبیہ کافی ہوتی ہے)۔

بندہ اس نفس امارہ کو راہِ عبادت پر چلانے کی یہ تدبیر ہے کہ تو قول، فعل و فکر غرض ہر حالت میں اس پر خوف کا کوڑا مسلط رکھے۔ جیسا کہ کسی بزرگ کے متعلق منقول ہے کہ ان کے نفس میں کسی گناہ کی رغبت اور چاہت پیدا ہوئی تو وہ بام و چھت کی طرف چل پڑا۔ وہاں جا کر گرنے والے اور پختہ ریت پر لوٹنے لگے اور نفس سے مخاطب ہو کر کہا:

اے رات کے وقت مرد کی طرح چھت پر پڑے رہنے والے اور دن غفلت میں ضائع

کرنے والے نفس! اس تپش و حرارت کو چکھ لے۔ جہنم کی آگ تو اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ جب تیرے لیے یہ حرارت ناقابل برداشت ہے۔ تو دوزخ کی آگ کی گرمی کس طرح برداشت کرے گا؟"

دوسرے اس لیے خوف ضروری ہے تاکہ بندے کا نفس عجب اور خود پسندی میں مبتلا نہ ہو۔ بلکہ وہ عبادت میں پیش آنے والے خطرات و شدائد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے نفس کو مذموم بنانے میں کوشش کرے اور نفس جانے۔ اور اس طرح نفس سے عجب اور خود پسندی کے مادے کی بیخ کنی کرے۔ اور یہ بات خوف ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

ونبئ عبادي انی انا الغفور الرحیم — خبر دے میرے بندوں کو کہ میں ہی بخشنے والا ہوں

وان عذابي هو العذاب الاليم — اور یہ کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک ہے

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

ہم میں سے کوئی شخص اس بات سے بے خوف نہیں ہو سکتا کہ اس سے اپنی زندگی میں نفس کے مادے کا نکاب کیا تو اس کی وجہ سے بخشش و مغفرت کا دروازہ بند نہ ہو جائے

زندگی کے بعد کے نیک اعمال کی شمع میں نہ آ رہے ہوں

حضرت ابو سلیمان دارانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے نفس کو یوں مخاطب کرتے تھے:

تعلمین انک لن تدخلی الجنۃ — اے نفس! تو جانتی تو ہے کہ تو جنت میں نہ جائے گی

ثم عملت عمل من قد دخلها — پھر تو ایسے کام کرے جیسے جنت میں جانے والے کرتے ہیں۔

---

[1] حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نفس کو تنبیہ و تادیب کے طور پر ہے۔ حقیقت و واقعہ نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کا تقاضا یہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم بنایا ہے۔ چونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان ہر نفع سے بالا ہے۔ نفع حاصل کرنے کی نسبت کرنا ان کی شان کے لائق نہیں۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نفع کی نسبت کرنا درست نہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس دنیا میں بھیجا ہی اس لیے جاتا ہے تاکہ وہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلائیں۔ اور اس کی معصیت سے روکیں۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رجوع قبل ہوتی ہے اور بعد نبوت بھی گناہوں سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مترجم عفی عنہ۔

اذا بعد عن هذه الجهات

ان لم يجد فوهم الخير في نفسه

اعمال غير صالحة

اس پر جنت کی امید لگائے رکھتا ہے۔ اس

جنت کی ہمیشہ کی ہمیشہ ہے۔ درحقیقت

جتنی دوزخ میں اور ان کے عمل تیرے عمل

جیسے مخلص ہیں۔

اس طرح کے واقعات ذہن میں دُہراتے رہو تاکہ عبادت کے دوران نفس امارہ عُجب اور خودپسندی میں مبتلا نہ ہو۔ والسلام۔ والسلام۔ والسلام ——— وباللہ التوفیق۔

رجاء کا بیان

رجاء کا تصور و شعور دو وجہ سے ضروری ہے۔

یک تو اس لیے کہ عبادات اور نیکیوں کے کاموں کا بندہ پر پیدا ہونے والا ثمرہ نیک اعمال کی انجام دہی نفس پر گراں ہوتا ہے۔ شیطان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر دیتا ہے اور نفسانی خواہشات بدی کی طرف کھینچتی ہیں اور انسان کی طبیعت کے اندر اس کا زیادہ اثر ہوتا ہے جو نیکی کے کاموں کی انجام دہی کے وقت ہوتا ہے۔ اس لیے نیکی کے کاموں کی انجام دہی کے وقت نفس کو ان کاموں کی طرف راغب کرنا ضروری ہے۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب نیکی کے کاموں کے ثمرات اور ان کی جزا پر نظر ہو۔ اور یہ ثمرات اور جزا ایسی ہو جو نفس کو ان کاموں کی طرف راغب کرے۔ اور نفس کو ان کاموں کی طرف راغب کرنے کے لیے ان کاموں کے ثمرات اور جزا کا علم ہونا ضروری ہے۔ اور یہ علم ہی رجاء ہے۔ یعنی رحمت خداوندی کی قوی امید جس کو بندے کی طرف توجہ رغبت اور جزا کی پوری یقین دہانی سے پیدا کرنے کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اعلم ان من عرف شيئا احب ذكره

غم و فکر کھانے کی زینت کرتا ہے غوث

من احب شيئا اكثر ذكره

کی گپوں سے روک دیتا ہے اور رحمت خداوندی

من اكثر ذكر شيء رغب فيه

کی امید نیک کاموں کی رغبت پیدا کرتی ہے۔

في الحصول۔

وزارت کی بات فضول۔ وعدہ کاموں سے تنفر کرتی ہے

[illegible]

حکایت:

[illegible]

سجدے سے اٹھا لیا وہ نہیں ہے جس کا تعین ہو سکے یہ تو حضرت عورت سے بھی دور ہے بلکہ اپنے خاوند کے ساتھ بات۔

پیر حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ یہ شعار پڑھتے:

(۱) ما مرض کبانت نفرد بین سکن ... ما در حسن من نفہ ...

(۲) نزد دبشی کئیہ حنفیہ ... ان المسیح بسی ...

(۳) بانفس لا تشم من ... ...

تبصرہ (۱) مشقت و تندرستی برداشت کرنا سے کوئی ... و نقصان دہ نہیں ہے ... جائے تو ... جنت فردوس ہے۔

(۲) ایسا شخص دنیا میں غمناک ... و آخرت میں ... معاشرے ... رہتا ہے۔ عجز و مسکنت کا ... زیب تن کیے ... ہے ... کی طرف ... آمد و رفت ... رہتی ہے

(۳) اے نفس! تجھے ... دوزخ کے شعلے برداشت کرنے کی ... ہے ... اعمال بد کی وجہ سے ... کہ جہنم کے ... وعذاب برداشت کرنا پڑے۔

میں ... جب ... دو چیزوں ... ہے ... عبادت کی ... ہے ... جب ... ترہیب و ترغیب ... خوف کے ... ہے ... جب ... ہے ... جب ... ہے ... جب

...شتہ سخت مشتاق ہے۔ خوف اس کے لیے ڈنڈا اور ہانکنے والے کا کام دیتا ہے اور امید ثواب و
...ت اس کے لیے میٹھا پھل ہیں جس سے طاعت کی طرف راغب ہوتا ہے۔ نیز یہ نفس امارہ سرکش بچے کی
...رح ہے جسے تربیت و تقوی کی کتاب پڑھانی مقصود ہے۔ آتش دوزخ اور عذاب کا ذکر تو اس
...ں خوف پیدا کرتا ہے۔ اور جنت اور ثواب اعمال اس میں امید و رغبت پیدا کرتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح
...یاضت و عبادت کے لیے ضروری ہے کہ نفس میں خوف و رجاء کا شعور پیدا کرے۔ ورنہ یہ امید نہیں کی
...ا سکتی کہ یہ نفس تقوی و عبادت کی کتاب پڑھنے پر آمادہ ہو جائے اور تم سے موافقت اختیار کر لے۔ طالب
...بت میں یہی شعور پیدا کرنے کے لیے قرآن مجید میں بار بار اور مبالغے کی حد تک وعدہ و وعید اور ترغیب و
...ترہیب کا ذکر کیا گیا ہے۔ ثواب کا اس پیرایہ میں ذکر کیا کہ خواہ مخواہ کشش پیدا ہوتی ہے۔ اور عذاب
...کی تفصیل سے ذکر کیا کہ اس کے برداشت کی انسان میں طاقت اور ہمت نہیں۔ لہٰذا تم پر ضروری ہے
...کہ خوف و رجاء کو برابر ملحوظ رکھو۔ تاکہ عبادت کی بجا آوری کی مراد حاصل ہو سکے اور اس راہ میں مشقت و
...صعوبت برداشت کرنے میں آسانی ہو ——— واللہ تعالیٰ ولی التوفیق بفضلہ و رحمتہ۔

سوال: خوف و رجاء کی حقیقت و ماہیت اور ان کا حکم و نتیجہ کیا ہے؟

جواب: خوف و رجاء ہمارے علماء اہل سنت کے نزدیک قبیلہ خواطر میں سے ہیں۔ بندے
...کی قدرت میں صرف یہی ہے کہ وہ خوف و رجاء کے مقتضیات کو عمل میں لائے۔ چنانچہ خوف کی تعریف
...یہ کی گئی ہے:

...ف عبارۃ عن خلجۃ فی القلب	خوف اس قلق و پریشانی کا نام ہے جو کسی بری چیز
...ل من مکروہ یحل۔	کے پہنچنے کے گمان سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

خشیت بھی خوف جیسی کیفیت کا نام ہے لیکن خشیت کے مفہوم میں جس سے خوف ہوتا ہے اس کی
...ہیبت و عظمت کا تصور بھی شامل ہے۔ خوف کے مقابل جرأت ہے۔ بعض نے کہا خوف کے مقابلہ میں
...امن ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں خائف و آمن اور خوف و امن کہنا صحیح نہیں کیونکہ آمن یعنی بے خوف وہ شخص ہوتا
...ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے تعلق سے پروا ہی نہ کرے اور بے باکی کا مظاہرہ کرے۔ لیکن حقیقۃً خوف کے مقابل
جرأت ہی ہے۔

...ہ امور خوف پیدا کرنے کے چار مقدمات درج ہیں:

(۱) اپنے گزشتہ گناہوں کو یاد کرنا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی اس شدت و سختی کو یاد کرنا جسے برداشت کرنے کی تم میں سکت نہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے عذاب کے آگے اپنے ضعف و ناتوانی اور اپنی کمزوری کو یاد کرنا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی قدرت و قوت کو یاد رکھنا کہ وہ جب چاہے جیسے چاہے گرفت کر سکتا ہے۔

رجاء کی تعریف یہ کی گئی ہے:

ھو ابتہاج بالقلب بمعرفۃ فضل	اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو پہچان کر دل میں
اللہ سبحانہ و استرواح لما ھو	خوشی محسوس کرنا اور اس کی رحمت کے دامن
من رحمۃ اللہ تعالیٰ	میں راحت حاصل کرنے کا تصور۔

رجاء کا یہ مفہوم و معنی خوف کے معنی سے بہت دور ہے اور ناامیدی کی قدرت سے باہر ہے۔ ہاں رجاء بایں معنی

ھو تذکر فضل اللہ تعالیٰ و سعۃ	اللہ تعالیٰ کے فضل و اس کی وسعت رحمت کو
رحمتہ	یاد کرنا بندے کی قدرت میں ہے۔

خوف و رجاء کے متعلق یہ وہ اور عقیدہ رکھنا کہ یہ مشیت ہی ان سے فارغ و نقصان نہیں پہنچا سکتا اس نوجوان کا یہ کہنا رجاء کے اس بیان میں ہمارے نزدیک پسندیدہ معنی مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کو یاد کرکے راحت محسوس کرنا۔

رجاء کی ضد یعنی ناامیدی، مایوسی اور یاس کی یہ تعریف کی گئی ہے:

ھو ان یکون الرجاء قد انقطع	اس خیال کو کہ مجھے خدا کی رحمت اور اس کا فضل
وجہہ الطمع عن ذلک۔	نہیں پہنچے گا۔ نیز اس کے فضل و رحمت
	کی امید سے لو لگانے کو یاس کہتے ہیں

اس تعریف کی ناامیدی کفر گناہ ہے۔ اور جب ربا کا تصور پختہ کرنے کے بغیر امید کی اور یاس کا قلع قمع کرنا ممکن نہ ہو تو یہی صورت میں رجاء فرض ہے۔ اور اگر ایسی صورت حال نہ ہو تو رجاء نفل ہے جبکہ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور وسعت رحمت کا عقیدہ دل میں مضبوط و پختہ ہو۔

رجاء چار چیزوں سے پیدا ہوتی ہے:

(۱) بندے کی طرف سے بغیر کسی سابقہ تجربہ کے اور بغیر کسی رغبت و طلب بندے پر اللہ تعالیٰ کی طرف

کیے گئے انعامات واحسانات سابقہ کو یاد کرنا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان رحیمی وکریمی کے مطابق عظیم عزتوں اور بڑے اجر وثواب کے جو وعدے کیے ہیں ان کو ذہن میں رکھنا۔ اس اجر وثواب کو ذہن میں نہ رکھنا جس کے تم اپنے عمل کے ذریعہ مستحق ہو سکتے ہو کیونکہ اجر وثواب اگر بندے کے فعل را عمل کی حیثیت سے مقابلہ کیا جائے تو وہ بالکل قلیل وحقیر ہوگا۔

۳۔ مخلوق کے بغیر رب کے نہ دین ودنیا کے بہ شعبے میں اللہ تعالیٰ جو مختلف الاقسام نعمتیں فی الحال عطا کر رہا ہے ان کو یاد کرنا۔

۴۔ یہ تصور کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وہ ذات اس کے غضب وناراضی کی گرفت پر غالب ہے۔ وہ یہ تصور کہ اللہ رحمٰن ورحیم غنی کریم اپنے بندہ مومن پر نہایت شفیق ہے۔ جب تم خوف ورجاء دونوں کے مطابق صورت وحالات کو ذہن میں رکھو گے تو تم میں ہر وقت خوف ورجاء کی کیفیت پیدا رہے گی۔ — واللہ تعالیٰ ولی التوفیق بمنہ وفضلہ

فصل

تو اے بندے! جو پوری احتیاط، پورے دھیان اور پوری توجہ کے ساتھ خوف ورجاء کی ان نعمتوں کو یاد کرنا ضروری ہے۔ احتیاط کی اس لیے ضرورت ہے کہ یہ گھاٹی نہایت دشوار گزار ہے۔ اس میں لوگ طرح طرح کے خسارے میں ہیں کیونکہ خوف ورجاء کی اس گھاٹی کا راستہ دو مہلک اور خوفناک اسقام کے درمیان سے گزرتا ہے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ سے بالکل بے خوف ہو جانے کا راستہ اور دوسرا اس سے بالکل مایوس ہو جانے کا راستہ۔ ان دونوں ٹیڑھی راہوں کے درمیان خوف ورجاء کا راستہ ہے۔ اگر اس قدر توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خوف بھی نہ رہا تو یہ بھی غلط راہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ	اللہ تعالیٰ کی تدبیر گرفت سے صرف علماء ہی
	وہ لوگ ہی بے خوف ورجاء ڈر ہوتے ہیں۔

اور اگر خوف اس قدر غالب ہوا کہ دل سے امید رحمت وبخشش کا نام ونشان مٹ گیا تو یہ بھی غلط راستہ ہے اور یہ بھی غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يَيْئَسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ اِلَّا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف وہی لوگ مایوس
الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۔ ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

لیکن اگر تم خوف و رجاء کے درمیان پہلے دونوں امور میں پڑا تو یہی وہ صراط مستقیم ہوگی
ان اولیاء و اصفیاء کا راستہ ہے جن کی اس نے اپنی کتاب میں یوں تعریف فرمائی ہے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ بیشک وہ نیک کاموں کی طرف جلدی
وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا کرتے تھے اور خوف اور لالچ کی حالت میں ہمیں پکارتے
خٰشِعِيْنَ ۔ تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرتے تھے۔

جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ اس کی تین قسمیں ہیں مختلف راستے ہیں:

۱۔ امید کا راستہ۔

۲۔ ناامیدی و مایوسی کا راستہ۔

۳۔ ان دونوں۔ یعنی کے درمیان خوف و رجاء کا راستہ۔

تو اگر تم ذرا بھی دائیں یا بائیں ہوئے تو دو مہلک راستوں میں جا پڑو گے۔ اور ہلاک ہونے والوں
کے ساتھ ہلاک ہو جاؤ گے

پھر صورت حال یہ ہے کہ ناامیدی و مایوسی کے دونوں راستے درمیانی راستے کی بہت زیادہ
کشادہ ہیں۔ اور ان کی طرف جانے والوں کی کثرت ہے اور درمیانی راستے کی نسبت ان دو راستوں پر
سہل و آسان ہے۔ کیونکہ اگر تم جانب امید یعنی خوف کی طرف سے زور لگاؤ گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی وسیع
رحمت اس کے بے پایاں فضل و کرم اور اس کی بخشش اور بخشنے کا وہ سمندر نظر آئیں گے کہ خوف و ڈر کا
شائبہ بھی دل میں باقی نہیں رہے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کر کے بے خوف ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔
اور اگر جانب خوف کی طرف دیکھو گے تو تمہیں خدا تعالیٰ کی غضبناک قدرت غالب سیاست سخت
ہیبت ناک حساب و کتاب کی نزاکت اپنے دیوں اور برگزیدہ بندوں کی بھی عذاب گرفت سے ڈرنے
والے بغیر نعمت و عبادت سے آگے کچھ باقی نہیں۔ بندے کی تو یہی دوڑ ہے جس کی انتہا یہاں ہو گئی

اب یہی صورت حال کے پیش نظر تو پر بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت پر
بھی نظر رکھے کہ اس کی رحمت پر بھروسہ کر کے بالکل بے خوف نہ ہو جائے کہ یہ بھی خطرناک ہے۔ اور نہ

[illegible] ہیبت اور آخرت میں سخت حساب پر بھی نظر رکھو کیونکہ اس طرح تم قیامت کے دن [illegible] بچ جاؤ گے۔ بلکہ دونوں جہانوں کی بہتری تمہارے [illegible] ہے۔ اور اعتدال کا راستہ خوف اور رجاء کے درمیان ہے۔ اور یہ درمیانی راستہ [illegible] ہے لیکن ہر شخص سے مخفی اور باریک ہونے کی وجہ سے مخلوق سے چھپا ہوا ہے۔ کیونکہ صفت رجاء کا راستہ بہت [illegible] ہے اور کشادہ ہے۔ لیکن اس کی منزل اور ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس طرح صفت خوف کا راستہ بھی کچھ [illegible] ہے لیکن اس کا انجام جنت ہے۔ اور اعتدال کا راستہ خوف اور رجاء کے درمیان ہے۔ اور یہ درمیانی راستہ [illegible] ہے لیکن ہر شخص سے مخفی اور باریک ہونے کی وجہ سے مخلوق سے چھپا ہوا ہے۔ یہ صفت رجاء اور خوف کے درمیان [illegible] ہے۔

خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک نہیں سنا؟:

[illegible] وہ اپنے [illegible] ہیں۔

پھر ان کی جزا کے متعلق فرمایا:

[illegible] کوئی نفس نہیں جانتا جو [illegible]

[illegible] جو کچھ وہ [illegible]

يَعْمَلُوْنَ ۝

ان کی جزا کے طور پر (آخرت میں) پوشیدہ رکھی ہوئی ہے۔

اس آیت قرآنی سے پوری طرح خوف اور رجاء کے [illegible] کی ضرورت اور [illegible] خوف اور رجاء کا مقام حاصل کرنا آسان نہیں۔

پس یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ اس راہ پر چلنا اور [illegible] کس کو اس کی خوبیوں سے [illegible] اور عمل صالح میں [illegible] کوشش کرنے سے [illegible]

[illegible] جب تک [illegible] نہ رکھے۔ اور جب تک [illegible] کے بغیر [illegible]

[illegible] کی مخالفت و [illegible] نہ ہو جائے۔ وہ تین طریقوں سے ہوتا ہے:

1. [illegible] کے متعلق خدا تعالیٰ کے ارشادات۔
2. [illegible] کے متعلق خدا تعالیٰ کا دستور۔

(۳) آخرت میں نیک لوگوں کے ثواب اور بُرے لوگوں کے سزا و عذاب کو یاد رکھنا۔

ان تین اصولوں کی کما حقہٗ تفصیل کے لیے تو دفتر درکار ہیں۔ ہم نے اس باب میں ایک مستقل کتاب "تنبیہ الغافلین" تصنیف کی ہے۔ اور اس مختصر کتاب میں ہم صرف ان کلمات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کو ذہن نشین کر لینے کے بعد مقصود سے ان شاء اللہ تعالیٰ واقف ہو جاؤ گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

اصل اوّل

ترغیب و ترہیب کے متعلق خدا تعالیٰ کے ارشادات

اے برادرِ عزیز! تجھے ان آیات میں غور و تدبر اور غور کرنا چاہیے جن میں خدا تعالیٰ نے ترغیب و ترہیب اور خوف و رجاء کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ رجاء کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔
يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ	اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتا ہے۔
وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ غَافِرِ	اللہ تعالیٰ کے سوا کون گناہ بخشنے والا ہے اللہ
الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ۔	تعالیٰ گناہ بخشتا ہے اور توبہ قبول کرتا ہے۔
وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ	وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی
وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ۔	خطائیں معاف کرتا ہے۔
كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔	تمہارے پروردگار نے رحمت و بخشش اپنے ذمے رکھی ہے۔
وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا	میری رحمت ہر شے پر وسیع ہے میں عنقریب ہی
لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔	رحمت ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو متقی ہیں۔
اِنَّ رَبَّكَ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔	بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا ہی شفیق ہے
وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ؕ	وہ مومنوں پر مہربان ہے۔

ان مذکورہ آیات اور اس طرح کی دیگر بہت سی آیات میں رجاء کا بیان ہے۔

خوف اور ہیبت کی آیات:

يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝	اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝

کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۝

کیا انسان یہ گمان کیے بیٹھا ہے کہ اس کو بے مہار چھوڑ دیا جائے گا؟ نہیں ہوگا۔

لِيَذُوقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

آخرت میں نجات کے امیدوار ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب نہیں۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

جو شخص بھی برائی کرے گا تو اس کا بدلہ اسے اسی کے برابر دیا جائے گا اور جو مرد یا عورت ایمان کی حالت میں نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔

وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ۝

اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔

وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝

اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے جہنم والے ہیں۔

وَإِذْ قَالُوا مَا أُنْزِلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِلنَّاسِ ۚ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ۝

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ جانی جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نہیں اتارا۔ آپ کہہ دیجیے کہ وہ کتاب کس نے اتاری جو موسیٰ لائے تھے جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی، تم اس کو کاغذوں میں لکھ لیتے ہو جنہیں ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتیں چھپا جاتے ہو، اور تمہیں وہ کچھ سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دیجیے اللہ نے، پھر انہیں چھوڑ دیجیے کہ اپنی بیہودہ بحثوں میں کھیلتے رہیں۔

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو کہیے تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے رحمت اپنے ذمہ لازم کر لی ہے کہ جو تم میں سے نادانی سے برائی کرے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے دشمن کے مقابلے میں کامیابی عطا فرمائے اور ہر غم سے بچائے۔

پھر وہ آیات مبارکہ جن میں خوف و رجاء دونوں کا بیان ہے:

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

میرے بندوں کو خبر دے دیجیے کہ میں بخشنے والا مہربان ہوں۔

اس کے متصل بعد فرمایا:

وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ

بیشک میرا عذاب بڑا سخت عذاب ہے۔

عذاب کا ذکر ساتھ ہی اس لیے فرمایا تاکہ بندے پر صرف رجاء کا ہی غلبہ نہ ہو جائے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایک جگہ جہاں یہ فرمایا:

شَدِيدُ الْعِقَابِ ۔ وہ سخت گرفت کرے گا۔

وہاں اس کے متصل بعد یہ بھی فرمایا:

ذِي الطَّوْلِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۔ وہ بڑا مہربان ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

"تاکہ بالکل خوف کا غلبہ ہی نہ ہو جائے۔

اس سلسلے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عجیب ترین قول یہ ہے کہ پہلے فرمایا:

وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۔ اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ ہی فرما دیا:

وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۔ اور اللہ بندوں پر شفیق و مہربان بھی ہے۔

اور اس سے بھی عجیب تر یہ قول ہے:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ ۔ جو شخص رحمٰن کو دیکھے بغیر اس سے ڈرتا ہے۔

خشیت کے ساتھ اپنا ذکر اسم مبہم یا منتقم یا مثبت سے نہ کیا جو خشیت کے لحاظ سے موقع کے مناسب تھا۔ بلکہ خشیت کو رحمٰن سے معلق فرمایا تاکہ خشیت و رحمت کا ذکر ہو جائے کہ دل صرف ذکر خشیت سے فنا ہی نہ ہو جائے۔ لہٰذا ڈرانے کے ساتھ ساتھ امن دینے کا بھی ذکر ہو گیا اور تحریک کے ساتھ ساتھ تسکین کا ذکر بھی کر دیا۔

اس آیت کے مضمون کی مثال یوں ہے کہ تم کسی کو کہو "تم اپنے مہربان باپ سے کیوں نہیں ڈرتے" یا "تم اپنے مشفق باپ سے کیوں خوف نہیں کھاتے"۔ "تم رحمدل حاکم سے کیوں نہیں ڈرتے"۔

اس قسم کی گفتگو سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ خوف و امن کا درمیانی رستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اور بالکل مایوسی یا بالکل بے خوفی سے دور رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت و کرم سے ہمیں اور تمام اہل ذکر حکیم کو تدبر اور اس پر عمل کرنے والوں سے کرے۔ بے شک وہ بڑا جواد سخی اور کریم ہے

ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

دوسری فصل

اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کے بیان میں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

روتے رہے۔ اور اس سلسلے میں آپ کو بے انتہا مشقت و تکلیف جھیلنی پڑی۔ بیشمار مشقت اور رنج کے اثرات آپ کی ذات میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہ گئے۔

(۳) حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام جو شیخ الانبیاء ہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کے سلسلے میں کس قدر شدید مشقتیں و تکالیف برداشت کیں آپ کے منہ سے جب یہ بات نکلی کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے فوراً فرمایا:

فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

آپ مجھ سے ایسی بات کی ہرگز درخواست نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نادان لوگوں میں سے نہ ہوں۔

روایات میں آیا ہے کہ اس کے بعد شرم و حیا کے باعث چالیس سال آپ نے آسمان کی طرف سر اُٹھا کر نہ دیکھا۔

(۴) پدرِ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صرف ایک نامناسب کلمہ ہوا تو اس نے باعث آپ کو کس قدر خوف، خشیت اور کس قدر عجز و تضرع سے مالا مال کر دیا چنانچہ یوں کہا:

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْۗـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝

وہ ذات جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری خطا بخش دے گا۔

روایات میں یہاں تک آیا ہے کہ آپ اس قدر روتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے لیے جبریل علیہ السلام کو آپ کے پاس بھیجا تھا۔ حضرت جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام لاتے تھے:

يَا اِبْرٰهِيْمُ لِمَنْ هٰذَا الْبَيْتُ الْخَبِيْثُ ۔۔۔ اے ابراہیم! تو نے کس کے لیے یہ گھر بنایا ہے

ف ایک قول یہ ہے کہ خطاء سے مراد اپنی سفیہہ بی بی کبیرہ ہاجرہ کی دلجوئی کرنی تھی کے خلاف ہیں لیکن درحقیقت یہ خطاء آپ نے تربیت و ترغیب کے طور پر کی جو حرام میں داخل نہیں بلکہ جائز و درست ہیں نہ یہ طلب مغفرت کی ضرورت نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نبی اکرم کا اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا تعلیم امت اور تواضع و انکساری کے طور پر ہوتا ہے۔"

(مدارک ج ۳۔ ص ۱۸۷، ۳۷ آیت کے تحت، مترجم۔

خلیلہ بالنار؟ — اپنے دوست کو آگ کے عذاب میں ڈالے؟

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت جبریل کو جواب میں کہتے تھے:

یا جبریل اذا ذکرت خلتی — اے جبریل! جب مجھے اپنی خلت یاد آتی ہے تو

نسیت خلتہٗ۔ — خوف کے باعث تیرے سامنے اپنی دوستی بھول

جاتا ہے۔

(۵) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک دفعہ ایک گناہ ہوا کہ آپ نے بنی اسرائیل کے ایک کافر قبطی کو مار دیا لیکن اس فعل پر آپ کے دل میں خدا تعالیٰ کا کس قدر خوف و ڈر پیدا ہوا اور آپ نے کس قدر گریہ و زاری اور استغفار سے کام لیا چنانچہ قرآن مجید میں وارد ہے کہ آپ نے جناب خداوندی میں عرض کیا:

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ۔ — اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے۔

(۶) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے ایک شخص بلعم بن باعورہ کا واقعہ بھی یاد کرو۔ گمراہ ہونے سے پہلے اس کی حالت یہ تھی کہ جب وہ آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو اس کی نظر عرش عظیم تک پہنچتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں اسی کا تذکرہ کیا ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ۔ — اور اگر ہم چاہتے تو ہم اس کو ان آیتوں کے ذریعہ بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو زمین کی طرف جھک گیا اور اپنی خواہش کے خلاف چل پڑا۔

اور یہ گمراہی و ضلالت اس پر صرف اس وجہ سے مسلط ہو گئی کہ وہ دنیا اور اہل دنیا کی طرف جھک گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نکتہ بیان کرنے کے لئے دو کتوں میں سے ایک دوست کی مثال بیان فرمائی تاکہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر ظاہر ہو جائے کہ دنیا سے محبت کرنا اور اس کی طرف مائل ہونا کتنا بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قرآن مجید میں فرمایا کہ اس کی مثال کتے کی طرح کر دیا چنانچہ اس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا:

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ۔ — اس کی مثال کتے کی طرح ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ آور ہو تو زبان نکال دے الخ۔

تو صرف یک بار اللہ تعالیٰ کے دوست کی بے ادبی کرنے پر ایک بار دنیا کی طرف بھیجنے کی یاد دہانی میں اسے ہلاکت اور ضلالت کے سمندر میں ہمیشہ کے لیے غرقاب کر دیا گیا۔

میں نے اپنے علم سے سنا ہے اور اللہ موت سے قبل بعض اوقات عورت کی جنس ظلم میں صرف ایک دفعہ بار بار بڑی بڑی غلطیوں کا مرتکب ہوتے تھے جو ہاتھوں سے قلم دوات لیے اس کے بعد اللہ سے بہ طفیل توبہ قبول کرتے تھے۔ پھر گمراہی کے بعد وہ اس حالت کو پہنچا کہ کہ انہوں نے خدا کے سوا پرستش پیدا کی اس نے اللہ تعالیٰ کی بہت نافرمانی کی یہاں اللہ تعالیٰ کے غضب سے اس کی ہلاکت اس کی طرف سے ستائے ہوئے والی ذلت و خواری سے بار بار پناہ چاہتے ہیں۔ تو ذرا غور کرو کہ دنیا کی محبت اور لمبی عمر تو کیا بڑے بڑے عظیم گناہوں اور نافرمانی اور گمراہی کے گہرے گڑھے میں کہاں تک دھکیل کر لے جاتی ہے۔ لہٰذا بیدار اور ہوشیار ہو۔ کیونکہ معاملہ بڑا خطرناک ہے اور غفلت ہے اور عمل نیکیوں سے بہرہ ہیں۔ اور اعمال کو بچنے والا بڑا ہی بصیرت سے۔ اگر وہ اچھے اعمال پر ہمیں توفیق فرمائے اور ہماری لغزشوں کو معاف کر دے تو اس کو کوئی عاجز نہیں۔

(۷) پھر سیدنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ تھے صرف ایک لغزش کا صدور ہوا تو حوا ہی سے اس قدر روتے رہے کہ ان کے آنسوؤں سے زمین سے بہنے والے

آپ بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کرتے تھے:

بھی ترجمہ بکائی و تضرعی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا:

بادنود نسیت ذنبک و ذکرت

بکاؤک

تجھے اپنا رونا یاد ہے۔

منقول ہے کہ چالیس روز تک روزانہ ایک روایت کے مطابق چالیس سال تک آپ کی توبہ قبول نہ ہوئی۔

(۸) پھر سیدنا حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو بات ہوئی وہ تو یہ کہ آپ ایک دفعہ بے محل غصہ میں آگئے تو سمندر کی مچھلی کے پیٹ میں چالیس روز تک مچھلی کے پیٹ میں قید

کردیے گئے۔ وہاں آپ یہ نظم پڑھتے اور خدا کو یاد کرتے تھے:

[illegible]

کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

[illegible]

دشمنوں نے آپ کی آواز سنی اور رحم کیا [illegible] آواز تو سنی جاتی ہے مگر اس کا مقام

[illegible] کی جگہ معلوم نہیں ہوتی تا اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تیری آواز کو پہچانتے ہیں اس

فرشتوں نے شفاعت کی مگر [illegible] کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کا [illegible]

جنگ کے بہانے دواسین کے [illegible] آپ کا ذکر کیا۔ اور اس قصہ کو [illegible] فرمایا:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سبیحی ھود و نحوانی — [illegible]

بڑھا کر دیا ہے۔

حضور فرماتے ہیں سورۂ ہود کی اس آیت اور اسی طرح کی دوسری آیات نے مجھے

قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم بھی دیا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ — [illegible]

اس لئے آپ حضور صلعم مسلسل استغفار کرتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

یہ آیت نازل ہوئی:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْٓ — [illegible]

اَنْقَضَ ظَهْرَكَ۔ — کمر توڑ دی تھی۔

نیز یہ آیت بھی نازل ہوئی:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ — تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی گذشتہ [illegible]

وَمَا تَاَخَّرَ۔ — درگزر فرما دے۔

ان آیات کے نزول کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حالت تھی کہ آپ سوتے

نہیں تھے بلکہ ساری رات عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک

ورم کر آتے۔ صحابہ کرام تعجب و حیرت سے سوال کرتے تھے:

لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَدْ — [illegible]

غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ — [illegible]

وَمَا تَاَخَّرَ۔ — [illegible]

تو آپ جواب میں فرماتے تھے:

اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا — [illegible]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

اِنِّيْ لَاَعْصِي فَيُعْصَمُ — [illegible]

ھاذا تعذیبا عذابا لمن بعدہ	یہ سخت عذاب ہوگا ان لوگوں پر جو اس عذاب کے بعد
احدا من العٰلمین ۔	کسی اور کو عذاب دیں گے۔

آپ ساری ساری رات نماز پڑھتے رہتے تھے اور روتے رہتے تھے اور زبان مبارک سے یہ دعا کرتے تھے:

اعوذ بعفوک من عقابک وبرضاک	اے اللہ میں تیرے عذاب سے تیری معافی کی پناہ میں
من سخطک واعوذ بک منک	آتا ہوں اور تیرے غصے سے تیری رضامندی کی پناہ میں
لا احصی ثناء علیک انت کما	آتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں میں تیری
اثنیت علی نفسک	ثنا کا حق ادا نہیں کر سکتا تو ویسی ہی تعریف ہے جیسی تو
	نے خود
	اپنی کی ہے۔

پھر جن بزرگوں کے زمانہ کو دوسرے زمانوں سے بہتر فرمایا اور جو تمام امت سے افضل تھے آپس میں صرف ایک دفعہ کہیں معمولی مذاق کا فقرہ زبان سے نکل گیا تو فوراً یہ آیت نازل ہوئی:

الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع	کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے
قلوبھم لذکر اللہ وما	دل اللہ کی یاد سے اور جو حق اترا ہے
	اس کی
	نصیحت

پھر اللہ تعالیٰ نے اس امت کے مرحومہ ہونے کے باوجود ہر گناہ کا ارتکاب کرنے والوں کی تنبیہ و تادیب کے لیے سزائیں و حدود مقرر کر دی ہیں۔

حضرت یونس بن عبید کہا کرتے تھے کہ اگر میں کسی کے پانچ درہم چوری کرنے سے تمہارا ہاتھ کٹ سکتا ہے تو وہاں آخرت میں تم کو عذاب سے بچنے بے فکر نہیں ہونا چاہیے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ اپنے لطف و فضل کے مطابق سلوک کرے انہ ھو ارحم الراحمین۔

رجا سے متعلق چند واقعات:

مقام رجا کے معنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ رحمت خداوندی کا تذکرہ کرنا ایک اچھی بات ہے۔ اس میں کوئی حرج اور قباحت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بیان اور اس کی

نہایت وغایت اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ ایک گھڑی کے لیے بھی اس سے متعلق نہ رہ سکا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

[illegible]

[illegible]

جائیں گے۔

تم فرعون کے جادوگروں کے واقعہ کو نہیں دیکھتے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آئے تھے اور خدا کے دشمن فرعون کی عزت کی قسم کھائی تھی۔ [illegible] پڑ گئے تھے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقابلہ کیا تو وہ کیسے فرعون کی سخت سزا دیکھ کر

بول اٹھے:

[illegible]

ان جادوگروں کے متعلق یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایمان لانے کے بعد وہ نیک اعمال کیے تھے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے [illegible] قرآن مجید میں بار بار ان کا ذکر کیا ہے۔ ذکر کیا ہے اور ان سے بڑھ کر کیا ذکر ہو سکتا ہے کہ ایک لمحہ بھر کے ایمان کی برکت سے [illegible] انہوں نے [illegible] سب کچھ کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی روحانیت [illegible] بے شمار نعمتوں کی [illegible] قیامت تک ہمیشہ کے لیے ان [illegible] ان لوگوں پر [illegible] کا حال ہے جنہیں صرف ایک لمحہ کے لیے [illegible] کا موقع ملا۔ [illegible] تعالیٰ کی عنایت اس قدر ہوئی کہ ان کی زندگی [illegible] بیمار رہتی [illegible] میں اپنے تمام معاملات اسی سے وابستہ رکھے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جب اس نے اپنی رحمت کے سو حصوں میں سے صرف ایک حصے سے دنیا میں تجھ پر اس قدر نعمتیں کیں کہ تجھے اپنی معرفت عطا کی، اس اُمت محمدیہ میں پیدا کیا۔ اور طریقہ اہل سنت وجماعت کی پیروی نصیب کی۔ اس سے تو بے خبر ہی رہا۔ باقی نعمتیں عطا کیں، تو اس کے فضل عظیم سے اس بات کی بھی امید ہے کہ وہ یہ نعمتیں تجھ پر مکمل کر دے گا۔ کیونکہ جو احسان کی ابتدا کرتا ہے اس کے لئے مناسب ہے کہ اس کو مکمل بھی کرے اور بقیہ بیکم سو حصوں سے تجھے فراغت کرے ——— ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضل عظیم سے محروم نہ کرے۔ بیشک وہ بڑا صاحب کرم و احسان مالک ہے اور بڑا رحیم اور جواد ہے۔

تیسری اصل

آخرت کے وعدہ وعید کے بیان میں

اس میں چند مقامات ذکر کرتے ہیں:

موت۔ قبر۔ قیامت۔ جنت۔ دوزخ۔

ہر مقام سے متعلق جو خرابیاں ذکر ہوئی ہیں جن کی وجہ سے نیک لوگ بھی ان کو ناپسند کرتے ہیں اور ان میں جو بھلائیاں ہیں وہ بھی ذکر کی جائیں گی۔

موت کا بیان:

اس باب میں دو ترجمے ہیں۔ ایک تو وہ جو زبان پر معمولی سا ہے۔ دوسرا ترجمہ ان میں سے ایک ترجمہ میں ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس پر تنبیہ کی جا چکی تھی۔ اس کے باوجود ایک شخص نے اس ترجمہ کا انکار کیا اور کہا کہ یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ اس کو چاہیئے تھا کہ پہلے ترجمہ کی غلطی سے پہلے مجھ سے گفتگو کرتا۔ پھر اس کے بعد اس کو غلط کہتا۔ اس نے قرآن کریم کے یہ الفاظ پڑھے۔

وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا

اور تم میں سے کوئی نہیں مگر اس پر وارد ہونے والا ہے۔ یہ تیرے رب پر لازم ہے۔

اس نے کہا:

حمد اللہ الذی بغی صاحبہ — اس کی تعریف جس نے اپنے صاحب پر زیادتی کی۔

قبر اور بعد الموت کا حال:

(۳) اب جنت فردوس کے محلات تیرے سامنے ہیں۔ تو جس کو چاہتا ہے لے لے اور ہر وقت میری زیارت سے مشرف ہوتا رہ کیونکہ میں اب تیرے ساتھ اور تیرے قریب ہی رہوں گا۔

دوسرا واقعہ اس شخص کا ہے جسے بعض لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ اس کا سر ٹخنے اور گردن سے بندھے ہوئے ہیں۔ اس سے دریافت کیا گیا شخص تجھ سے تیرے ساتھ یہ کیا ہوا؟ تو اس نے جواب میں یہ شعر پڑھا ؎

تولی زمان لعبنا بہ وھذا زمان بنا یلعب

وہ زمانہ بیت گیا جس سے ہم کھیلتے تھے۔ اب یہ وہ زمانہ ہے جو ہم سے کھیل رہا ہے۔

تیسرا باب میں دو اور ذیلوں کا حال بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے۔ ایک تو یہ کہ کسی بچہ کا لڑکا شہید ہوگیا۔ وہ اپنے باپ کو کبھی خواب میں نظر نہ آیا۔ صرف اس دن خواب میں باپ سے جس دن سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال فرمایا۔ باپ نے دیکھ کر فرمایا اے میرے بیٹے کیا تجھ پر موت نہیں واقع ہو چکی؟ تو اس نے جواب دیا میں مردہ نہیں ہوں بلکہ مجھے بہت نعمت نصیب ہوئی ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں زندہ ہوں۔ اور مجھے انواع و اقسام کی روزی ملتی ہے۔ باپ نے کہا آج تو کیسے ادھر آگیا؟ تو اس نے کہا آج تمام آسمان والوں کو آواز دی گئی کہ آج کون کون صدیق اور شہید دفن ہونے والا ہے۔ سب عمر بن عبدالعزیز کے جنازہ میں شریک ہوں۔ تو میں بھی ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے ادھر آیا تھا۔ پھر میں نماز جنازہ سے فارغ ہو کر تمہیں سلام کہنے آیا ہوں

اور دوسرا واقعہ وہ ہے جو حضرت مشام بن حسان سے منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرا ایک چھوٹی عمر کا بچہ فوت ہوگیا۔ بعد از موت میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ بوڑھا ہو چکا ہے میں نے پوچھا بیٹے تو بوڑھا کس طرح ہوگیا؟ تو اس نے جواب دیا جب فلاں شخص دنیا سے ہمارے پاس پہنچا تو دوسروں نے اسے دیکھ کر غصہ سے یک دم سانس لی جس کے خوف سے تمام بچے بوڑھے ہو گئے ہیں۔

——— نعوذ باللہ الرحیم من العذاب الالیم۔

روز قیامت:

روز قیامت میں لوگوں کی کیفیت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ — اس دن ہم پرہیزگار لوگوں کو رحمٰن کی بارگاہ میں سوار

وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ [illegible]

جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ — پیاسا ہانکیں گے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وآله وسلم فتقول لهم الملئكة تو فرشتے ان سے پوچھیں گے کیا تمہارا حساب

هل حوسبتم ؟ فيقولون لا ۔ کیا تمہارا حساب ہو چکا ؟ وہ جواب دیں گے نہیں

فتقول الملئكة هل وزنتم ؟ تو فرشتے پوچھیں گے کیا تمہارے اعمال

فيقولون لا ۔ فتقول الملائكة هل تمہارے اعمال

قرئتم كتبكم ، فيقولون لا ۔ فتقول تمہارے سامنے تمہارے اعمال کی کتابیں

الملائكة ارجعوا فكل ذلك پڑھی گئیں ؟ وہ کہیں گے نہیں ۔ فرشتے

وراءكم فيقولون هل اعطيتمونا کہیں گے تمہارے پیچھے جاؤ

شيئا فتحاسب عليه ؟ فيقولون لا ۔ کیا تمہیں کچھ دیا گیا ہے ؟ وہ کہیں گے نہیں

آخر ما ملكنا شيئ فنحدث او تو وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس کچھ نہیں

نحور ۔ ولكن عبدك تاب حتى ہم نے کچھ بیان کیا ہے یا کچھ

دعانا فاجبنا وقيدنا منا ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے بلکہ

صدق عبدي ما على المحسنين تیرے بندے نے سچ کہا ہے نیکوکاروں

من سبيل ۔ والله غفور رحيم ۔ پر کوئی الزام نہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ

رب کی بندگی و عبادت میں مصروف رہے یہاں تک کہ اس نے کہا کہ

آؤ زندگی بسر کرو اس کے میرے بندوں نے سچ کہا ہے

نہ کوئی پرسش اعمال ہے نہ

کوئی پرسش اعمال نہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔

اے مخاطب ! کیا تو نے خدا تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک نہیں سنا :

أَفَمَنْ يَتَّقِي فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي

مِنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔

تو وہ شخص کس قدر عظیم مرتبہ ہوگا جو قیامت کے ان خوفناک مناظر، ہیبت ناک زلزلوں اور دردناک

واقعات کو دیکھے گا مگر اس کے دل کو کوئی خوف، گھبراہٹ اور پریشانی محسوس نہیں ہوگی بلکہ

وہ خدا کی مہربانی سے جنت میں سے سکون و امن کے ساتھ گزر کر جنت کی طرف چلا جائے گا

—— ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اور ہمارے سب کو ان نیک بختوں میں شامل کرے

اور یہ اللہ جل جلالہٗ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔

جنت اور دوزخ کا بیان

اس باب میں قرآن مجید کی دو آیات پر غور کرو۔ ایک آیت یہ ہے:

اور دوسری آیت وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اہل دوزخ کا حال بیان فرماتا ہے:

فرمائے گا اسی میں ذلت و خواری کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات بھی نہ کرو۔

جنت میں جانے کے لیے کون کون سے کام ضروری ہیں اور دوزخ میں کن کاموں کی وجہ سے جانا ہوگا

قرآن مجید میں جنت اور دوزخ کا ذکر بار بار آیا ہے۔ وہ اس لیے کہ جنت کا پانا ہر ایک کا مقصد ہونا

چاہیے اور دوزخ سے بچنا ہر ایک کا فرض ہے۔ جنت کا حال سن کر ہر ایک کا دل للچاتا ہے اور دوزخ

کا حال سن کر ہر ایک کانپ اٹھتا ہے۔ اس لیے جنت کا حال بیان کرنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ

ہر ایک شخص جنت کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دوزخ کا حال بیان کرنے سے یہ فائدہ ہوتا

ہے کہ ہر ایک شخص دوزخ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے جنت اور دوزخ کا حال بیان کرنا

بہت ضروری ہے۔ اس کتاب میں ہم جنت اور دوزخ کا حال بیان کرتے ہیں۔

جنت کا حال بیان کرنے سے پہلے ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جنت کیا چیز ہے اور

کیوں کر ملتی ہے۔ جنت کا ملنا اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ کوئی شخص اپنے اعمال کے

بدلے جنت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت ملتی ہے اور اعمال سے اللہ

تعالیٰ کا فضل حاصل ہوتا ہے۔ اعمال کے بدلے جنت ملنا اور بات ہے اور اعمال سے اللہ تعالیٰ کا

فضل حاصل ہونا اور بات ہے۔ اعمال کے بدلے جنت ملنا ایسا ہے جیسے کوئی مزدور کسی سے

مزدوری کرے اور اس کی مزدوری اس کو دے دی جائے۔ اعمال سے اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل ہونا

ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو کچھ دے دے۔ اعمال کے بدلے جنت ملنا ایسا ہے جیسے کوئی

مزدور کسی سے مزدوری کرے اور اس کی مزدوری اس کو دے دی جائے۔ اعمال سے اللہ تعالیٰ کا

فضل حاصل ہونا ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو کچھ دے دے۔ اعمال کے بدلے جنت ملنا ایسا ہے

جیسے کوئی مزدور کسی سے مزدوری کرے اور اس کی مزدوری اس کو دے دی جائے۔ اعمال سے اللہ

تعالیٰ کا فضل حاصل ہونا ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو کچھ دے دے۔ اعمال کے بدلے جنت ملنا

ایسا ہے جیسے کوئی مزدور کسی سے مزدوری کرے اور اس کی مزدوری اس کو دے دی جائے۔ اعمال

سے اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل ہونا ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو کچھ دے دے۔ اعمال کے بدلے

جنت کا ملنا ایسا ہے جیسے کوئی مزدور کسی سے مزدوری کرے اور اس کی مزدوری اس کو دے دی

جائے۔ اعمال سے اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل ہونا ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو کچھ دے دے۔

اعمال کے بدلے جنت کا ملنا ایسا ہے جیسے کوئی مزدور کسی سے مزدوری کرے اور اس کی مزدوری

اس کو دے دی جائے۔ اعمال سے اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل ہونا ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو

کچھ دے دے۔ اعمال کے بدلے جنت کا ملنا ایسا ہے جیسے کوئی مزدور کسی سے مزدوری کرے اور

اس کی مزدوری اس کو دے دی جائے۔ اعمال سے اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل ہونا ایسا ہے جیسے کوئی

شخص کسی کو کچھ دے دے۔ اعمال کے بدلے جنت کا ملنا ایسا ہے جیسے کوئی مزدور کسی سے

مزدوری کرے اور اس کی مزدوری اس کو دے دی جائے۔ اعمال سے اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل ہونا

ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو کچھ دے دے۔ اعمال کے بدلے جنت کا ملنا ایسا ہے جیسے کوئی

مزدور کسی سے مزدوری کرے اور اس کی مزدوری اس کو دے دی جائے۔ اعمال سے اللہ تعالیٰ کا

فضل حاصل ہونا ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو کچھ دے دے۔ اعمال کے بدلے جنت کا ملنا ایسا

ہے جیسے کوئی مزدور کسی سے مزدوری کرے اور اس کی مزدوری اس کو دے دی جائے۔ اعمال سے

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب اس شخص کا ذکر کیا گیا جو سب سے آخر دوزخ سے نکلے گا جس کا نام ہنّاد ہوگا۔ اس کو ایک ہزار سال عذاب ہوگا وہ چلّا چلّا کر روئے گا جس طرح بچے روتے ہوئے دوزخ سے باہر آئے گا۔ اس کا حال سن کر رو پڑے اور فرمانے لگے کہ ہم نادان لوگ ان لوگوں کو آپ کے اس فرمان پر تعجب ہوا۔ آپ نے فرمایا تم پر افسوس کہ بات نہیں سمجھتے۔ وہ بات یہ ہے کہ جو دوزخ سے نکل کر آئے گا۔ میں کہتا ہوں کہ خوف و ڈر کا یہ ہمارا معاملہ ایک معمولی بات کی وجہ سے ٹوٹتا ہے۔ اور وہ بات نکتہ ہے جو پیشتر کو توڑتا ہے اور پہروں کو ذکر کرتا ہے جس کے تصور سے جگر پگھل جاتے ہیں۔ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ اور رونے والوں کی آنکھیں خون سے تر ہو جاتی ہیں۔ وہ نکتہ ہے معرفت الٰہی کا چشمہ جاننا یہی وہ اصل بات ہے جس کا خوف ڈرنے والوں کو ہر وقت لگا رہتا ہے اور جس پر رونے والوں کی آنکھیں ہر وقت آنسو بہاتی رہتی ہیں۔ جس نے اس قول سے غم تین طرح کے ہیں۔ ان سب کا غم کہ شاید وہ قبول نہ ہو۔ اور محبت کا غم کہ شاید اس کی معرفت نہ ہو۔ اور معرفت کا غم کہ وہ کسی وقت چھین نہ لے جس نے کہا ہے کہ غم دو حقیقت ایک ہی ہے۔ اور وہ صاحب معرفت کا غم ہے باقی دو غم اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب معرفت کامل ہو جاتی ہے تو غم بھی دور ہو جاتا ہے۔ لیکن صاحب معرفت کا غم سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس زمانہ اللہ تعالیٰ محبت کی بات بہت کم کرتے ہیں اور نہ آپس میں محبت کرتے ہیں۔ بلکہ آپس میں بغض و عداوت رکھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو برا کہتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اچھا کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس شخص کو دوست رکھتا ہوں جو مجھ سے محبت کرتا ہے اور میرے ذکر سے محبت رکھتا ہے۔ اور میرے لئے آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ اور میری راہ میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے بدن کو مشقت میں ڈالتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے وطن کو چھوڑتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے رشتہ داروں سے جدا ہوتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے دوستوں سے جدا ہوتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے گھروں کو چھوڑتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے بچوں کو یتیم کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنی بیویوں کو بیوہ کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے مکانوں کو ویران کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے جسموں کو مشقت میں ڈالتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے دلوں کو غم میں ڈالتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے آنسو بہاتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے نفسوں کو ذلیل کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے بدنوں کو ضعیف کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے چہروں کو زرد کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے سروں کو ننگا کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے گھٹنوں کو ٹیکتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے پیروں کو کھڑا کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے سجدوں کو لمبا کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے پہلوؤں کو بستر سے جدا کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے ہونٹوں کو ہلاتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے دلوں کو تڑپاتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے جسموں کو ضعیف کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے بدنوں کو لاغر کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے رنگوں کو زرد کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے آپ کو ذلیل کرتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنے آپ کو خوف سے روتے ہیں۔ تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو۔ کیونکہ اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے ان لوگوں کو جو اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے آپس میں ملتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے بدن کو مشقت میں ڈالتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے وطن کو چھوڑتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے رشتہ داروں سے جدا ہوتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے دوستوں سے جدا ہوتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے گھروں کو چھوڑتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے بچوں کو یتیم کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنی بیویوں کو بیوہ کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے مکانوں کو ویران کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے جسموں کو مشقت میں ڈالتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے دلوں کو غم میں ڈالتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے آنسو بہاتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے نفسوں کو ذلیل کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے بدنوں کو ضعیف کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے چہروں کو زرد کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے سروں کو ننگا کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے گھٹنوں کو ٹیکتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے پیروں کو کھڑا کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے سجدوں کو لمبا کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے پہلوؤں کو بستر سے جدا کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے ہونٹوں کو ہلاتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے دلوں کو تڑپاتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے جسموں کو ضعیف کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے بدنوں کو لاغر کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے رنگوں کو زرد کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے آپ کو ذلیل کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اس کے لئے اپنے آپ کو خوف سے روتے ہیں۔

سے خوف دل میں پیدا نہیں ہوتا ہے۔

سوال:

[illegible]

جواب:

[illegible]

سوال:

[illegible]

جواب:

[illegible]

سوال:

[illegible]

چاہیے۔ اور اس حسن کو ترغیب میں کس حد تک۔

جواب: معلوم ہونا چاہیے کہ [illegible]

عذاب اور ثواب سے [illegible]

معلوم ہونا چاہیے کہ [illegible]

جبکہ [illegible]

ایک [illegible]

[illegible]

[illegible]

[

کی یہ حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا:

وجل الامانی۔ جنت کی امیدیں لگائے رکھے۔

بھی اچھے ہوتے۔ پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

عَمَلًا صَالِحًا الآیۃ اسے چاہیے کہ اعمال صالحہ اختیار کرے۔

الخَاسِرِیْنَ۔ والوں میں سے ہو گئے۔

آپ کی یہ بات سن کر رونا آگیا کہ جب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور تمام اولیاء اور ابدال جن کی
کوشش و محنت اور کثرت عبادت سے پوری طرح پرہیز اور اجتناب کے باوجود ہر وقت خوف و
خشیت سے لبریز رہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے حسن ظن نہیں تھا یا وہ نہیں جانتے تھے کہ
رحمۃ واسعہ پر بڑا یقین تھا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے جود و کرم سے بڑا حسن ظن تھا۔ درحقیقت وہ جانتے
تھے کہ طاعت میں کوشش اور محنت کے بغیر ہی حسن ظن حسن ظن نہیں بلکہ جھوٹی آرزو اور دھوکہ اور فریب
ہے تو اس نکتے سے عبرت پکڑو اور معالجین کے علاج پر غور کرو اور جواب خفیت سے بچو۔ واللہ تعالیٰ ولی التوفیق

فصل

خلاصہ گفتگو یہ ہوا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تصور کرو تو اس کے غضب پر غالب ہے۔ اور رحمت تمام
اشیاء موجودات کو محیط ہے پھر اس کا بھی تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس حالت میں پیدا کیا کہ تم کچھ نہ تھے
پھر اس کے فضل عظیم نے تم کو ماں کے پیٹ میں بھی تصویر دی پھر اس کا بھی تصور کرو کہ کتاب میں سے
تیری ہدایت کے لیے نازل فرمائی اس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا یعنی بسم کے لفظ میں بھی رحمت
اور رحیمیت کا ذکر فرمایا۔ پھر اس کا بھی تصور کرو کہ اس ذات کریم نے تم کو بغیر کسی سفارش کے کسی وسیلہ کے
خدمت کے بغیر محض اپنے فضل و کرم سے تمہیں بے شمار نعمتیں دیں جن کی نہ تو تم کو امید تھی نہ
دوسری تالیف اس کے کل جہاں میں کوئی تصور کر سکتا ہے اور نہ ہی تمہارے شدید غضب و غصہ
بھی تصور کر دینے کے گئے تمام نعمتوں میں سے کوئی نعمت بھی نہیں چھین سکتے۔ پھر تم آخرت کے عذاب کی
ساتھ اپنی تمنائی حالت کو پیش نظر رکھو اور اپنی شکم پروری کا بھی تصور کرو۔ پھر اس بات کا تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ
تمہاری تمام حرکات و سکنات، تمہارے تمام عیوب اور پوشیدہ باتوں سے بھی پوری طرح واقف ہے
پھر تم اس کے حسن ظن اور اس کے غضب کو اپنے ذہن میں لاؤ جس کی نہ تو حقیقت جانتے ہو نہ اس سے
بہت بلند ہے جس کی تعریف و توصیف اور اس کے عذاب الیم کو بھی خیال میں لانا جس سے تصور انسانی
متحمل نہیں ہو سکتے پھر تم اس کے فضل و کرم اس کے ثواب میں اس کے عذاب پھر اس کی رحمت و شفقت
پھر اپنے نفس کی بیوقوفی اور سخت سزا کے جرم کا بھی تصور کرو تو یہ تمام باتیں تمہارے
لیے خوف و رجاء کی صفت پیدا کریں گی۔ تم درمیانی راہ پر چل پڑو گے۔ واللہ ولی التوفیق

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چھٹا باب

چھٹی گھنٹی میں۔ اور یہ عقبۃ القراد سے پہلے ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ندامت ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ جب کسی بندے کے لئے خوشی خوشی دروازے کھولتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ یہ عمل ابھی نہیں بلکہ بیشک رد کیونکہ اس نے یہ اعمال میری رضا اور خوشنودی کے لیے نہیں کیے تھے تو اس وقت اس بندے اور اس کے عمل کو فرشتوں کے ساتھ ندامت حق ہوتی ہے دوسری ندامت اور شرمندگی یہ ہے کہ یہ حق ہوگی جب قیامت کے دن تمام مخلوقات کے ساتھ ندامت

ہوگی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ:

ان الرجل یاتی یوم القیامۃ	بیشک آدمی قیامت کے دن ایسے اعمال سے آئے گا
باعمال یظن انھا تنجیہ	جو اسے نجات دلائیں گے فرشتے اسے حکم دیں گے
فیامر بہ الی النار	کہ اسے آگ میں لے جاؤ
فیلتفت الیھم فیقول	وہ ان کی طرف دیکھ کر کہے گا
سعیت و ربی علیک فی الخلق	میں نے اور میرے رب نے تیرے لیے تمام مخلوقات سے کوشش کی
ثلث الشمس لم اجد منک	تیرا دل ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں میں
نقصا یا ملائکتی	توقع کرتا کہ تو ایسا ہے

ایک روایت یہ بھی ہے کہ:

ینادی منادیوم القیامۃ	قیامت کے روز ایک منادی ندا کرے گا
خلائق این الذین کانوا یعبدون	جسے تمام مخلوقات سنے گی کہاں ہیں وہ لوگ
الناس قوموا فاجزوا کم	جو لوگوں کی عبادت کرتے تھے تو وہ انہیں
صبر عملتم لہ دنیا	عمل کا بدلہ ان سے لیں جن کے لیے کرتے تھے
عمرا فلم نجد شیئا	اس عمل قبول نہیں کرتا جس میں ریا دنیا کی

کی ملاوٹ ہو۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ عبادتوں میں ایک مہلک آفت سے بچنا ضروری ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ:

ان جہنم تکلمت و قالت	جہنم نے کلام کیا اور کہا میں بخیل اور ریاکار
علی کل بخیل و مراء	پر حرام ہوں۔

اس حدیث شریف کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اس بخیل سے وہ بخیل مراد ہے جو سب سے بہتر کھانے کو

فيقول هل لك من فلان شيء فيقول
له اللهم اوسع عليك حتى لم ادعك
تختاب الى احد فيقول بلى يا رب
فيقول ماذا عملت فيما اتيتك فيقول
كنت اصل الرحم وا تصدق فيقول
الله كذبت وتقول الملائكة كذبت
فيقول الله سبحانك بل اردت ان
يقال ذلك جواد فقد قيل ذلك۔
ويؤتى بالذى قتل فى سبيل الله
فيقول الله ما قتلت فيقول امرت
بالجهاد فى سبيلك فقاتلت حتى
قتلت فيقول الله تعالى كذبت و
تقول الملائكة كذبت ويقول
الله بل اردت ان يقال فلان جرئ
وشجاع فقد قيل ذلك ثم ضرب
رسول الله صلى الله عليه وسلم
بيده على ركبتى وقال يا ابا هريرة
اولئك اول خلق الله تسعر بهم
نار جهنم۔

کہیں فلاں شخص قاری ہے سو یہ بات تجھے حاصل
ہوگئی تھی پھر صاحب مال شخص کو بلایا جائے گا اللہ
تعالیٰ اس سے پوچھے گا کیا میں نے تجھے رزق میں
فراخی نہ دی تھی [illegible]
نے [illegible]
کہے گا ہاں یا رب تعالیٰ تو اس سے پوچھے گا تیرے
دیئے ہوئے مال کو تو نے کس عمل میں صرف کیا وہ کہے گا میں
نے اس مال کے ساتھ صلہ رحمی قائم کی اور تیری راہ
میں [illegible]
ہے فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹا ہے، اللہ سبحانہ
وتعالیٰ فرمائے گا بلکہ تیری نیت تو یہ تھی کہ دنیا تجھے
سخی اور فیاض کے نام سے پکارے۔ اور یہ چیز دنیا
میں تجھے حاصل ہوگئی۔ اور اس شخص کو دربار خداوندی
میں لایا جائے گا جس نے اللہ کی راہ میں جان دی ہوگی
اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا تو نے دنیا میں کیا نیک کام
کئے، عرض کرے گا مجھے تیری راہ میں جہاد کا حکم ملا
تو میں جہاد میں مصروف ہوگیا حتی کہ تیرے راستے
میں جان کنادی اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا
ہے۔ ملائکہ بھی کہیں گے تو جھوٹ بول رہا ہے اللہ
تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تیری نیت تو یہ تھی کہ دنیا میں [illegible]
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے گھٹنے پر مار کر فرمایا اے ابوہریرہ یہی وہ تین
ہیں جن سے سب سے پہلی دوزخ میں چھینک کر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ بھڑکائے گا۔

ایک دوسری حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:۔

سمعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ
یقول ان النار واھلھا یعجون	فرماتے تھے دوزخ اور اہل دوزخ چیخ و پکار
من اھل الریاء قیل یا رسول اللہ	سے چیخ اٹھیں گے۔ کہا گیا یا رسول اللہ دوزخ
وکیف تعج النار قال من حر	کیوں چیختے کی۔ آپ نے فرمایا اس کی گرمی
النار التی یعذبون بھا۔	تپش سے جس سے ریاء کاروں کو عذاب دیا
	جا رہا ہوگا۔

قیامت کے روز احق ہونے والی شرمندگیوں اور ندامتوں میں اہل بصیرت میں درس عبرت ہے واللہ سبحانہ ولی الہدایہ بفضلہ۔

سوال: آپ ہمیں اخلاص و ریاء کی حقیقت اور ان کے نتیجے سے آگاہ فرمائیں۔ نیز ان سے انسان کے اعمال میں کس قسم کا اثر رونما ہوتا ہے۔ اس پر بھی روشنی ڈالیں؟

جواب: ہمارے علمائے اہل سنت کے نزدیک اخلاص کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عمل میں اخلاص (۲) طلب ثواب میں اخلاص۔ اخلاص فی العمل تو یہ ہے کہ بندہ اپنے عمل سے تقرب حق تعالیٰ، اس کے حکم کی تعمیل اور اس کے فرمودات کی بجا آوری کا ارادہ کرے۔ اور ریاء اخلاص، اعتقاد صحیح سے منسلک ہوتا ہے۔ اس میں کمی کی خدشہ نفاق ہے۔ جس میں غیر اللہ کا تقرب مقصود ہوتا ہے۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نفاق سے مختلف فاسد کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں منافق کے دل میں پایا جاتا ہے۔ اور یہ اعتقاد ردہ کفر تک پہنچا ہے نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم دوسرے مقام پر ذکر کر چکے ہیں۔

لیکن طلب ثواب میں اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ نیک عمل سے نفع آخرت کا ارادہ کرے۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس کی حقیقت یہ بیان کرتے تھے کہ ایسے نیک کام پر نفع آخرت کا ارادہ کرنا جسے ترک کر دینا ثواب ہو۔ ترک کر دینے کی صورت میں آخرت میں نفع کی امید باقی نہ رہے۔ ہم اخلاص کی ان تعریفات میں ملحوظ نکتوں کی شرح دوسرے مقام پر کریں گے۔

بھی ہیں ہے کہ بندہ ریا کو نزدیک نہ آنے دے اور حمد و ثنا کی خصوصیت سے نفی اس واسطے فرمائی کہ یہ ریاء کے اقوی اسباب ہیں جو اخلاص کو تباہ و برباد کرتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ریاء کا رکی وغیرہ کے میل کچیل سے اعمال کو پاک و صاف رکھنے کا نام اخلاص ہے"

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "تمام نفسانی اور بشری تقاضوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ دوام ربط اور دوام مراقبہ کا نام اخلاص ہے" یہ اخلاص کا مکمل بیان ہے۔ اخلاص کی تعریف میں اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ لیکن انکشاف حقائق کے بعد نقل اقوال میں کوئی فائدہ نہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب اخلاص کی حقیقت دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا

تقول ربی اللہ ثم تستقیم کما امرت۔

اخلاص یہ ہے کہ تو کہے میرا رب اللہ ہے اور پھر جیسا تجھے حکم ہے اس پر دائم و مضبوط ہو جائے

یعنی تو اپنے نفس و خواہشات کی عبادت چھوڑ دے بلکہ صرف رب تعالیٰ کی پوجا و بندگی کرے۔ اور اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت و بندگی میں مستقیم رہے۔ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد میں دراصل اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے سے تعلق منقطع کرے اور اس کی ذات کے سوا ہر چیز اپنی نظر سے ہٹا دے۔ اخلاص حقیقی اسی کا نام ہے۔ اخلاص کے مقابلہ میں ریاء ہے۔ اور ریاء کی تعریف ہے۔ عمل آخرت کے عوض دنیوی نفع کا ارادہ کرنا۔ پھر ریاء دو قسم ہے (۱) ریاء محض (۲) ریاء مخلوط۔ ریاء محض تو یہ ہے کہ صرف دنیوی نفع کا ارادہ کیا جائے۔ اور ریاء مخلوط یہ ہے کہ عمل آخرت سے دنیوی اور آخروی دونوں قسم کے نفع کا ارادہ کیا جائے۔ یہ تو تھی اخلاص اور ریاء دونوں کی حقیقت اور ماہیت باقی رہی ان دونوں کی تاثیر تو اخلاص سے تو تم اپنے فعل کو قربت و نزدیکی کا سبب بنا لو گے۔ اور کلب ثواب میں اخلاص سے تمہارا عمل بڑے ثواب و عظمت کا مستحق ہو جائے گا۔ اس کے برعکس نفاق عمل خیر کو ضائع کر دیتا ہے۔ اور اس عمل سے نزدیکی و قربت کی حیثیت سلب کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیک عمل پر ثواب کا جو وعدہ کیا ہے نفاق سے وہ عمل اس وعدے کا مستحق نہیں رہتا۔ بعض علماء کے نزدیک ریاء محض کا صدور نادرت سے نہیں ہو سکتا۔ ہاں ریاء کی آمیزش ہو سکتی ہے۔ جس سے نصف ثواب باطل و ضائع ہو سکتا ہے۔ اور بعض دوسرے علماء

کے نزدیک [illegible] محفوظ کا صدقہ بھی ہو سکتا ہے، [illegible] کا نصف ثواب [illegible]
یا خلوط ہو گئے کا چور تمہارا [illegible] ہے [illegible] ہمارے [illegible] کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ [illegible]
سے آخر کا تصدق [illegible] نہیں ہو سکتا [illegible]
کا صدقہ ممکن ہے۔ مختار اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ [illegible] کا ثواب [illegible]
ثواب میں سے [illegible] باقی [illegible] کا نصف ثواب [illegible]
اور ان مسائل کی تشریح [illegible] ہم نے [illegible] تشریح [illegible]
معاملہ دین [illegible] کر چکے ہیں۔

سوال: اگر کسی [illegible] کا موقعہ محل [illegible]
[illegible] کا سبب ضروری ہے؟

جواب: [illegible] کا جواب یہ ہے کہ جس [illegible] کے نزدیک [illegible] ہے
جس [illegible] دونوں قسم کے [illegible] ہے [illegible]
جس میں دونوں قسم کا [illegible] نہیں پایا جاتا [illegible]
[illegible] پایا جاتا [illegible]
[illegible] پایا جاتا [illegible]
[illegible] کے پاس [illegible]
[illegible]

کا فدیہ ادا کرنا واجب ہے۔

سوال: [illegible] دن دونوں کا وقت بھی بتائیں۔

جواب: [illegible]

[illegible]

[illegible]

[

علیحدہ علیحدہ، اخلاص جدیدہ کی ضرورت ہے۔

جواب: اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے، بعض تو یہ کہتے ہیں کہ ہر عمل کے لیے ایک ہی اخلاص کی ضرورت ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جن میں ایک اخلاص ہی کفایت کرتا ہے جیسے وہ اعمال جو مختلف ارکان سے مرکب ہیں لیکن من حیث المجموع وہ ایک اور فساد کے ساتھ ایک شے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔

سوال: ایک شخص اپنے عمل خیر سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی نہیں بلکہ اپنے نفع دنیا کا ارادہ کرتا ہے۔ لوگوں سے کوئی ارادہ نہیں رکھتا یعنی اس کے دل میں یہ بات نہیں کہ میرے عمل خیر پر لوگ میری تعریف و ثناء کریں یا میرے عمل کو دیکھیں یا مجھے کوئی نفع پہنچائیں۔ تو کیا اس قسم کا عمل بھی ریا کاری میں داخل ہے۔

جواب: اس قسم کا عمل خالص ریاء کا زمرہ عمل ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ عمل میں مرد کی طلب ہوتا ہے۔ اس کا اعتبار نہیں ہوتا جس سے مرد طلب کی جا رہی ہو سو عمل سے تیری مراد گر دنیوی نفع سے فائدہ ہو تو بہرحال یہ ریاء ہے چاہے خدا تعالیٰ سے یہ مرد طلب کی جا رہی ہو یا لوگوں سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

من کان یرید حرث الاخرۃ	جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہو تو
نزد لہ فی حرثہ ومن کان	ہم اس کی اس کھیتی میں اضافہ کریں گے اور
یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا	جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہو تو ہم سے کچھ
وما لہ فی الاخرۃ من	دیتے ہیں۔ لیکن آخرت میں سے کچھ نہیں
نصیب۔	ملے گا

اور انبیاء کا اعتبار نہیں۔ بلکہ نیت اور مراد کا اعتبار ہے اور یہ لفظ مدیۃ سے مشتق ہے۔ اس سے اشتقاق کی وجہ یہ ہے کہ یہ ارادہ فاسدہ اکثر و بیشتر لوگوں کی طرف سے دوسروں کے دیکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

سوال: اگر ایک شخص شدائد سے دنیا میں یہ طلب کرے کہ وہ لوگوں کے سامنے دست حاجت دراز کرنے سے بچ اور اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت میں دنیا سے مشغول و مشغول رہ سکے تو کیا یہ قصد و ارادہ بھی ریاء میں داخل ہے۔

جواب: لوگوں کے سامنے دست حاجت دراز کرنے سے بچنا، کثرت مال، جاہ و سامان دنیا کی زیادتی سے نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ چیز تو قناعت اور خدا تعالیٰ پر کامل بھروسے و توکل سے ہوتی ہے لیکن اگر قلب دنیا سے اس کا مقصد کسبِ دنیا سے عبادت میں صرف ہونا ہو تو اس طرح کا مقصد دنیا میں داخل نہیں لیکن اس سے وہی چیزیں مراد ہوں گی جو آخرت اور اسباب آخرت سے تعلق رکھتی ہیں اور اس کا قصد انہیں فقط آخرت کی نیت سے ہی متعلق ہو۔ اگر کسی عمل خیر سے اس قسم کا ارادہ ہو تو وہ ریا و نہیں۔ کیونکہ دنیوی امور اس ارادہ سے خیر بن جاتے ہیں اور اعمال آخرت کے حکم کے تحت آجاتے ہیں اور نہ خیر کا ارادہ ریا نہیں ہو سکتا۔ یوں ہی اگر تم یہ ارادہ کرو کہ لوگوں میں تمہاری عزت ہو اور مشائخ اور مذہبی رہنما تم سے محبت کریں۔ لیکن اس سے تمہارا مقصود یہ ہو کہ تمہیں اہل حق کے مذہب کی تائید و تقویت کی قوت حاصل ہو۔ یا اس طرح مؤثر انداز طریقہ پر جہاد حق کا ارادہ کر سکو۔ تاکہ اس طرح لوگوں کو دین کی دعوت کر سکو۔ اور لوگوں کو ہدایت کی تحریص دے سکو۔ اپنے نفس کی خدمت و بزرگی اور حصول دنیا کی نیت نہ ہو تو دین سے متعلق اس قسم کے تمام مضبوط ارادے اور اچھی نیتیں دین میں داخل نہیں ہیں کیونکہ درحقیقت یہ سب اس سے مقصود آخرت ہے۔

ہاں نے بعض مشائخ سے سنا ہے کہ کسی دنیاوی کسب کی عادت ہے کہ وہ عسرت و تنگی کے وقت میں سورۃ واقعہ پڑھتے ہیں۔ کیا ان کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ اس سے اللہ تعالیٰ اس کی اس عسرت و تنگی کو دور کرے ادا نہیں رزق کے معاملہ میں فراخی و وسعت عطا کرے۔ کیا عمل آخرت سے حصول دنیا کا ارادہ کرنا درست ہے۔

بعض مشائخ کی طرف سے جس کا جو سبق ہے اس کا مفہوم یہ تھا کہ اوراد کی مراد دنیا نہیں اس سے یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق عمل کرے۔ وہ اتنی مقدار میں وظائف جس سے وہ عبادت الٰہی بجا لاتے ہیں اور وہ اس زندگی کی قوت بحال رہے۔ اور اس غرض کا ارادہ ہے دنیا کا ارادہ نہیں۔

جاننا چاہیے کہ عسرت و تنگی کے وقت فراخی رزق کے لیے اس سورت کو پڑھنے کا معمول بنانا خود حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے یہاں تک کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بوقت وفات سب مال خیرات کر دیا اور اپنی اولاد کے لیے کچھ نہ چھوڑا تو اس فعل پر جب

[illegible]

سنت کے [illegible] اصول کے مطابق ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی باتیں نقل کی ہیں۔ اور [illegible] اللہ تعالیٰ انہیں دنیا کی حسرت، اور فراخی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ بعض اوقات اسباب دنیا کی کمی [illegible] جانتے تھے اور [illegible] ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کی کوشش کرتے تھے اور [illegible] اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم تصور کرتے تھے۔ [illegible] دکشادگی میں دیکھتے تو سخت ناراض ہوتے تھے۔ [illegible] اکثر لوگ دنیا کی نعمت کو [illegible] فضیلت کرتے ہیں۔ [illegible] یہ وسعت مال اور دولت ان کے لیے [illegible] موجب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کی حسرت اور تنگدستی کو کیوں اللہ تعالیٰ کا احسان تصور نہیں کیا جاتا [illegible] اللہ تعالیٰ کا [illegible] ہوتا ہے کہ وہ [illegible] کا بھوکا کی حالت میں [illegible] منتقل ہیں [illegible] کرتے تھے [illegible] اسرائیل [illegible] کا مذہب [illegible] اور [illegible] کا مذہب بھی یہی ہے [illegible] کی [illegible] بھی [illegible] کا [illegible] نہیں۔

[illegible] کی وسعت اور تنگی کے متعلق [illegible] کا نقطہ نظر ہیں نے [illegible] بیان کیا ہے۔ [illegible] کا [illegible] کی [illegible] کے [illegible] صحیح [illegible] کے متعلق [illegible] میں [illegible]

سوال: [illegible] صاحب [illegible] دنیا کے لیے وظیفے کرنا [illegible]؟

جواب: [illegible] وسعت [illegible] اور [illegible] ہوتا ہے [illegible] کی [illegible] پر [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] کی [illegible] نہیں [illegible] تنگدستی سے [illegible] کرنا [illegible]

[illegible] کی [illegible] نہیں [illegible] کرتا [illegible] کرتا ہے [illegible] کرتا ہے [illegible] کرتا ہے

عُجب

دوسرا اور بڑا مہلک مُجب ہے۔ اس سے بچنا دو وجہ سے ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ عجب کی بیماری

انسان کو توفیق زیادہ ہونے کی وجہ سے محروم کر جاتا ہے۔ عجب میں گرفتار انسان اپنے کام کو بہت بڑا سمجھنے لگتا ہے۔

جب انسان توفیق زیادہ ہونے کی وجہ سے غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے، اسی لیے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو تین چیزیں ہلاک کرتی ہیں۔ بخل جس کی پیروی کی جائے، خواہش

نفسانی جس کا انسان متبع ہو جائے، اور خود پسندی۔ اپنے آپ کو اچھا جاننا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عجب عمل صالح کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

والسلام نے حواریین سے فرمایا: بہت سے پہاڑ ایمان کو ہلا دینے جتنے اعمال لے کر آؤ لیکن ان کو

عجب لے تباہ کر دیتا ہے۔ جب انسان اپنے کام سے مقصود اور غرض دنیا میں شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے تو یہ

انسان کو اس مقصود سے دور کر دیتی ہے کہ انسان کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتا اور اگر کچھ تھوڑی بہت چیز

حاصل ہو بھی جائے تو یہ عجب کی وجہ سے [illegible] کہ ان کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی [illegible]

[illegible] انسان اس سے پہلے [illegible]

عجب کی حقیقت اور اس کا معنی:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فضیلت خداوند تعالیٰ سبحانہ کی تائید و توفیق سے ہے۔ اور مجھے یہ حاصل شدہ شرف و بزرگی اور مرتبہ و مقام عطا کرنے والا رب تعالیٰ ہے۔ عجب کے اسباب و علامات کے ظہور کے وقت خدا تعالیٰ کے احسان کا ذکر کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ اور عام اوقات و حالات میں اس احسان خداوندی کا تذکرہ مستحب و بہتر ہے۔

باقی رہی عجب و خود ستائی میں عمل صالح میں تاثیر تو اس کے متعلق بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ عجب والے انسان کے اعمال کو ضائع کرنے کے متعلق انتظار کی جاتی ہے۔ اگر وہ موت سے پہلے توبہ کر لے تو اس کے اعمال ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں، ورنہ ضائع کر دیے جاتے ہیں۔ مشائخ کرامیہ میں سے محمد بن صابرہ کا یہی مذہب ہے۔ محمد بن صابرہ کے نزدیک اعمال کے ضائع ہونے کا سبب یہ ہے کہ عمل صالح ہر قسم کی اچھائی سے خالی ہو جائے کہ اجر و ثواب اور مدح تک کا استحقاق ختم ہو جائے محمد بن صابرہ کے علاوہ دوسروں کے نزدیک اعمال ضائع ہونے کا سبب یہ ہے کہ عمل صالح پر جو گناہ ثواب بڑھتا تھا وہ ضائع ہو جاتا ہے عمل کا اصل ثواب باقی رہتا ہے۔

سوال: عارف شخص پر یہ بات کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے کہ عمل صالح کی توفیق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور وہی اپنے فضل و احسان سے بلند مرتبہ اور کثیر ثواب عطا کرتا ہے۔

جواب: دراصل یہاں ایک عمدہ ذخیرہ و لطیف نکتہ ہے جس کو ذہن نشین کر لینا جواب کے تمام پہلو واضح کر دیتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عجب کے مسئلہ میں لوگ تین قسم ہیں۔ ایک وہ ہیں جو ہر حال میں عجب و خود ستائی کا شکار ہیں۔ اور یہ معتزلہ اور قدریہ کا گروہ ہے جو اپنے افعال کا خود اپنے آپ کو خالق جانتا ہے۔ اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا اپنے اوپر کوئی احسان تسلیم نہیں کرتا۔ اور اس کی مدد و نصرت اور توفیق اور لطف خاص کا منکر ہے۔ اور یہ خرابی انہیں اس شبہ کی بنا پر حق ہوتی ہے جس نے ان کو متاثر کیا ہوا ہے۔

دوسرا گروہ وہ مستقیم الحال کاملین ہیں جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے احسان کو ہی یاد کرتے ہیں۔ ان کو اپنے کسی بھی عمل میں عجب حق نہیں ہوتا۔ اور یہ اس بصیرت کے باعث ہے جو ان کو عطا ہوتی ہے۔ اور اس تائید کی وجہ سے ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

تیسرا گروہ عام اہل سنت و جماعت ہیں جو جب بیدار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا ہی احسان مانتے ہیں اور جب ان پر غفلت طاری ہوتی ہے تو عجب اور خود ستائی کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہ وہ حق غفلت

سستی اور کمی بصیرت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سوال: قدریہ و معتزلہ کے افعال و اعمال کی صورت حال کیا ہے۔ کیا اس عجب کی وجہ سے ان کے سب اعمال ضائع اور برباد ہیں؟

جواب: اس میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ان کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہی خراب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں اگر ایک شخص فی جملہ اسی عقیدے رکھتا ہو لیکن بہت اعتقادی غلطی سے اس کے عمل ضائع نہیں ہوتے جب تک ہر عمل میں عجب موجود نہ ہو۔ جس طرح عقیدہ اہل سنت ہوتے ہوئے یہ ضروری نہیں کہ عجب سے محفوظ رہے۔ جب تک خصوصیت سے تقبل کے حسان کا اظہار نہ کرے۔

سوال: کیا ریاء و عجب کے علاوہ بھی کوئی چیز اعمال کو نقصان دیتی ہے۔

جواب: ان کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں جو اعمال کو خراب کرتی ہیں ہم نے ان دو کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا ہے کہ برباد ی اعمال میں یہ دو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ورنہ بعض مشائخ کا قول ہے کہ بندہ پر لازم ہے کہ اپنے عمل کو دس چیزوں سے محفوظ رکھے۔ (۱) خلاص سے (۲) ریاء سے (۳) بدگمانی سے (۴) حسن ظن سے (۵) غیبت دینے سے (۶) ندامت سے (۷) عجب سے (۸) حسرت سے (۹) سستی اور کاہلی سے (۱۰) ندامت کے ترک سے۔ یعنی اگر میں نے فلاں نیک کام کیا تو لوگ مدحت کریں گے۔ پھر ہمارے شیخ مکرم رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے ہر ایک کی شدت اور ان سے اعمال کو جو ضرر پہنچتا ہے سب بیان کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں نفاق کی شدت خلاص عمل ہے اور ریاء کی شدت طلب ثواب میں خلاص پیدا کرنا ہے۔ اور بدگمانی سے میل جول کی شدت ملاقات ہے اور حسن ظن کی شدت اپنے عمل کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔ اور غیبت دینے کی شدت اپنے عمل کی حفاظت ہے۔ ندامت کی شدت یہ ہے کہ توبہ طاہر قائم کرتا ہے۔ اور عجب کی شدت اللہ تعالیٰ کے احسان کا اظہار ہے۔ حسرت کی شدت نیکی اور خیر کی غنیمت جاننا ہے۔ سستی کی شدت توفیق خدا وندی کی تعظیم کرنا ہے۔ ترک ندامت کی شدت اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کا ڈر ہے۔

نفاق سے عمل ضائع اور برباد ہوتا ہے۔ ریاء عمل کو مردود بناتا ہے احسان بتانا اور اذیت دینا صدقہ کے ثواب کو برباد کرتے ہیں۔ اور جس مشائخ کے نزدیک من و اذی سے فعل عمل کا ثواب

ضائع نہیں ہوتا البتہ رکنا تکلف ثواب ہو جاتا ہے ہے۔ لیکن نیک عمل پر ہمیشگی ہ
کرنے سے عمل کا ثواب ضائع ہوتا ہے۔ اور حسرت و سستی و غفلت سے عمل
کم ہوتا ہے۔ اور عمل کی قدر و قیمت ناقص ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں عمل کا متقبل ہونا یا مردود ہونا صحت تحصیل کے نزدیک مختلف قسم
کرتا ہے۔ اور عمل کے ضائع ہونے کی بہت قسمیں ہیں جیسے وقوع عمل
کا نفع برباد ہوتا ہے۔ اور بعض وقت عمل میں ریا، وغیرہ کی خرابی عمل کے بے کار ہو جانے کا سبب بن
ہے۔ بعض وقت عمل پر ثواب نہیں ملتا۔ اور بعض دفعہ اعمال کا ثواب نہیں ملتا۔ ثواب عمل
ہے جو عقد نسان کو ملتا ہے۔ اور عمل کی حالت ثواب کی متقاضی ہوتی ہے اور ثواب
ملتا ہو پانا اس ثواب پر اضافہ اور زیادتی جو استحقاق انسان کو حاصل کرتا ہے۔ اور اعمال کی قدر و قیمت میں
اضافہ اور نقصان ہر قسم کے حالات و قرائن ہے عمل میں پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً نیک بندوں سے سلوک کرنا بھی
بڑے ثواب کی چیز ہے۔ مگر والدین سے حسن سلوک سے پیش آنے میں اس سے بھی زیادہ ثواب ہے ہر
ایک نبی سے حسن سلوک سے پیش آنا بہت ہی زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ اور بعض وقت ایک عمل کی
قدر و قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر اس کا ثواب نہ ملنا نہیں ملتا یہ گفتگو خلاصہ ہے اس کا جو اس باب
میں میرے ذہن میں آتی ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھو۔ وباللہ التوفیق

فصل

عُجب اور ریا سے بچنے کے اُصول

[illegible]

پہلا اصول:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تیری نظر عبرت کے حوالے کر دیا تاکہ تو خود مشاہدہ سے سمجھ جان لے کہ میں قادر بھی ہوں عالم بھی ہوں۔ دوسرے انسان تیرے نقص اور ضعف کا یہ حال ہے کہ وہ دو رکعت نماز پڑھتا ہے مگر اس میں بھی تجھ سے کئی طرح کی لغزش واقع ہو جاتی ہے۔ وہ کئی قسم کے عیوب و نقائص رہ جاتے ہیں۔ میں چونکہ قادر ہونے کے ساتھ ساتھ علیم بھی ہوں اس لیے تیری ان دو رکعتوں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہوں۔ مگر تو اپنی اس حقیر سی عبادت کے بارے میں میری نظر میرے علم میری مدح و ثناء اور میری قدر دانی پر کفایت نہیں کرتا۔ بلکہ تو اس کا طالب بنتا ہے کہ لوگوں کو تیری اس عبادت کا حال معلوم ہو تاکہ لوگ تیری مدح و ثناء کریں۔ کیا تیرا یہ رویہ وفاداری کا رویہ ہے۔ کیا یہ دانشمندی کی بات ہے۔ ایسا رویہ کوئی عقلمند اپنے لیے پسند نہیں کرتا۔ تجھ پر افسوس تو بڑی بے سمجھی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

دوسرا اصول:

جس شخص کے پاس ایک نفیس شے ہو جسے بیچ کر وہ لاکھوں دینار وصول کر سکتا ہو پھر وہ یک بیک کے عوض فروخت کر دے تو کیا یہ عظیم خسارا نہیں کہلائے گا۔ اور یہ انتہائی درجہ کا نقصان نہیں ہوگا۔ نہ اس کا یہ فعل اس کی پست ہمتی، اور قصور علم کی دلیل نہیں ہوگا۔ اور یہ اس کی کمزوری رائے اور بے عقلی کا ثبوت نہیں ہوگا؟ ضرور۔ اس کی کم عقلی کا ثبوت ہے۔ بعینہ یہی حالت اس بندے کی ہے جو اپنے عمل سے خدا تعالیٰ کی رضاء، اس کی قدر دانی، اس کی مدح و ستائش، اور اس کے ثواب کو چھوڑ کر مخلوقات کی مدح و ستائش اور کمینی دنیا کا طلب گار ہو۔ شرعاً کی رضا و ثواب کے مقابلے میں مخلوق کی مدح و ثناء اور دنیا کی لعنت کی کیا حیثیت ہے۔ مخلوق کی مدح و ثناء اور دنیا کی لعنت کے مقابلے میں ایک پیسے سے بھی کم حیثیت رکھتی ہے بلکہ تمام دنیا و مافیہا بلکہ ایک دنیا نہیں اس طرح کی بیسیوں دنیا بھی خدا تعالیٰ کی رضاء کے سامنے ہیچ اور بے حیثیت ہیں۔ کیا یہ خسارا مبین نہیں کہ اپنے نفس کو عمل صالحہ کے عوض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی عنایات خفیہ شریفہ کو ضائع کر کے نیز اور کمینی چیزوں کو چاہے اور قبول کرے۔ پھر اگر کمینی دنیا کی چاہت اور کم ہمتی کا مظاہرہ کرنے سے باز نہیں آ سکتے تو پھر بھی آخرت ہی کو چاہو دنیا اس کے ساتھ خود بخود مل جائے گی۔ بلکہ صرف خدا تعالیٰ کی رضاء اور خوشنودی کے ہی طلب گار بنو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کر دے گا۔ کیونکہ دنیا و آخرت سب کا مالک ہے۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ اس آیۃ میں بیان فرماتا ہے۔

من کان یرید ثواب الدنیا فعند	جو شخص دنیا کا طلب ہو تو اس کو دنیا بھی خدا

اللہ تو اب الدنیا والاخرۃ۔ ی سے طلب کرنی چاہیے کیونکہ دنیا و آخرت

دونوں کی نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ن اللہ یعطی الدنیا بعمل اللہ تعالیٰ نیک عمل کے بغیر دنیا بھی عطا کر

الاخرۃ ولا یعطی الاخرۃ دیتا ہے لیکن عمل دنیوی کے ساتھ آخرت

بعمل الدنیا۔ عطا نہیں کرتا۔

تو جب تم نیت خالص کرو گے آخرت کے لیے دنیوی فکر سے ہمت خالی کرو گے تو تمہیں دنیا و آخرت مل جائیں گی۔ لیکن اگر تم نے صرف دنیا کو ہی اپنا مقصد بنایا تو آخرت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی اور بسا اوقات جتنی دنیا تمہیں ملنی ہے جتنی تم نے چاہی تھی۔ وہ حسب منشا دنیا تم کو ملتی بھی ہے تو پھر بھی وہ پسندیدگی کی جگہ رہتی ہے تو غالب دنیا ہی کر تم نے دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ مول لے لیا۔ عقلمندی کا ثبوت دو۔

تیسرا اصول:

وہ مخلوق جس کے لیے تم کام کرو گے اور جس کی رضا کے طالب بنو گے اگر اسے معلوم ہو جائے کہ تم اس کی رضا کے لیے یہ کام کر رہے ہو تو وہ تمہیں بُرا ہونے کی وجہ سے رد کر دے گی۔ اور تمہیں ذلیل و رسوا کرنے کی تدبیر کرے گی۔ عقلمندی اس کے لیے کوئی کام کرنے کو تیار نہیں ہو سکتا جس کو کرنے پر پتہ چل جائے کہ وہ غیر کی رضا کے لیے کام کر رہا ہے تو اس پر ناراض ہو۔ اور اس کو ذلیل کرنے کے لیے سکین بنا لے اس کی رضا و خوشنودی کے لیے کام کرو۔ اس کو اپنا مقصود و اپنی کوششوں کا مرکز بنا لو تجھ سے محبت کرے۔ جو تجھے نعمت عطا کرے اپنی رحمت تجھ پر نچھاور کر دے۔ تیری عزت کرے۔ یہاں تک کہ تجھے جزا و ثواب دے کر خوش و راضی کر دے۔ اور تجھے سب سے بے نیاز کر دے۔ کر تو عقلمند ہے تو اس نکتہ کو ذہن میں بٹھا۔

چوتھا اصول:

جس شخص کے پاس کوشش و سعی کا ایسا سرمایہ موجود ہو جس کے ذریعہ وہ دنیا میں سب سے بڑے بادشاہ کی رضا و خوشنودی حاصل کر سکتا ہو۔ لیکن وہ اس سے بادشاہ کی خوشنودی تو حاصل

نہ کرے بلکہ اس سے ایک بار رب کی رضاء و خوشنودی کا خواہاں بنے تو اس کی یہ حرکت اس بات کی دلیل ہے۔ کہ یہ شخص بے وقوف اور احمق ہے۔ صائب الرائے نہیں۔ بدبخت اور بدقسمت ہے۔ سب لوگ سے کہیں گے جب عظیم بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنا بہتر ہے۔ بے ممکن تھا تو تیرے سے تنگ کر کے ایک جبار رب کی خوشنودی حاصل کرنے میں کیا بہتری محسوس کی۔ خاص کر جب کہ بادشاہ کی ناراضگی سے وہ جبار رب تجھ سے ناراض ہو گا۔ تو اس طرح دونوں کی خوشنودی سے تو ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ جیسے حال بے کار انسان کا ہے۔ جب کہ انسان اللہ رب العالمین کی طرف سے تمام آسمانی اور مشکلات کے لیے کافی ہے۔ رضاء و خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ تو حقیر ضعیف بے وقعت مخلوق کی رضا جوئی کی ضرورت و حاجت ہے۔ پھر اگر تمہاری ہمت کمزور ہے۔ تو تم بصیرت سے خالی ہو کہ اللہ رضا و خوشنودی کے بجائے تم ایسی صورت میں بھی تمہیں اپنا ارادہ جبر کی رضا سے خالی کرنا چاہیے۔ اور اپنی سعی و کوشش خوش خلقی کے لیے ہونی چاہیے کیونکہ لوگوں کے قلوب اللہ کی پیشانیوں اس کے قبضہ میں ہیں۔ وہ دلوں کو تیری طرف جھکا دے گا۔ اور سوائے انسانی کو تیرا گرویدہ بنا دے گا۔ اور تجھ سے تیری محبت دانستہ بنا دے گا۔ اور تجھ سے تیرا دشمن کچھ سنے گا جو تیرا بہتر کوشش اور قصد و ارادہ سے ہو سکتا ہے لیکن اگر تم اپنی کوششوں کو اتقان کے لیے نہ کرو بلکہ رضاء مخلوق کے لیے ہو تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ تمہیں کے دل تم سے پھیر دے گا۔ اور لوگوں کے دلوں میں تیرے متعلق نفرت ڈال دے گا۔ اور مخلوق کو تجھ پر ناراض کر دے گا۔ تو تم دونوں اس طرح اللہ کی ناراضگی مول لو گے اور مخلوق کی ناراضگی ہو گی۔ تو ایسے شخص کی خسارے اور محرومی کا کیا ٹھکانہ۔

حکایت:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص کہ کرتا تھا خدا کی قسم میں ضرور کروں گا جس سے لوگوں میں میرا چرچا ہو۔ یہ شخص نماز کے لیے سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتا اور سب سے آخر مسجد سے نکلتا۔ اوقات نماز میں ہر وقت نماز پڑھتا ہی نظر آتا۔ ہمیشہ روزہ رکھتا۔ مجالس ذکر میں بڑے شوق سے شریک ہوتا۔ سات سال کا عرصہ اسی طرح کرتا رہا۔ لیکن اس کے متعلق لوگوں کا مذہب ہر وقت کہ سب بھی نہیں۔ سے گزرتا تو سب یہ کہتے شاید خوش نصیب ہے کہ اس کے لیے آخرت [illegible] اور ہمیشہ [illegible] میں ہر وقت [illegible] ہی نظر آتا۔ ہمیشہ [illegible] مجالس ذکر میں بڑے شوق سے شریک ہوتا۔ سات سال کا عرصہ اسی طرح کرتا رہا۔ لیکن اس کے متعلق لوگوں کا مذہب ہر وقت کہ سب بھی نہیں۔ سے گزرتا تو سب یہ کہتے شاید خوش نصیب ہے کہ اس کے لیے آخرت [illegible] اور ہمیشہ [illegible] میں ہر وقت [illegible] ہی نظر آتا۔ ہمیشہ [illegible] مجالس ذکر میں بڑے شوق سے شریک ہوتا۔ سات سال کا عرصہ اسی طرح کرتا رہا۔ لیکن اس کے متعلق لوگوں کا مذہب ہر وقت کہ سب بھی نہیں۔ سے گزرتا تو سب یہ کہتے شاید خوش نصیب ہے کہ اس کے لیے آخرت [illegible]

بیان کرنے کے بعد حضرت امام حسن بصری علیہ الرحمۃ نے یہ آیت پڑھی

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اللہ تعالیٰ
سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝	عنقریب ان کے لیے دوستی اور مودت پیدا کر دے گا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نیکی سے دوستی کرنے کو اور نیکوں کے دلوں میں بھی ان کی دوستی اور مودت ڈال دے گا۔

کسی نے بہت ٹھیک کہا ہے:

(۱) یا مبتغی حمد الثواب فی عمل تبتغی ھذا

(۲) قد غیب اللہ ذا بذا وابطر اسعی واحتذا

(۳) من کذب حرفۃ رب اخلص من خوفہ الشعرا

(۴) اللہ واللہ فی یدیہ فرزقہ یعقبہ النوا

(۵) واللہ ما یمکن شیئ فکیف ما یتہم ضدا

ترجمہ اشعار:

(۱) اے لوگوں سے حمد و ثواب کے طالب! تو اپنے عمل سے ایک امر محال کا قصد کر رہا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ ہر کام کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس کی سعی و مشقت کو بے کار کر دیتا ہے۔

(۳) جو لوگ ثواب رب تعالیٰ کا امیدوار ہوتے ہیں اس کے ڈر سے، اپنے افعال میں اخلاص پیدا کرتا ہے۔

(۴) جنت اور دوزخ اس کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لیے اپنے اعمال اس کو دکھا دو تجھے اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دے گا۔

(۵) بندوں کے قبضہ اختیار میں کچھ نہیں۔ تو بے سمجھی کے باعث ان کے لیے ریاکاری کیوں کرتا ہے۔

عُجب کا بیان

ہم اس سے بچاؤ کے لیے بھی چند ضروری اور جامع اصول بیان کرتے ہیں:

[illegible] اصول یہ ہے کہ بلا شبہ بندے کا فعل اسی وقت مفید و قابل قبول ہوتا ہے جبکہ اسے محض اللہ کے لیے کیا جائے ورنہ اس کی مثال اس مزدور کی طرح ہوگی جو کہ سارا دن دوسروں کے لیے کام کرتا ہے اور اس کو کسی طرح بھی اس کا صلہ نہیں ملتا جو صرف دوسروں کے لیے تمام رات جاگتے اپنی آنکھوں سے نکال دیتا ہے اور جیسا کہ کاروباری لوگ محض چند لمحوں کے لیے شب و روز اپنے اوقات عزیزہ کو ضائع کرتے رہتے ہیں تو پھر جب بندہ مثلاً محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ایک روزہ رکھے تو یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا وہ روزہ سے اس روزہ کی جزا کی مثال نہیں جیسا کہ رب تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب — مشکلات پر صبر کرنے والوں کو بے شمار اجر دیا جائے گا۔

اسی حدیث شریف میں وارد ہے۔

اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ — میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسا اجر تیار کر رکھا ہے جس کو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں اور نہ ہی کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی کے دل پر اس کا کھٹکا تک گزرا۔

بہر صورت بندہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے ایک روزہ رکھتا ہے تو اس روزہ کی قیمت اور اجر بے اندازہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر بندہ کسی سنت یا نفل حصول رضائے الٰہی کی خاطر تمام کرتا ہے تو اس عمل کا یہ قیام ہمیشہ کے لیے قابل احترام اور قابل اہتمام کا مستحق ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون۔ — کسی نفس کو علم نہیں کہ اس کے لیے کیا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے اس قدر ٹھنڈک کا موجب ہوگا۔

بہر نہج یہ معمولی سی عبادت جس کی قیمت دو رکعت نماز پڑھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پڑھی جائے تو اس کی قیمت ہو جاتی ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ ایک کسی فرض میں محض اللہ کے لیے دو رکعت نماز پڑھی جائے تو اس نماز کی قیمت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے پڑھنے کے برابر ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وھو علیٰ کل شئ من ذکر او انثیٰ
وھو مؤمن فلنحیینہ حیٰوۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون

تو مختص بیٹا ہو یا لڑکی عورت جبکہ وہ ایماندار ہو تو وہ بہشت میں داخل ہوں گے جہاں انہیں بے حساب و بے شمار رزق دیا جائے گا۔

حساب:

تربیت سائل کی نیت کے مطابق ہوتی ہے اگر کوئی عمل دنیا کی غرض سے کیا جائے تو اس کی کوئی قیمت نہیں جبکہ اس کو رضائے مولیٰ کے لیے سرانجام دیا جائے تو اس عمل کا مستحق ہوتا ہے اور جنت میں جیسا چاہے گا ویسا ہی پائے گا۔ جیسے کوئی شخص بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے یہ سوچ لیتا ہے کہ وہ فعل جو وہ بیت الخلاء میں سرانجام دے گا اس کی کوئی قیمت نہیں۔ لیکن اگر وہی فعل رضائے مولیٰ کے لیے کرے تو اس قدر شرف و احترام کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کا بدلہ صرف جنت ہی ہو سکتی ہے۔ جنت کی نعمتوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک مفلس دیہاتی کو کہا جائے کہ تم بادشاہ کی خدمت کرو تو وہ کہے کہ میں کیا خدمت کروں میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ بادشاہ کہے کہ تم میرے گھوڑے کی خدمت کرو۔ وہ کہے کہ میں گھوڑے کی خدمت کیا جانوں۔ بادشاہ کہے کہ تم گھوڑے کی لید اٹھا کر باہر پھینکو۔ وہ کہے کہ یہ کام تو میں کر سکتا ہوں۔ بادشاہ کہے کہ اچھا تم یہ کام کرو۔ اس کام کے بدلے میں تمہیں ایک ہزار دینار ماہوار دیا کروں گا۔ تو وہ دیہاتی اس کام کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا لیکن بادشاہ کی رضا کے لیے ایک ہزار دینار لینے پر راضی ہو جاتا ہے۔ اس مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اعمال کی قیمت ان کی نیت سے ہوتی ہے۔ اگر نیت رضائے مولیٰ کی ہو تو ایک معمولی سا عمل بھی بہشت کا مستحق بنا دیتا ہے۔ بہشت کی نعمتوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک ملکہ شہد کی مکھی کی ہوتی ہے کہ اسے ہر روز ایک من شہد ملتا ہے اور اس کی خدمت میں ایک ہزار مکھیاں مصروف رہتی ہیں۔ ان مکھیوں کے لیے ملکہ کی خدمت کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ یہ سب تو بغیر کسی محنت کے ہی مل جاتا ہے۔ بندے کے جملہ قول و افعال دنیا و آخرت میں موجب ثواب ہوں۔

ایک بادشاہ نے قیدیوں کو رہا کر دیا کہ بادشاہ جب کسی قیدی کو رہائی عطا کرتا ہے تو وہ ایک نذرانہ پیش کرتے ہیں تو وہ بھی دیں۔ تب اس بادشاہ کی خدمت کریں گے۔ ان میں سے ایک قیدی نے کہا کہ میں اس خدمت کے لائق نہیں ہوں۔ اس کے پاؤں سے جکڑ ہوئی ہے کہ اسے کھولنا ہے۔ بادشاہ اپنی سواری پر سوار ہوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ساتھ دوڑتا ہے۔ بھی ساری رات اس کے دروازہ پر پہرہ دیتا ہے اور کبھی دشمن سے مقابلہ کی نوبت آتی ہے تو اپنی وہ جان اس پر قربان کر دیتا ہے جو اسے پھر کبھی نہ مل سکے گی۔ یہ تو خدمت اور تکلیف اور خطرات و نقصان صرف اس تھوڑے سے حقیر منفعت کے لیے برداشت کرتا ہے۔ درحقیقت یہ تمام احسانات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ دربار شاہ صرف ایک ظاہری

سبب ہوتا ہے۔ پھر تو وہ رب جس نے تجھے پیدا کیا جبکہ تیری کوئی حقیقت نہ تھی پھر تیری تربیت کی وہ ہمت
اچھی لی پھر تجھ پر دینی دنیاوی، روحانی جسمانی کیسی کیسی نعمتیں تجھ پر بارش برساتی رہتی ہیں کتنے سے بیشتر
عقل، فہم، اور فراست قاصر ہے خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا (الآیۃ) — اگر اللہ تعالیٰ کے احسانات شمار کرنے لگو تو نہ کر سکو۔

پھر دیکھو کہ تو دو رکعت نماز پڑھتا ہے جن میں کئی بیک قسم کی کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ پھر اس کے بعد بھی
اس نے تجھ سے آئندہ کے لیے بہترین چیز مانگنے کا وعدہ فرما رکھا ہے، اور پھر تو
ان رکعات کو بہت کچھ سمجھتا ہے اور ان پر مغرور ہوتا ہے اگر تو غور کرے گا تو تجھے معلوم ہوگا کہ یہ تمہارے
کا کام نہیں ہے۔ اسے یاد رکھو۔

اور تیسرا مثل یہ ہے کہ ایسا بادشاہ جس کی خدمت دنیا کے بادشاہ کرتے ہوں جس کی خدمت میں
بڑے بڑے اور سردار لوگ دست بستہ کھڑے ہوں جس کی خدمت پر دانایان زمانہ اور حکماء عصر فخر محسوس کرتے
ہوں جس کی تعریف حکماء اور علماء کرتے ہوں جس کے آگے وزراء اور کابینہ دوڑتے ہوں وہ بادشاہ اگر
کسی بازاری یا دیہاتی کو محض اپنے فضل و کرم سے اپنے دروازہ پر حاضر ہونے کی اجازت بخش دے جس
کے دروازہ پر بادشاہوں، بڑے لوگوں، سرداروں اور علماء و فضلاء کی بھیڑ لگی ہوئی ہو اور وہ بادشاہ اس
معزز مقام پر جگہ دے اور اس کی خدمت کو بنظر پسند دیکھے حالانکہ اس میں کئی بیک عیب بھی ہوں تو کیا یہ نہیں
جلائے گا کہ اس حقیر انسان پر بادشاہ نے بہت بڑا کرم فرمایا۔ پھر اگر یہ تقرب اس خدمت کی وجہ سے بادشاہ
پر اپنا احسان جتانے لگے اور اس وجہ سے بادشاہ پر مغرور ہو تو کیا یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ وہ احمق اور بیوقوف
اور پاگل آدمی ہے جسے کوئی کسی قسم کا ہوش نہیں ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی تو اب سمجھنا چاہیے کہ ہم
معبود برحق ایک ایسے بادشاہ ہے جس کی تسبیح آسمان زمین اور ان کی تمام موجودات کر رہی ہے۔

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ (الآیۃ) — کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔

وہ ایک ایسا معبود ہے جس کے سامنے تمام آسمان اور زمین سجدہ ریز ہیں خواہ خوشی سے یا ناخوشی
سے اور اس کے عتبہ عالیہ کے خدام میں سے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل وغیرہ ہیں

والے فرشتے، کرّوبی اور روحانی اور تمام ملائکہ مقربین کہ جن کی تعداد کو اللہ رب العالمین کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا باوجودیکہ ان کے مقامات بڑے بلند ہیں ان کے نفوس پاک ہیں ان کی عبادت بھی بہت بڑی اور زیادہ ہے اور پھر بھی کسی کے رب کی عبادت کے خادم ہیں نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد جو تمام کائنات کا خلاصہ ہیں ان کے علاوہ دوسرے انبیاء اور رسول بھی خدا کی بارگاہ میں مقبول ہوں گے مگر ان کے مراتب و مناصب کے فرق کے ساتھ ساتھ ان کے مراتب عبادت بھی الگ الگ ہیں

زمین کے بادشاہ اور حکمران کہ جن کے دروازے پر ہر وقت ایک فوج خدمت کے لئے موجود رہتی ہے جب ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں تو نہایت خضوع و خشوع سے ان کے سامنے اپنے چہرے خاک پر رکھتے ہیں اور اپنی تمام عبودیت کے ساتھ اپنی ناچیز حیثیت کا اظہار کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اپنی خدمتگاری اور اپنی غلامی کا اقرار کرتے ہوئے اپنے نفس و جسم سے اس کی اطاعت کا اظہار کرتے ہیں اور پھر اس نے اپنی اس عظمت و جلال اور بادشاہی کے باوجود اپنی عبادت کے لئے جو طریقہ اور قرینہ مقرر کیا ہے اس کے مطابق اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی ناچیز حیثیت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے حکم کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی خاطر پیش کر دیتے ہیں

اور اس حقیقت کے جانتے ہوئے بھی ہم اللہ کی عبادت سے روگردانی کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں بلکہ اپنی ان حرکتوں پر ہنستے ہیں اور اپنی خوبصورتی پر ناز کرتے ہیں اور اپنے رب کی تمام نعمتوں کو بھول جاتے ہیں اور پھر ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھی ان کا شکر ادا نہیں کرتے اور پھر ان نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں استعمال کرتے ہیں اور پھر اپنی ان حرکتوں پر مغرور ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اللہ نے اس کائنات کو انسان کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے مسخر کی ہے اور پھر انسان ہی اس کائنات کی ہر چیز سے بڑا ہے اور اس کائنات کی ہر چیز انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے اور پھر انسان ہی اس کائنات کی ہر چیز سے کمتر ہے اور اس کائنات کی ہر چیز انسان کی خدمت کرتی ہے اور پھر انسان ہی اس کائنات کی ہر چیز کی عبادت کرتا ہے

فصل :

اب ایک اور طریقہ سے دیکھو کہ اگر کوئی بہت بڑا بادشاہ تحائف اور ہدایا نذر کرنے کی اجازت بخشے اور اس کی بارگاہ میں امراء، کبراء، رؤسا، عمائد اور دولت مند لوگ قیمتی ہیرے، نفیس ذخیرے اور بے اندازہ دولت کے تحائف پیش کرنے لگیں پھر کوئی سبزی فروش کوئی معمولی سبزی یا کوئی دیہاتی گنوار کچھ پیش کرے جس کی قیمت ایک دمڑی یا ایک رتی بھر ہو اور ان بڑے بڑے لوگوں اور دولت مندوں کے گروہ میں گھس جائے جو بیش قیمت تحائف لے کر کھڑے ہوں اور پھر وہ بادشاہ اس فقیر سے اس کا ہدیہ قبول فرمالے اور اسے پسندیدگی اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھے اور اس کے لیے خلعتِ فاخرہ اور عزت و احترام کا حکم صادر فرمائے تو ایسا ہے اس کا انعام و فضل کرنا ہوگا پھر کہ یہ فقیر بادشاہ پر احسان جتلانے لگے اور اپنے ہدیہ کو بہت کچھ سمجھے تو بادشاہ کے احسان کا شکر کرنا بھول جائے تو کیا اسے دیوانہ، بدحواس یا بیوقوف اور بدتمیز و احسان فراموش نادان نہ سمجھا جائے؟

اب تجھ پر لازم ہے کہ جب تو خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو اور دو رکعت ادا کرے تو فارغ ہونے پر سوچ کہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کتنے خدام کھڑے ہوئے ہوں گے زمین کے مختلف حصوں میں سمندروں، پہاڑوں اور شہروں میں کتنے ایک استقامت والے، صدیق، خائف، مشتاق، مجتہدین اور عاجزی کرنے والوں کے گروہ ہیں کہ اس کھڑی میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں کتنی ہی نافلہ عبادت اور کتنوں سے میرا خدمت پیش ہو رہی ہے کہ وہ بھی ڈرنے والے لوگوں پاک نہ ہوں۔ رونے والی آنکھوں، بارگاہوں اور سینوں اور پریشان حالوں کی طرف سے تیری نماز کیسے چھوٹے اس کو اچھی طرح دھیان میں رکھے فرض اور ضروری کاموں کی طاقت کے مطابق کوشش کرے لیکن ہر نئی اس بادشاہ حقیقی کی بارگاہ میں پیش ہونے کے قابل نہ ہو اور نہ عبادت کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت ہے جو وہاں پیش ہو رہی ہے پھر کہ تو نے اسے غافل دل سے دیا جس میں طرح طرح کے عیوب شامل تھے بدن کی ناپاکیوں سے ناپاک تھا اور زبان فضول اور بیکار باتوں سے بھری ہوئی تھی جب نماز اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کے قابل نہ تھی اور جب اس کی بارگاہ میں ہدیہ کرنے کی اس میں کونسی صلاحیت تھی۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا اے عقلمند غور کر آسمان کی طرف نماز بھیجنے میں تجھے کبھی وہ توجہ ہے جو کسی میرے آدمی کے سامنے میں پیش کرتے وقت تو کرتا ہے۔ جو کہ وہ تو فارغ ہوتا ہوں تو اس عبودیت سے زیادہ شرمندگی تجھ پر مسلط ہو جاتی ہے جو تو اس سے فارغ ہوتا ہے۔

[illegible]

فصل :

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تھا پھر ہمارے ان اعمال کا کیا حال ہوگا جبکہ کل وہ خداوند تعالیٰ کے حضور پیش کیے جائیں گے معلوم نہیں ان میں کتنے عیوب اور نقصان ظاہر ہوں گے جن سے آج ہم بے خبر ہیں۔

بعض نیک لوگوں سے روایت ہے کہ میں ایک رات سحری کے وقت بیدار ہوا تو سورۃ مزمل پڑھ رہا تھا جب میں نے سورۃ کو ختم کر لیا تو مجھے کچھ اونگھ سی آگئی میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک غیبی ہاتھ نازل ہوا اس کے ہاتھ میں ایک صحیفہ تھا اس نے وہ میرے سامنے پھیلا کر رکھ دیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں سورۃ مزمل لکھی ہوئی تھی اور ہر کلمہ کے نیچے دس نیکیاں لکھی ہوئی تھیں۔ مگر ایک کلمہ میں نے دیکھا کہ وہ مٹا ہوا ہے اور اس کے نیچے کچھ بھی نہیں لکھا ہوا ہے میں نے یہ کلمہ بھی پڑھا تو تھا مگر اس کا ثواب لکھا ہوا ہے نہ یہ کلمہ ہی لکھا ہوا ہے۔ تو میں نے کہا تم صحیح کہتے ہو تم نے اسے پڑھا تھا اور ہم نے لکھا بھی تھا مگر ہم نے آسمان سے ایک آواز دینے والے فرشتہ کو اس نے کہا اس کلمہ کو مٹا دو اور اس کا ثواب بھی ختم کر دو تو ہم نے اس کو مٹا دیا۔ میں نے خواب میں ہی اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو اس نے جواب دیا کہ ایک دن میں مکہ میں تھا تو میں نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے اللہ تو مجھے ہر نیکی کی توفیق عطا فرما اور ہر برائی سے بچا اور جب میں نے تیرا نام لیا تو تو مجھ سے راضی ہو جا اور جب تو مجھ سے راضی ہو جائے تو میرے گناہوں کو بخش دے تو میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ اس مسکین نے کتنی سی بات میں اپنے حج کو باطل کر دیا۔

اور بعض نے نقصان زیادہ ہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ وہ نیکی بھی عبادت جو ریاء اور عجب سے صاف رہے اس عبادت کی قیمت خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت اندازہ سے زیادہ بڑھ جاتی ہے جیسے یہ آنکھ پیدا کرنے کی کوئی قیمت نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جیسا کہ حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے کہ آپ نے فرمایا مقبول عمل بھی کم نہیں ہوتا۔ اور مقبول عمل کم بھی جیسے سنا ہے۔

امام نخعی سے پوچھا گیا کہ فلاں شخص کے عمل کا کتنا ثواب ہے آپ نے فرمایا جب وہ قبول ہو جائے تو اس کے ثواب کی کوئی حد نہیں۔

اور وہ سب سے بڑی نعمت جو ہمیں ایک دوسرے سے ملی تھی جس نے ستر سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ایک لمحہ کے لیے بھی ہمارا ساتھ نہ چھوڑا تھا اس کے بعد وہ ہمارے ساتھ نہیں ہے ہم اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے۔ وہ اپنے نفس کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر ہمارے پاس کوئی بھلائی ہوتی تو یہ مصیبت ہم پر نہ آتی تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو ان کی طرف بھیجا اور کہا کہ تم کہتے ہو کہ ہم اپنے نفس کو بے قیمت سمجھتے ہو تو یہ تمہاری بہت بڑی غلطی ہے۔

میں اس موقع پر عقل مند کو اس کام پر غور کرنا چاہیے یہ ہرگز نقصان نہیں ہے کہ ایک آدمی ستر سال تک تکلیف و راحت اٹھائے اور دوسرا ایک لمحہ کی سوچ بچار کرے اس کی ایک لمحہ کی فکر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ستر سال کی عبادت سے افضل ہو جائے یہ ہرگز نقصان نہیں ہے کہ ستر سال سے ایک گھڑی زیادہ بہتر ہو جائے اور ستر سال کی عبادت بیکار چلی جائے۔ خدا کی قسم یہ ہرگز نقصان نہیں ہے۔ اور اس سے بے خبر رہنا اس سے بھی بڑا نقصان ہے اور وہ مصیبت جس کی وجہ سے تم حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اس کی وجہ سے تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوئی اور تم نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ اور تم نے اپنے رب کو پہچانا اور اس کی وجہ سے تم نے اپنے نفس کو بے قیمت سمجھا وہ تمہارے لیے تمام عبادت سے بہتر ہے۔

یہ ان لوگوں کے لیے

بدن دوزخ کی طرف میلان رکھنے والے اور دوزخ کا حکم دینے والے نفس سے کسی نہ کسی عمل کا استخراج کرے ایسے طریقہ پر کہ وہ رب العالمین کے جلال اور عظمت کے لائق ہو اور اس کی نعمتوں اور احسانات کی شکر ادا بن سکے۔ اور اس کی بارگاہ میں پسندیدگی اور قبولیت حاصل کر سکے ورنہ تجھ سے وہ عبادت فوت ہو جائے گا جس کے فوت ہونے کو کوئی نفس برا خیال نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تجھے کوئی ایسی مصیبت پہنچ جائے کہ جس کی تجھے طاقت نہ ہو اور خدا کی قسم یہ بہت عجیب حرکت ہے اور بہت عظیم بیقینت ہے۔

باقی رہا اس بادشاہ کے جلال اور عظمت کا معاملہ اس طرح کہ ہم مقربین ہر وقت دن رات اس کی عبادت میں کوشاں ہیں یہاں تک کہ بعض ان میں سے اپنی ابتدائے پیدائش سے لے کر قیامت میں اور بعض ان میں سے رکوع کی حالت میں اور بعض سجدہ کی کیفیت میں اور بعض ان میں سے تسبیح و تہلیل میں مشغول ہیں تاکہ وہ آنے والے کا قیام اور رکوع کرنے والے کا رکوع اور سجدہ کرنے والے کا سجدہ اور تسبیح کرنے والے کی تسبیح اور لا الہ الا اللہ کہنے والے کی تہلیل صور پھونکنے تک برابر چلی جائے گی اور پھر بھی جب وہ اس عظیم خدمت سے فارغ ہوں گے تو سب کے سب پکار اٹھیں گے کہ تو پاک ہے ہم نے تیری عبادت کا حق نہ بجا لایا اور نہ ہی کر سکے۔

اور ہر رسولوں کے سردار کا مقام خلائق کی تمام صفات سے زیادہ عالی اور فضیلت رکھتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو فرماتے ہیں کہ میں تیری ایسی ثناء بیان نہیں کر سکتا جس طرح کہ تو مستحق ہے اور کہتے ہیں کہ میں تیری اس تعریف کو بیان کرنے سے قاصر ہوں جس تعریف کا تو مستحق ہے۔ پھر اس عبادت کا تصور بھی کیسے کیا جا سکتا ہے جس کا تو اہل ہے۔ اور آپ ہی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کوئی بھی اپنے عمل سے داخل نہیں ہو سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول کیا آپ بھی داخل نہیں ہو سکتے تو آپ نے فرمایا ہاں جب تک خدا تعالیٰ کی رحمت مجھ کو ڈھانپ نہ لے میں بھی نہیں داخل ہو سکتا۔

باقی رہے انعامات اور احسانات تو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا	اور اگر اللہ تعالیٰ کے احسانات کو شمار کرنے لگو
تُحْصُوْهَا۔	تو شمار بھی نہیں کر سکتے۔

اور جیسا کہ حدیث میں ہے۔

اُن میں اختیار ہے۔

اس سے خدا کی پناہ۔

جو لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ یہاں تک کہ واقعہ بصریہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ کہ انھوں نے فرمایا کہ میرا جو عمل ظاہر ہو جائے میں اُسے شمار میں نہیں لاتی۔ اور کسی اور نے کہا اپنی بیوی کو اس طرح چھپا جس طرح تو اپنی برائی کو چھپاتا ہے۔ اور کسی اور نے کہا۔ اگر تجھے نیکیوں کو چھپانے کی کوئی جگہ مل سکے تو ایسا ہی کر۔ یہ بھی ہے کہ رابعہ سے سوال کیا گیا۔ کہ آپ کو اپنے کون سے عمل پر سب سے زیادہ امید ہے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے اعمال سے مایوس ہوں۔

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ محمد بن واسع اور مالک بن دینار دونوں کی ملاقات ہوئی۔ تو مالک نے کہا یا تو ساری رات کی عبادت ہوگی یا جہنم۔ تو محمد بن واسع نے کہا یا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی یا جہنم تو مالک نے کہا مجھے تیرے جیسے استاد کی کتنی ضرورت ہے۔

یزید بسطامی رحم اللہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا میں نے تیس سال تک عبادت میں محنت کی پھر میں نے اپنے کفنے والے کو دیکھا جو مجھ سے کہتا تھا کہ اے بایزید اس کے بعد اگر تو نے عبادت سے محبت ہے اگر تو اس بادشاہ تک پہنچنا چاہتا ہے تو تجھے ذلت و مسکینی اختیار کرنی چاہئے۔

میں نے استاد ابو علی سے سنا وہ استاد ابو الفضل رحمہ اللہ سے بیان کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا میں اپنی طرح جانتا ہوں کہ میں جو بھی عبادت کرتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ نے نہ کبھی قبول نہیں ہوئی ہے آپ سے اس معاملہ میں گفتگو کی گئی تو آپ نے جواب دیا کسی کام کے مقبول ہونے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں جانتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میں ان کو پورا نہیں کر رہا ہوں۔ تو میں جانتا ہوں۔ میرے عمل غیر مقبول ہیں۔ تو آپ سے کہا گیا۔ پھر آپ عمل کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا جو سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی دن مجھ پر رحمت کر دیں تو نفس کو اچھے کام کرنے کی عادت ہو جائے گی۔ اور ابتدا سے عادت ڈالنے کی ضرورت نہ ہوگی یہ وہ ان بڑے بڑے لوگوں کا ہے جو صاحب مجاہدہ و مشاہدات کو ہمیشہ کرنے والے اور مضبوط قدم رکھتے تھے۔ تیری حالت ایسی ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

فان یک نفسہ حبت صغیرھم ... فحبت کل یوم وما حبت الرحال

فحبت تدرک بالتمنی سدد ... کدوب الصبا وسابق البرق السیل

پھر کچھ خیال ہوا کہ میں یہاں وہ حدیث بیان کروں جو صادق مصدوق سے منقول ہے۔ وہم نے جس کو کئی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حماد سے عرض کیا مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ نے براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو اور اس میں زیادتی نہ ہو۔ اس کی شدت اور بڑائی کی وجہ سے آپ اسی کا تذکرہ کرتے ہوں تو آپ نے فرمایا ہاں۔

پھر آپ بڑی دیر تک روتے رہے پھر فرمایا ——— نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

حد سے بڑھ گیا ہے۔

پھر فرمایا ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ کمر کے بل لیٹے ہوئے تھے پھر آپ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھانی پھر فرمایا ——— تم میں سے جو شخص یہ چاہتا ہے ———— اسے چاہیے کہ

آپ نے فرمایا میں تجھے ایسی بات بیان کروں جو اللہ نے میرے ذریعہ تجھے نفع دے اور تو اس کو یاد رکھے تو سنو جب تک یہ علم ——— سے محفوظ رہے گا تب تک

زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے سات فرشتوں کو آسمانوں کے خازن اور دروازوں کی نگہبانی سے پیدا کیا۔ ہر ایک آسمان کے دروازے پر ایک فرشتہ دربان مقرر ہے۔ ہر روز ان کی تعداد بندوں کے عمل سے بڑھتی ہے ان میں زیادتی و نقصان ہوتی ہے جیسے سورج کی روشنی ——— یہاں تک کہ جب

ہیں ہر روز کا تعین اس کے عمل سے بہت زیادہ ہیں ——— ان کو خبر دی جاتی ہے جب وہ

آسمان کے فرشتے ان سے ——— جو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارتے ہیں غیبت کا فرشتہ ہوں۔ اللہ

تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں کسی کا عمل قبول نہ کروں جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔ وہ مجھے بھونکتے ہوئے

کی طرح معلوم ہوتا ہے ——— پھر وہ دوسرے فرشتے کو بھیجتے ہیں جو اس کے پاس جاتا ہے اپنے عمل ہوتے

ہیں ہر روز کا تعین اس کے عمل سے بہت زیادہ ہیں ——— ان کو خبر دی جاتی ہے جب وہ

آسمان کے فرشتے ان سے ——— جو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارتے ہیں غیبت کا فرشتہ ہوں۔ اللہ

تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں کسی کا عمل قبول نہ کروں جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔ وہ مجھے بھونکتے ہوئے

کی طرح معلوم ہوتا ہے ——— پھر وہ دوسرے فرشتے کو بھیجتے ہیں جو اس کے پاس جاتا ہے اپنے عمل ہوتے

ہیں ہر روز کا تعین اس کے عمل سے بہت زیادہ ہیں ——— ان کو خبر دی جاتی ہے جب وہ

آسمان کے فرشتے ان سے ——— جو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارتے ہیں غیبت کا فرشتہ ہوں۔ اللہ

تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں کسی کا عمل قبول نہ کروں جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے۔ وہ مجھے بھونکتے ہوئے

کی طرح معلوم ہوتا ہے ——— پھر وہ دوسرے فرشتے کو بھیجتے ہیں جو اس کے پاس جاتا ہے اپنے عمل ہوتے

روزہ اور بہت سی نیکیاں ہوتی ہیں۔ فرشتے ان کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں اور خالص جانتے ہیں۔ پھر جب وہ تیس آسمان تک پہنچتے ہیں تو درمیان فرشتہ کہتا ہے۔ کہ ٹھہر جاؤ۔ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو۔ میں فرشتہ ہوں۔ میرے اللہ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں کسی ایسے آدمی کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر غیر کی عبادت متوجہ ہو۔ یہ آدمی لوگوں پر اُن کی مجالس میں اپنی بڑائی بیان کرتا ہے ——— اور فرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں اور وہ عمل اس طرح چمکتے ہیں جیسے ستارے یا کوئی روشن ستارہ اس میں سے تسبیح کی آواز آتی ہے۔ اس میں روزہ۔ حج۔ نماز اور عمرہ ہوتا ہے ——— پھر جب وہ چوتھے آسمان پر جاتے ہیں تو درمیان کا موکل فرشتہ اُن سے کہتا ہے۔ ٹھہر جاؤ۔ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو۔ میں عجب والوں کا فرشتہ ہوں۔ مجھے میرے اللہ نے حکم دے رکھا ہے کہ میں ایسے آدمی کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ آدمی جب کوئی عمل کرتا ہے تو اس پر مغرور ہو جاتا ہے ——— اور فرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں وہ عمل اس طرح آراستہ ہوتے ہیں جیسے دلہن سسرال جانے کے وقت۔ جب وہ اُن کو لے کر پانچویں آسمان تک پہنچتے ہیں ان میں نماز۔ حج۔ عمرہ وغیرہ اچھے اعمال ہوتے ہیں اُن کی چمک سورج جیسی ہوتی ہے۔ تو فرشتہ کہتا ہے میں حسد والوں کا فرشتہ ہوں یہ آدمی لوگوں پر اُن چیزوں میں حسد کرتا تھا جو اُن کو اللہ نے اپنے فضل سے دی ہیں۔ یہ آدمی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ تقسیم پر ناراض ہے۔ میرے اللہ نے مجھے حکم دے رکھا ہے۔ کہ میں اس کے عمل کو اوپر نہ جانے دوں۔ یہ اوپر جانے دوں۔ یہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہے ——— اور فرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں اس میں نماز۔ روزہ۔ جہاد اور پرہیزگاری ہوتی ہے۔ اُن کی آواز ہوتی ہے جیسے رعدی آواز اور بجلی کی چمک ——— پھر جب وہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں۔ تو فرشتہ کہتا ہے میں ذکر کا فرشتہ ہوں۔ یعنی سننے کا فرشتہ ہوں میں آدمی کے سر میں عمل والے نے اس عمل میں تعجب

تذکرہ اور دوستوں میں بندی مرتبہ سے لوگوں کے نزدیک جاہ پسندی کی عزت کی تھی۔ میرے استاد نے مجھے
حکم دیا ہے کہ میں اس کے عمل کو ضائع نہ جانے دوں۔ یہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور
جو عمل مجھ سے لے کر خالص نہ ہو وہ ریا ہے۔ اور ریا کا عمل اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے۔ اور فرشتے
بندے کے عمل نماز۔ روزہ۔ حج۔ عمرہ۔ جہاد۔ خیرات اور ذکر الٰہی کے اور یہ جانتے ہیں سات آسمان
کے فرشتے اس کی نیابت کے لیے ساتھ ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ سے تمام پردے
بیت باندھتے ہیں۔ پھر وہ اللہ عزوجل کے ساتھ ٹھہرتے ہوئے اس کے لیے شہادت دیتے ہیں کہ اس کا عمل نیک
خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم میرے بندے کے اعمال پر نگران ہو اور
میں اس کے دل کی مرنی سے واقف ہوں۔ اس عمل سے اس کا ارادہ مجھے خوش کرنا نہیں تھا لہٰذا میرے سوا
دوسرا جو خوش کرنا مقصود تھا میں اسے پہنچے لیے خالص نہیں کیا۔ تم میری خوب جانتا ہوں جو عمل کرنے
سے اس کی نیت تھی اس پر میری لعنت ہو۔ اس نے بندوں کو بھی دھوکہ دیا ہو تم کو بھی۔ لیکن مجھے دھوکہ نہیں
دے سکتا۔ میں غیبوں کا جاننے والا ہوں سارے جہانوں کے خیانت سے واقف ہوں۔ مجھ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں
نہیں رہ سکتی اور کوئی چھپی چیز مجھ سے اوجھل نہیں ہے۔ میرا حکم اس کے متعلق بھی اسی طرح ہے۔ جیسے مستقبل
کے متعلق ہے اور ظاہری ہوئی چیزوں کے ساتھ میرا حکم اسی طرح ہے جیسا کہ باقی چیزوں سے متعلق اور میرا حکم
پہلے لوگوں کے ساتھ اسی طرح ہے۔ جیسے پچھلوں کے ساتھ میں پوشیدہ کو جانتا ہوں ویسے ہی خیانت
کو بھی۔ میرا بندہ اپنے عمل کے ساتھ تجھے اس طرح دھوکہ دے سکتا ہے۔ دھوکہ تو مخلوق کھاتی ہے۔ جن کو
علم غیب نہیں ہوتا اور میں تو غیبوں کا جاننے والا ہوں اس پر میری لعنت ہے۔ اور ساتوں فرشتے۔ تینوں طرح فرشتے
دعا کرنے والے سب کہتے ہیں اے ہمارے رب اس پر تیری لعنت ہے۔ اور ہماری بھی لعنت۔ پھر
آسمانوں والے کہتے ہیں اس پر اللہ کی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی لعنت۔ پھر معاذ رضی اللہ عنہ روتے
لگے اور بڑا سخت رونا رویا۔ اللہ کے رسول آپ نے جو ذکر فرمایا ہے۔ اس سے نجات کی کیا صورت
ہے۔ تو فرمایا اے معاذ اپنے جی کی یقین میں اقتدا کرو۔ میں نے کہا۔ آپ اللہ کے رسول ہیں میں معاذ
بن جبل ہوں۔ مجھے نجات اور خلاصی کس طرح عطیب ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا اے معاذ کرنے عمل
ہیں کوتاہی ہو تو حرکتوں کی ہے۔ برائی کرنے سے اپنی زبان کو روک خصوصاً اپنے بھائیوں۔ قرآن پڑھنے
والوں سے اور ہوشیار ہو اپنے نفس کے عیبوں کا علم ہونے سے روکنے اور اپنے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہمت بھی سرنگوں ہو اور عزیمت کی توفیق سلب ہے۔

فصل:

قصہ مختصر جب تو نے اپنی عمر کو دیکھ لیا اور ستاروں کی طرح اندازے کو ملحوظ کر لیا اور تحقیق کر لی کہ اس کی مدت کی جہت کو دیکھ لیا تو اپنے دل کے ساتھ اس طرف توجہ مت کر اور اس کی مدح و ثنا اور اس کی تعظیم سے بے نیاز ہو جا کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے تو ان چیزوں سے اپنی عبادت کو زیادہ نہ کر اور جب تو نے دنیا کی کمینگی اور حقارت اور سرعت زوال کو جان لیا ہے تو ستاروں کی عبادت سے اس کی طرف توجہ نہ کر اور اپنے نفس سے کہہ اے نفس رب العالمین کی تعریف اور اس کی شکر گزاری عاجز ہے جو اس نے تیرے ساتھ کیا ہے کیونکہ حقیقت میں تیرے عمل کی قدر و قیمت تیری خدمت کو جانتے ہی نہیں اور تیری عبادت سے مستغنی ہیں اور تیری عبادت ان تک نہیں پہنچ سکتی بلکہ ایسی توفیق تجھ پر کسی نے اپنی فضیلت دینے کے لئے تجھ سے پہلے اور جب کہ تجھ سے بہتر اور سب سے زیادہ محبت کے لائق تھے ان توفیقات کو ضائع کر دیا تھا۔ اور جو کچھ یہ تجھ پر کیا ہے یہ بھی ہر ایک کے ساتھ نہیں کیا ہے اور تیرے لئے اس عبادت سے ہمیشہ کی نعمتیں حاصل ہوں گی جو کہ کبھی زائل نہ ہوں گی نیز اس عبادت سے ہمیشہ کی خوشیاں حاصل ہوں گی جو کبھی ختم نہ ہوں گی نیز اس عبادت سے ہمیشہ کی عزت حاصل ہوگی جو کبھی ذلت سے نہ بدلے گی۔ اور کہنے والے نے کتنا سچ کہا ہے۔

سهر العيون لغير وجهك باطل

وبكاء هن لغير فقدك ضائع

ترجمہ: تیرے سوا آنکھوں کا یہ شب بیداری کرنا باطل ہے اور تیرے غم ہونے کے سوا ان کا رونا ضائع ہے۔

اور جس نفس پر ہمیشہ کی جنت واجب ہو چکی ہے اس کا دنیا اور دنیا کی حرص سے اور دنیا کی طرف سے اور دنیا کے وقت سے اور تیری اس عبادت سے ہمیشہ کی نعمتیں حاصل ہوں گی جو کبھی نہ ہوں گی نیز اس عبادت سے ہمیشہ کی خوشیاں حاصل ہوں گی جو کبھی ختم نہ ہوں گی نیز اس عبادت سے ہمیشہ کی عزت حاصل ہوگی جو کبھی ذلت سے نہ بدلے گی۔ اور کہنے والے نے کتنا سچ کہا ہے۔

سهر العيون لغير وجهك باطل

وبكاء هن لغير فقدك ضائع

ترجمہ: تیرے سوا آنکھوں کا یہ شب بیداری کرنا باطل ہے اور تیرے غم ہونے کے سوا ان کا رونا ضائع ہے۔

اور جس نفس پر ہمیشہ کی جنت واجب ہو چکی ہے اس کا دنیا اور دنیا کی حرص سے اور دنیا کی طرف سے اور دنیا کے وقت سے اور تیری اس عبادت سے ہمیشہ کی نعمتیں حاصل ہوں گی جو کبھی نہ ہوں گی نیز اس عبادت سے ہمیشہ کی خوشیاں حاصل ہوں گی جو کبھی ختم نہ ہوں گی نیز اس عبادت سے ہمیشہ کی عزت حاصل ہوگی جو کبھی ذلت سے نہ بدلے گی۔ اور کہنے والے نے کتنا سچ کہا ہے۔

اپنے دل کو کیسے اللہ تعالیٰ کے لیے خالی کر دے جس کے اختیار میں تمام امور ہیں۔ دنیا کا رہ جانے کی وجہ سے اپنی کمائی ہوئی عبادت کو ضائع نہ کرے۔ اور اسی طرح جب تو اچھی طرح غور کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور بڑے بڑے احسانات کو اس عبادت میں اپنے اوپر ملاحظہ فرمائے گا کہ اسی نے تجھ کو اس کی توفیق بخشی اور اس نے اس کا سامان فراہم کیا۔ اور اسی نے تمام موانعات کو تجھ سے دور فرمایا یہاں تک کہ اس عبادت کے لیے فارغ ہوا۔

پھر اس نے تجھ کو توفیق اور تائید سے خاص کیا اور اس کو تجھ پر آسان بنایا اور تیرے دل میں اس کو زینت بخشی یہاں تک کہ تو نے اس پر عمل کیا۔

پھر اسی نے اپنی عظمت اور جلال اور تیری عبادت اور تجھ سے بے نیازی اور اپنی تجھ پر بے اندازہ نعمتوں کے باوجود تیرے لیے اس معمولی عمل پر ثنا نے جمیل اور ثواب عظیم کا اجر تیار کر رکھا ہے جس کا تو کسی صورت میں مستحق نہیں ہے۔ پھر وہ اس پر تیری شکر گزاری کرتا ہے۔ اور اس معمولی کام پر تیری ثنا کرتا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے تجھ سے محبت رکھتا ہے۔

خلاصہ یہ سب کچھ اسی کے بہت بڑے فضل کی وجہ سے ہے نہ کسی اور وجہ سے اور نہ تیرا کوئی حق ہے اور نہ تیرے اس عیب دار اور حقیر عمل کی کوئی قدر ہے۔ سوائے نفس اپنے رب کریم رحیم بھی شکر و تحسین کے احسان کو یاد کر کہ اس نے تجھ پر اس عبادت کے بجا لانے میں کتنا احسان کیا اور اس سے شرم کر کہ تو اپنے عمل کی طرف توجہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہم پر ہر حال میں فضل اور احسان ہے اور اس عبادت کے حاصل ہو جانے کے بعد تیرا شغل اللہ تعالیٰ سبحانہ کی بارگاہ میں تضرع اور حاجتوں کے سوا اور کچھ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اسے اپنی رحمت سے قبول فرمائے۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کے خلیل ابراہیمؑ کی بات نہیں سنی کہ جب وہ خدا تعالیٰ کے گھر کی تعمیر کی خدمت سے فارغ ہوئے تو کس طرح اللہ تعالیٰ کی جناب میں گڑگڑائے کہ وہ اس کو قبول فرما کر اس پر احسان کرے انہوں نے کہا:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔	اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما بیشک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

اور جب اپنی دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ۔	اے ہمارے رب دعا قبول فرما

پھر اس نے اس کھوٹی پونجی کو قبول فرما کر تجھ پر احسان کیا تو اس نے اپنی نعمت کو مکمل کر دیا اور احسان عظیم فرمایا۔ کتنی اچھی ہے یہ سعادت اور دولت، وہ عزت و رفعت اور یہ خلعت و نعمت اور ذخیرہ اور کرامت تجھ پر کتنی نہ بیت دے گی۔ اور اگر دوسری کیفیت ہوئی تو اس نے اور نقصان اور محرومی پر نہایت افسوس سے پس تو اللہ اور اس کیفیت میں مشغول ہو جا۔ تجھ پر اس عمل پر ہمیشگی کرنے اور اپنی عبادت سے فارغ ہونے پر اپنے دل پر اس کا تکرار کرنے کا اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہنے کا تو وہ تجھے شیطان اور نفس کے التفات سے بچا لے گا اور عجب و ریا کاری کے شعلوں سے محفوظ رکھے گا اور تجھے خاص خاص پر عبادات فرمائیں گی۔ اور وہ تمام حالت میں تجھ پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہوگا۔ تجھے ہر حالت حاصل ہو جائے گی جو اس کے قریب ہو اور ایسی نہیں میسر آئیں گی جن میں نادانی کی وجہ سے نہ ہو اور ایسی مقبول عبادتیں حاصل ہوں گی جن میں کوئی نقص نہ ہو۔ پس ایسی عبادت کرنا افضل نہ ہوگا جس میں ایک ہی دفعہ میسر ہو جائے اور پھر کبھی میسر نہ ہو تو وہ بھی حقیقت میں بہت ہے اور دیکھ اپنی عمر کی قسم کر جو اس کی تھوڑی ہے لیکن اس کے معنی بہت ہیں اس کی قدر بڑی ہے۔ اس کا نفع کثیر ہے۔ اس کا نتیجہ اچھا ہے۔ پس اس طرح کی توفیق بہت عزیز ہے۔ اور بندے پر اللہ کی کامل بڑا احسان ہے پھر اس تحفے سے کون سا تحفہ بڑا ہو سکتا ہے۔ جس کو اللہ رب العالمین قبول کرے اور اس کوشش سے کیا کوشش ہو سکتی ہے۔ جس کی تعریف اللہ کے پیارے قرار دیں کہ اللہ رب العالمین اس پر تعریف کرے اور کون سی چیز اس چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ جس کو رب العالمین پسند کرے اور اس پر خوش ہو جائے۔ پس اے مسکین غور کر! اور ہوشیار ہو جا کہ تو خسارہ پانے والوں سے نہ ہو جائے۔ اور جب تو اس حد تک پہنچ جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے تکبر کرنے والے اللہ کے احسان پر راضی ہونے والے لوگوں میں سے ہو جائے گا۔ اور تو اس نعمت کی قدر کو اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا اس کی آفتوں سے سلامت رہے گا اور اس کی بھلائیاں اور پھل اپنے ساتھ لے جانے کا اس کی سعادتوں اور کرامتوں پر ہمیشہ کفیل ضامن ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے عصمت اور توفیق کے ولی ہیں۔ اور اللہ بلند عظیم کی توفیق ہی سے گناہ سے پرہیز اور نیکی کی قوت حاصل کی جا سکتی ہے۔

ساتویں گھاٹی

وہ یہ گھاٹی حمد اور شکر کی ہے۔ اللہ تجھے بھی توفیق دے۔ اور ہمیں بھی اس کی بیڑیوں کے توڑنے کے بعد اور ایسی عبادت کے حصول کے بعد جو آفت سے صحیح سلامت ہو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اور حمد بجا لانا اسی نعمت عظیمہ اور احسان کریمہ پر لازم ہے۔ اور یہ تجھے دو وجوہات سے لازم ہے۔ ایک تو نعمت عظیمہ کے دوام کے لیے دوسرے زیادہ حاصل ہونے کے لیے پھر نعمت دوام کے لیے اس لیے ضروری ہے کہ شکر کے ساتھ نعمتیں مقید ہو جاتی ہیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہیں۔ اور اس کو ترک کر دینے سے چلی جاتی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ۔

اللہ کسی قوم سے حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہیں بدلتے جو ان کے دلوں میں ہے۔

اور فرمایا:

فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ۔

پس اس نے اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا تو اللہ نے اس کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا بدلہ ان کی کمائی کا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ

اگر تم شکر اور ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں کیوں سزا دے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ النِّعَمَ لَا تُدَامُ إِلَّا بِالشُّكْرِ۔

نعمتیں ہمیشہ نہیں رہتیں مگر شکر کے ساتھ۔

بلکہ بازیابت کا حصول تو چونکہ شکر نعمتوں کے لیے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔ — اگر تم شکر ادا کرو تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔

اور فرمایا:۔

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى۔ — جو لوگ ہدایت قبول کرتے ہیں اللہ ان کو

ہدایت زیادہ دیتا ہے۔

نیز فرمایا:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ — جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان

کو اپنے راستوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔

ہر عقلمند کو سب کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے تاکہ اس پر دینی احسان

[illegible] پہلے دو قسم

[illegible] دینی نعمتیں دو قسم کی ہیں نعمت توفیق اور نعمت عصمت

[illegible] نعمت توفیق ہے اللہ تعالیٰ کے [illegible] توفیق بخشے پھر اس نعمت کی

[illegible] نعمت یہ ہے کہ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] سے محفوظ رکھے اور دوسری

[illegible] نعمت [illegible] تیسری قسم

[illegible] ان سے بڑھ کر [illegible] کوئی نہیں پائی جس نے ہم پر

احسانات کیے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا — اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے احسانات گننا چاہو

تُحْصُوهَا۔ نگو تو شمار بھی نہ کر سکو۔

اور ان تمام نعمتوں کا رد ج یعنی اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کا احسان کیا ہر طرف سے اس میں شامل فرمایا کہ جس کو تیز ذہم نہ تو شمار کر سکتا ہے اور نہ وہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ تمام چیزیں ایک ہی چیز سے متعلق ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اُس کا شکر۔

اور وہ کام جس کی یہ قیمت ہو جس میں یہ تمام نعمتیں ہوں نفع رکھتا ہے اور اس کو کسی حال میں غفلت کے بغیر تمام کر جانے یہ ایک قیمتی ہیرا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے توفیق کا والی ہے۔

اب سوال کیا جائے کہ حمد اور شکر کی حقیقت کیا ہے اور اس کے معنی کیا ہیں اور اُن کا حکم کیا ہے تو جان لینا چاہیے کہ علماء نے حمد اور شکر میں کچھ فرق کیا ہے۔ وہ یہ کہ حمد تبیع و تعیین کی قسم سے ہے تو یہ ہر دو شقوں میں سے ہوگا۔ مدح شد صبر و بیہودگی کی قسم سے ہے۔ تو یہ باطن کو شقوں میں سے ہوگا۔ کیونکہ شکر فعل کے مقابل ہے۔ اور حمد مذمت کے مقابل۔ اور دوسرا فرق یہ ہے کہ حمد عام ہے اور اکثر ہے۔ اور شکر کم ہے اور خاص ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ۔ اور میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں۔

تو ثابت ہوا کہ یہ دونوں الگ الگ معنی رکھتے ہیں۔ پھر یہ فرق بھی ہے کہ حمد کسی کے اچھے کام کرنے پر تعریف کرنے کو کہتے ہیں۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کے کلام کا مقتضا یہی ہے۔

باقی رہا شکر تو اس کے معنی میں علماء نے بہت کلام کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ خداوند تعالیٰ کی ظاہر و باطن میں تمام اعضاء سے اطاعت کا نام شکر ہے۔ اور ہمارے بعض مشائخ کا بھی یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا ظاہر و باطن میں طاعت کا ادا کرنا شکر ہے۔ یہ دوسرے قول کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ ظاہر اور باطن میں گناہوں سے پرہیز کرنا شکر ہے اور کسی نے کہا اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو خفیہ کرنے سے اپنی حفاظت کرنے کا نام شکر ہے۔ کہ تو اپنے دل و بدن اور اعضاء کی اس طرح حفاظت کرے کہ ان تینوں سے کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کر سکے اور اس قول اور پہلے شیخ کے قول میں فرق یہ ہے۔ کہ شیخ بزرگ نے محافظت کو گناہوں سے جنتاب پر عیب نہ کرنے معنی کی حیثیت سے ثابت کیا ہے۔ اور نافرمانی سے جنتاب کی حقیقت تو یہی ہے۔ کہ جب اس کے دواعی موجود ہوں تو انسان نافرمانی نہ کرے اور اس تعریف

کے مطابق کوئی ایسا معنی اپنے نفس میں حاصل نہیں ہوگا جس سے بندہ مشغول رہے اور ناشکری سے بچا رہے اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا احسان کرنے والے کی نعمت کے مقابلہ میں جس طرح تعظیم کی جائے، احسان کرنے والے کی نافرمانی اور ناشکری سے اُس کو روک دے! اس کا نام شکر ہے۔ اور اگر احسان کے مقابلہ میں محسن کی تعظیم رکھی جائے تو ایسی صورت میں یہ بھی صحیح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بندے کا شکر ادا کرے۔ وہ بہت اچھی تعریف ہے۔ اور اس میں کافی تفصیل ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب [illegible] میں جیسی طرح بیان کیا ہے۔ لیکن حاصل یہ ہے۔ کہ بندے سے شکر یہ ہے۔ کہ اپنے نفس کی اس طرح تعظیم کرے کہ اس کی نافرمانی سے باز آجائے اور یہ اُس کے احسان کے یاد کرنے سے ہوتا ہے۔ اور شکر کرنے والے کا حال شکر میں بہت بہتر ہے۔ اور ناشکری کرنے والے کا حال ناشکری میں بہت بدتر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ منعم کا حق کم از کم یہ حق ہے۔ کہ اُس کی نعمت کو اُس کی نافرمانی پر ہتھیار کے طور پر استعمال کرے پس بندے پر شکر کا حقیقت میں یہ فرض ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم ہو کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جائے۔ جبکہ اس نعمت کو یاد کرے۔ جب اس نے ایسا کر لیا تو اس نے شکر کا اصل ادا کر دیا۔ پھر اس کے مقابل خدا تعالیٰ کی طاعت میں کوشش و جہد و جہد ہے۔ کیونکہ وہ نعمت کے حقوق میں سے ہے۔ تو نافرمانی سے بچتے رہنا بھی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ شکر کا مقام کونسا ہوتا ہے۔ تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا مقام دینی اور دنیاوی نعمتیں ہیں۔ باقی رہا مصیبتوں اور سختیوں پر دنیا میں خواہ وہ اپنے نفس پر ہوں یا اہل و مال پر شکر کرنا بندے پر لازم ہے یا نہیں تو بعض نے کہا ہے۔ کہ بندے کو اس پر اس کی حیثیت سے شکر کرنا لازم نہیں ہے۔ بلکہ اس پر صبر کرنا لازم ہے۔ باقی رہا شکر تو وہ نعمتوں پر ہوتا ہے نہ کہ کسی دوسری چیز پر اور بعض نے کہا ہے کہ کوئی سختی ایسی نہیں کہ جس کے پہلو میں اللہ تعالیٰ کا احسان نہ ہو تو اس نعمت پر جو اس سختی سے ملی ہوئی ہے۔ بندے پر شکر یہ لازم ہے۔ نہ کہ سختی اور مصیبت پر۔ اور یہ نعمتیں وہ ہیں جو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ذکر کیں آپ نے فرمایا کہ جب کبھی بھی کوئی مصیبت مجھ پر آئی۔ تو میں نے اس میں تین اللہ تعالیٰ کے چار احسان دیکھے۔ پہلا یہ کہ وہ مصیبت میرے دین میں نہ آئی۔ دوسری یہ کہ اس سے زیادہ نہ آئی

تیسری یہ کہ میں رضا بالقضاء سے محروم نہ رہا۔ اور چوتھی یہ کہ مجھے اس پر ثواب کی امید ہے۔ یہ بھی کیا ہے کہ یہ بھی ایک نعمت ہے کہ وہ سختی دور ہو جانے والی ہے ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ یہ سختی کی طرف سے ہے نہ کہ کسی دوسرے کی طرف سے۔

درا اگر وہ سختی کسی مخلوق کے سبب سے ہو تو دوسری طرف سے اس پر بدلہ لینے کی طرف سے

تجھ پر تو اس وقت بندے پر شکر یہ لازم ہے ان نعمتوں پر جو سختی کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔

اور کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے اور ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کو نفع قرار دیا ہے دنیا کی مصیبتوں پر شکر لازم نہیں بندے کے لیے لازم ہے لیکن یہ تین حقیقت میں نعمتیں ہیں جو بندے کو اس کے معاوضے میں عظیم منفعت ہے اور ثواب دلانے والی آزمائشوں میں سے جن کے مثل بندے سختیوں کی کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور اس سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہوگی اس کے مثل ایسی بات ہے

تجھے بدمزہ اور کڑوی دوائی پلانے والے طبیب کی دو طرح ہوتی ہے ایک تو اس کی بہت بڑی مہربانی خیر خواہی کی وجہ سے کوئی تیز فصد کھولنے یا سینگی لگانے والے تو اس کا نتیجہ نفس کی صحت بدن کی سلامتی اور زیادتی کی صفائی ہوگا تو اس کا تجھے کڑوی دوائی پلانے یا تیز فصد کاٹنے یا سینگی لگانے میں تکلیف دینا بہت بڑا احسان اور عظیم نعمت ہوگی۔ اگرچہ اس کی تجھ پر ہی صورت ناپسندیدہ ہے اس سے طبیعت نفرت کرتی ہے اور نفس وحشت محسوس کرتا ہے پھر بھی تو اس آدمی کا شکریہ ادا کرتا ہے بلکہ اپنی ہمت کے مطابق اس کو اچھا معاوضہ بھی دیتا ہے تو یہی حکم ان مصیبتوں اور سختیوں کا بھی ہے یہ تم غور نہیں کرتے کہ ہم بھی اسی طرح حمد اور شکر ادا کرتے تھے جیسا کہ خوشی کی چیزوں پر آپ نے فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا سَبَقَ ۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ہر اس چیز پر جو گزر چکی

شعر

بعد نیکیوں پر بھی

کیا آپ اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف غور نہیں فرماتے کہ

عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ ۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور

اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔ اللہ اس میں بہت سی بھلائی رکھ دے

اور اللہ تعالیٰ جس کا علم ہمارے علم سے بہت زیادہ ہے کہ تیرا یہ ناپسندیدہ امر تیرے لیے بہتر ہے۔ اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے۔ کہ نعمت صرف وہ ہی نہیں ہوتی جس میں خوشی محسوس ہو بلکہ بسا

نعمت کی وجہ سے نفس چوبے بلکہ وہ چیز بھی نعمت ہے جس سے درجات میں رفعت نصیب ہو۔ یہی وجہ ہے
کہ نعمت کو زیادت کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور جب سختی بندے کے شرف اور درجات کی بلندی
کا سبب ہے۔ تو یہ بھی حقیقت میں نعمت ہوئی۔ اگرچہ اپنی ظاہری صورت سے سختی و تکلیف شمار کیا
جاتا ہے۔ اس کو جس طرح چاہے رکھ خدا تجھے توفیق دے۔

پھر اگر تم یہ پوچھو کہ شکر زیادہ افضل ہے یا صبر کرنے والا۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ شکر افضل ہے۔
اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے فرمایا:۔

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ۔ میرے تھوڑے بندے شکر کرنے والے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اخص الخواص بنایا ہے۔ اور نوح علیہ السلام کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا۔ یقیناً وہ شکر گزار بندہ تھا۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:۔

شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ وہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا۔

اور اس لیے بھی کہ یہ نفس اور عافیت کے مقام پر ہوتا ہے۔ اور اسی لیے ماثور ہے کہ اللہ تعالیٰ
پر احسان کیا جائے اور میں شکر کروں تو یہ اس سے مجھے زیادہ پسند ہے کہ میں سختی میں مبتلا ہو کر
جاؤں اور صبر کروں۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صبر کرنے والا زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ اس کی مشقت بہت بڑی ہوتی ہے اس
لیے اس کا ثواب بھی بڑا ہوگا۔ اور درجات بھی بلند ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا۔ بہت اچھا
الْعَبْدُ۔ بندہ تھا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم صابرین کو بغیر حساب کے پورا پورا بدلہ
بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ جائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حقیقت میں شکر کرنے والا صابر کے سوا کوئی نہیں اور صبر کرنے والا حقیقت میں شکر گزار کے سوا اور کوئی نہیں۔ کیونکہ شکر گزار امتحان میں ہے۔ اس میں سختی کے سوچارہ نہیں جس پر وہ نافرمانی طلب پر صبر کرے گا اور بے صبری نہ کرے گا کیونکہ شکر احسان کرنے والے کی ایسی تعظیم ہے۔ جو اُس کی نافرمانی سے روک دے اور بے صبری بھی نافرمانی ہے۔

اور صبر کرنے والا بھی نعمت سے خالی نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ پہنچے ہوئے کو سختی بھی حقیقت میں نعمت ہے۔ تو جب اُس پر صبر کرے گا تو حقیقت میں یہ بھی شکر ہوگا۔ کیونکہ صبر ہے کہ اللہ کی تعظیم کے لیے اپنے نفس کو بے صبری سے روکے، اور شکر بھی بعینہٖ یہی ہے۔ کیونکہ وہ ایسی تعظیم ہے جو نافرمانی سے بچائے اور اس لیے بھی کہ شکر گزار اپنے نفس کو ناشکری سے روکتا ہے۔ اور نافرمانی سے صبر کرتا ہے۔ اور اپنے نفس کو شکر پر آمادہ کرتا ہے۔ اور عبادت پر صبر کرتا ہے۔ تو حقیقت میں یہ بھی صابر ہے۔ اور صابر نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی ہے۔ اُسے بے صبری سے روکا ہے۔ اور اس پر آمادہ کیا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے۔ تو حقیقت میں یہ بھی شاکر ہے۔ اور صابر کی تعریف میں ایک روایت ہے۔ کہ وہ کتنا ہی اچھا ہے۔ ایک سختی ہے جس پر شکر گزار صبر کرتا ہے۔ اور صابر کی تعریف میں ایک نعمت ہے جس پر صابر شکر کرتا ہے۔ تو ان دونوں میں سے کوئی کم نہیں دوسرے سے۔

اور اس لیے بھی کہ وہ بصیرت جو ان دونوں پر انسان کو آمادہ کرتی ہے وہ ایک ہی ہے اور وہ ہے بعض علماء کے قول کے مطابق استقامت کی بصیرت ہے۔ انہیں وجوہات کی بنا پر ہم نے کہا ہے۔ کہ یہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔ اس جملے کو خوب ذہن نشین کر لو۔ توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

فصل:

یہ وہ تجھ پر لازم ہے۔ کہ جس آسان سی کمائی کو حاصل کرنے کے لیے اپنی ہمت خرچ کر دے یہ ایسی گھاٹی ہے جس کی مشقت بہت تھوڑی ہے۔ معاوضہ بہت زیادہ ہے۔ اور جس کا وجود نہایت عزیز اور قدر و منزلت نہایت عظیم ہے۔ دو چیزوں پر غور کر پہلی یہ ہے۔ کہ نعمت اُس وقت دی جاتی ہے جو اُس کی قیمت کو جانتا ہو۔ دوسرا اس کی حفاظت کرے۔ صرف شکر گزار ہی جانتا ہے۔ اور ہمارے اس قول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ جو کہ خداوند تعالیٰ نے کفار سے حکایت کرتے ہوئے اور اُن کا جواب دیتے

ہوئے فرمایا ہے۔

اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنْۢ	کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے
بَیْنِنَآ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ	احسان کیا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے
بِالشّٰکِرِیْنَ۔	واقف نہیں ہے۔

[illegible] نے یہ سوال کر کے کہ عظیم نعمت [illegible] احسان اس پر کیا جاتا ہے جو [illegible] سے زیادہ درجہ و نسب کے لحاظ سے [illegible] ہو تو کہنے لگے کہ ان فقیروں کا ایک مقام ہے کہ اللہ کے قرب کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ نعمت عظیمہ [illegible] ہم میں سے محروم رکھا ہے تو اس نے فرمایا کہ [illegible] کے لحاظ سے [illegible] پر کیا یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان کیا ہے [illegible] تعالیٰ نے اس روشن نکتہ سے جواب دیا اور فرمایا:۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ	یہ خداوند تعالیٰ شکر گزاروں کو نہیں جانتا۔

[illegible] کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کریم کسی کو نعمت دیتا ہے [illegible] اس کا مقصد یہ ہوتا ہے [illegible] بندہ اس پر [illegible] دوسرے پیغمبروں کو چھوڑ کر اس کو پسند کرنے [illegible] کے متعلق میں بہت مشکلات برداشت کرنی پڑیں [illegible] پیدا کر کے [illegible] کے لیے ہمیشہ نعمت کے دروازے پر کھڑا رہے [illegible] ہمارے [illegible] یہ پہلے سے معلوم تھا کہ یہ لوگ [illegible] نعمت [illegible] ان کو [illegible] شکر ہے کہ یہ کھڑے ہوں گے تو تمہاری نسبت یہ اس نعمت کے زیادہ [illegible] تمہاری [illegible] اثر نہ ہوتا دنیا میں بڑے درجہ و حشمت والے جب اللہ کو [illegible] پسند نہیں آتے تو تمام تر نعمت دینا ان کے سامنے درجہ و نسب بلند کرنا کچھ نہیں ہوتا کہ [illegible] اور معرفت [illegible] کرتے ہوئے [illegible] کرتے ہوئے کیا تم نہیں کرتے [illegible] اور [illegible] کرتے ہوئے [illegible] ہر چیز میں تمہارے پاس [illegible] یہ [illegible] کہ تم ان چیزوں کو نہیں سمجھتے ہو اور ان کی بہت فضولیوں پر [illegible] ہو [illegible] ہر [illegible] میں تربیت کرتے ہیں۔ اس کی [illegible] کے لیے اپنا تحفہ دیتے ہیں۔ اور جو کچھ [illegible] کے [illegible] اس سلسلہ میں نکلی ہوتی ہے اس کی پروا نہیں کرتے [illegible] کہتے ہیں ہمارا [illegible] سے دلگی رکھتے ہیں۔ [illegible] ہے۔ کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی قدر کو

پہچانا جن کے دلوں میں اس کی تعظیم رسخ ہے۔ اور اس کے سوا ہر چیز کو ضائع ہونا ان پر نہایت آسان ہے۔ اور اس میں ہر سختی کو برداشت کرنا ان کو پسند ہے۔ تو یہ لوگ اپنی تمام عمر کو اس کے شکر یہ میں ختم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ اس نعمت عظیمہ اور احسان جسیمہ کے اہل قرار پائے اور ہمارے سابقہ عدم کی وجہ سے ہم نے اُن کو خاص کر لیا اور تمہیں اس سے محروم کر دیا۔

پھر میں کہتا ہوں لوگوں میں سے ہر طریق کا یہی حال ہے۔ کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے دینی نعمتوں میں سے کسی نعمت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ خواہ وہ علمی ہو یا عملی۔ جب تم حقیقت میں غور کرو گے تو ان لوگوں کو اس کی قدر کا سب سے زیادہ جاننے والا اور اس کی تعظیم میں سب سے زیادہ سخت اور اس کے حصول میں سب سے زیادہ کوشش کرنے والا اور اس کی تعظیم میں سب سے بڑا اور اس کے شکریہ میں سب سے زیادہ مضبوط پاؤ گے۔

اور جس نعمت کو اللہ تعالیٰ نے اس سے محروم کیا ہے۔ اس کو چونکہ تقدیر کے ساتھ کسی سبب سے پیدا نہیں کیا ہے اس لئے محروم کیا ہے۔ پھر کہ علم اور عبادت کی تعظیم عوام اور بازاری لوگوں کے دلوں میں کبھی نہیں ہوتی جیسی کہ علماء اور عبادت گزاروں کے دل میں ہے۔ تو وہ کبھی بازاروں کو اختیار نہ کرتے اور اس کو چھوڑ دینا ان پر آسان ہو جاتا۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ کوئی فقیہ جب کسی ایسے مسئلہ کو دریافت کرتا ہے جس میں پہلے سے اس کا دل کتنا خوش ہو جاتا ہے۔ اس کا خوش کتنا بڑھ جاتا ہے اور اس کے دل میں اس کا مقام کتنا بڑھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کو ہزار دینار مل جاتے تو اسے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ اور یہی دین کے معاملے میں کوئی مسئلہ اس پر پوشیدہ رہتا ہے۔ تو وہ اس میں سال بھر تک بلکہ دس سال جمے بیٹھا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی میں غور و فکر کرتا رہتا ہے۔ اور پھر بھی وہ اس سے کتنا نہیں ہوتا یہاں تک کہ بھی اس کو اس مسئلہ کے جاننے سے اللہ کا بہت بڑا احسان اور سب سے بڑی نعمت سمجھتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے اپنے آپ کو تمام غنیاء سے زیادہ غنی اور ہر شریف سے زیادہ اشرف سمجھتا ہے۔ جبکہ کہ اس مسئلہ کو کسی بازاری یا کسی سست طالب علم کے سامنے بیان کر دیتا ہے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ اس کی اہمیت اور رغبت نہیں رکھتا ہے۔ پس وہ اس کی طرف کان نہیں لگاتا۔ اور اگر اس پر کلام کرتا ہے تو اس کو بہت ہی ہلکا سمجھتا ہے۔ اس کے لیے یہ ظاہر ہوتا ہے تو اسے کوئی معاملہ نہیں سمجھتا تو ہیں معاملہ اس کی طرف توجہ نہ دینے کا ہے۔ وہ یہ نفس کی شہوت اور

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بیشک وہی ہے شفقت کرنے والا مہربان۔

دوسرا اصل یہ ہے کہ جو آدمی کسی چیز کی قدر نہ جانے وہ نعمت اُس سے چھین لی جاتی ہے۔ جو چیز قدر نہیں جانتا وہی ناشکرہ ہے جس نے اُس نعمت کی قدر نہ کی اور اُس کا شکر ادا نہ کیا اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ	اور پڑھ اُن پر خبر اُس آدمی کی جس کو ہم نے دی
آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ	آیتیں اپنی پھر وہ اس سے نکل بھاگا پھر شیطان
الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝	اس کے پیچھے لگا سو وہ گمراہوں سے ہوگیا اور
وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا۔	اگر چاہتے ہم تو اُس کو ان آیتوں کے ذریعہ
(الآية)	سے بلند کر دیتے۔

کلام کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے اُس بندے پر بڑی بڑی نعمتوں اور عظیم احسانات سے دین کے متعلق جو ہم نے اُس کو بصیرت دی تھی انعام کیا اور بڑا رتبہ اور رفیع منزلت اپنے دروازے پر اس کو عطا کی تاکہ وہ ہمارے پاس بلند رتبہ عظیم اللہ رتبہ بڑے جاہ و جلال والا ہو جائے لیکن وہ ہماری نعمت کی قدر سے جاہل رہا اور حقیر اور کمین دنیائی عادت مائل ہو گیا اور اپنی کمینی اور دون خواہشات نفس کو اختیار کر لیا اور یہ نہ جانا کہ سارے دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دینی نعمتوں میں سے ایک نعمت کے برابر بھی نہیں ہے اور یہ کہ پھر کے ایک پر کی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ تو اس کو دنیا اس کتے کی سی ہے جو عزت اور راحت اور تزئین کی مشقت میں نہیں پڑتا اور نہ راحت اور عزت کو عفاریت اور خست سے الگ دیکھتا ہے تو یہ دنیا کے ٹکڑوں میں ہانپتا ہے۔ اس کے نزدیک تمام دنیا کی روٹی کے ایک ٹکڑے میں سب سے وہ کمینہ دسترخوان کا ایک ٹکڑا ہے جسے اُس کی طرف پھینک دیا جائے برابر ہے کہ تو اُسے اپنے سامنے تخت پر بیٹھا کر یا اپنے سامنے اسے کھڑا کر دے سو اُس کی ہمت اور کرامت اور نعمت سب کچھ اسی میں سے تو اس بڑے سے انسان نے جب ہماری نعمت کی قدر کو نہ پہچانا اور جو نہ سمجھی ہم نے اُس کو دی تھی اُس کا حق نہ پہچانا تو اُس کی بصیرت کند ہو گئی اور چھپ کر دوسروں کی طرف توجہ کرنے کے سبب سے مقام قرب میں اُس کا ادب بدتر صورت اختیار کر لیا اور ہماری نعمتوں کے تذکرہ کو چھوڑ کر حقیر دنیا اور خسیس لذت میں مشغول ہو گیا تو ہم نے اُس کی طرف نظر کی نفرت سے دیکھا اور اُسے انصاف

کے بیان میں کثر کر دیا۔ اور اُس کے متعلق مذمت کا فیصلہ نافذ کیا۔ پھر اُس سے اپنی تمام نعمتیں اور کرامتیں چھین لیں اور اُس کے دل سے اپنی معرفت کھینچ لی پھر وہ ننگا ہو کر اُن تمام نعمتوں سے باہر نکل گیا جو ہم نے اُس کو اپنے فضل سے دی تھیں۔ پس وہ ایک ہانکا ہوا کتا اور شیطان مردود ہو گیا۔ ہم اللہ کی ناراضگی اور اُس کے دردناک عذاب سے اُس کی پناہ چاہتے ہیں وہ ہم پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

پھر ایک بادشاہ کی مثال پر قناعت کر کہ وہ اپنے کسی بندے کی عزت کرے اور اُسے خاص اپنے کپڑے پہنائے اور اپنے قریب کرے اور اپنے تمام خادموں۔ درباریوں پر اُس کو سردار بنا دے اور اُسے یہ دروازے اُس کی مذمت کا حکم دے پھر حکم دے کہ اُس کے لیے کسی دوسری جگہ میں محل تعمیر کیے جائیں اور اُس کے لیے بلند تخت بچھائے جائیں۔ اُس کے لیے طرح طرح کے کھانے چنے جائیں۔ رستہ کی منڈیاں اُس کی دیوانی جائیں۔ خود اُس کے سامنے دست بستہ کھڑے رہیں یہاں تک کہ جب وہ اس ملازمت سے واپس جائے تو اُس جگہ ایک مخدوم بادشاہ کی حیثیت سے بیٹھا یا جائے اور اُس کی خدمت کی بات اور اپنے ملک و ولایت کی دولت میں ایک ہی ساعت کا فاصلہ ہو یا اس سے بھی کم پھر یہ بندہ بادشاہ کے دروازے پر جانوروں کی نگرانی کرتے ہوئے کسی نوکر کو روٹی کا ٹکڑا کھاتے دیکھے یا اس کے تو ڑے ہوئے تو بادشاہ کی خدمت کو چھوڑ کر اُن کو دیکھنے میں مشغول ہو جائے اور اپنی توجہ اُس عزت اور دولت اور شاہی خدمتوں اور کرم نعمتوں کی طرف توجہ نہ کرے اور اُس مخدوم کی طرف دوڑے اور اپنا فقر اور اُس سے روٹی کا ٹکڑا مانگنے لگے یا کسی کتے کو ہڈی پھینکتے دیکھ کر اُس پر رشک کرے اور اُس کی اس حالت کو بُرا سمجھے تو بادشاہ جب اس حالت میں دیکھے گا تو یہ سمجھے گا کہ یہ بیوقوف اور کمینہ ہمت آدمی ہے جو اس نے ہمارے کرم کا حق نہ پہچانا اور ہم نے اس کو نعمت عطا کیے اور اپنا پیارا بنایا۔ مگر پھر بھی اپنی عنایت اس پر مبذول کرے اس کی جو عزت فرمائی تھی اس نے اُس سے قبول کیں لیکن وہ اس کے لیے دولت کے ذخیرے اور ہر قسم کی نعمتیں مہیا کیے تھیں۔ یہ کمینہ ہمت اور عظیم الجہل اور بدتمیز انسان ہے۔ اس سے نعمتیں چھین لو اور اس کو ہمارے دروازے سے دھتکار دو۔

پھر یہی حال عام کا ہے۔ جب وہ دنیا کی طرف جھک جائے اور یہی حال عابد کا ہے جب وہ خواہش کی پیروی کرنے لگے بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی عبادت، دین اپنی نعمتوں کی پہچان اور اپنی شریعت

اور اُس کے احکام سے سرفراز کیا تھا۔ پھر اُس نے اِن کے قدر کو نہ جانا تو وہ اللہ کے نزدیک سب سے حقیر اور سب سے ذلیل ہے۔ کہ اِس میں رغبت کرتا ہے۔ اور اس کی حرص رکھتا ہے۔ اور اُس کے دل میں یہ سب سے بڑی اور سب سے محبوب چیز ہے اُن تمام چیزوں سے جو اس کو علم اور عبادت اور حکمت اور تحقیق سے ہم نے عنایت کی تھیں۔ اور یہی حال ہے اُس آدمی کا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی توفیق اور عصمت سے خاص کر لیا۔ اور اپنی خدمت اور عبادت کے انوار سے اُس کو زینت بخشی اور اکثر اوقات میں رحمت کی نظر سے اُس کو دیکھا اور اس کی وجہ سے فرشتوں پر فخر کیا اور اس کو اپنے دروازے کی دربانی اور دربانی بخشی اور اُسے شفاعت کے مقام پر کھڑا کیا۔ اور اس کو عزت کی خلعت پہنا کر ایمان تک کہ جب وہ اس حیثیت کا ہو گیا۔ اگر اُس کو پکارے تو وہ قبول کرے اور لبیک کہے اور اگر اُس سے مانگے تو اُس کو دے اور غنی کر دے اور اگر دنیا میں کسی کی شفاعت کرے تو اُن کے متعلق اُن کی شفاعت کو قبول کرے اور اُسے راضی کر دے اور اگر خدا کو قسم دے تو وہ اُس کی قسم کو پورا کرے اور اگر اُس کے دل میں کسی چیز کا خیال آئے تو اُس کو عطا کرنے سے پہلے عطا کرے پھر جس آدمی کی یہ حالت ہو اور پھر بھی وہ ان نعمتوں کی قدر نہ پہچانے اور اس منزلت کی قدر کو نہ دیکھے اور بے حیا نفس کی بری خواہشات کی طرف چلا جائے یا کمینی دنیا کے حصول میں لگ جائے جس کو کوئی بقا نہیں۔ اور اُن کرتوتوں اور خصلتوں اور بدبختیوں اور حسرتوں اور عقابوں کو نہ دیکھے پھر اُن چیزوں کو نہ ملحوظ رکھے جن کا اُس نے وعدہ کیا ہے جو آخرت میں اس کے لیے تیار کیا ہے عظیم ثواب اور ہمیشہ کی رہنے والی پوری نعمتیں تو یہ کتنا حقیر آدمی ہے۔ اور کتنی بری حالت میں بندہ ہے اور کردہ ہے تو کتنے خطرناک مقام پر ہے۔ اور اِس کا یہ کام کہ وہ سمجھے تو کتنی بڑی بے حیائی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ رحیم اور شفیق سے سوال کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے عظیم فضل اور وسیع رحمت سے ہمارے حالات کو درست کر دے ہمیشہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

تو اے مرد تم پر لازم ہے کہ تو اپنی ہمت صرف کرے تاکہ تو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات کے قدر کو پہچانے اور جب تجھ پر دین کی نعمت کا احسان فرمائے تو دنیا اور اس کے سامان کی طرف توجہ کرنے سے پرہیز کر کیونکہ یہ تجھ سے ایک طرح کی سستی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دین کی نعمت کا ولی بنایا اور پھر تو نے قدر نہ کی یہ تو نے اللہ تعالیٰ کے قول کو نہیں سنا جو سید مرسلین کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:۔

ولقد اتيناك سبعا من المثاني	اور بے شک دی ہم نے تجھ کو سات آیتیں
والقرآن العظيم ۔ لا تمدن	بار بار پڑھی جانے والی اور قرآن بزرگ عطا فرمایا تو
عينيك الى ما متعنا به ازواجا	ہم نے اُن کو طرح طرح کا سامان دیا ہے۔
منهم الآية	اُس کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جسے قرآن عظیم دیا جائے اس کا حق ہے کہ وہ حقیر دنیا کی طرف پسندیدگی اور رغبت مندی کی نگاہ سے بھی نہ دیکھے۔ چہ جائیکہ اُس کو اس میں رغبت ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر ادا کرے کہ یہ نعمت بڑی ہے جس کی حرص اللہ تعالیٰ کے دوست اور یتیم نے اپنے باپ کے متعلق کی۔ اس پر احسان کرے لیکن اس نے اس کو قبول نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش کی کہ اپنے چچا ابو طالب پر اس کا احسان کرے۔ اس نے بھی قبول نہ کیا۔

دنیا کا سامان تو یہ وہ چیز ہے۔ جو اللہ تعالیٰ ہر کافر و مومن ملحد زندیق نیک بد اور فاسق کو عطا فرماتا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ ذلیل ہیں یہاں تک کہ وہ اس میں ڈوب جاتے ہیں۔ اور اس سامان سے ہر ایک نبی، ولی، صدیق، عالم، عابد کو کم کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی نگاہ میں سب سے بہتر ہیں مخلوق ہیں۔ یہاں تک کہ دنیا کا ٹکڑہ روپیہ کا ٹکڑہ پیسہ اجی بعض دفعہ نصیب نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس نے ان کو اس گندگی سے آلودہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ اگر میں چاہوں تو تم کو زینت دیدوں کہ فرعون کو معلوم ہو جائے جیسا کہ اس کو ملک ہے بلکہ اس کی قدرت اس سے بڑھ کر ہے تو میں ایسا نہیں کرتا ہوں لیکن میں تم دونوں سے دنیا کو پھیر لوں گا وہ اس کو تمہارے نزدیک ناپسندوں کا اور میں اپنے دوستوں سے یہ ہی کرتا ہوں میں ان کو دنیا کی نعمتوں سے اس طرح ہانک دیتا ہوں جس طرح مشفق چرواہا اپنے اونٹوں کو خطرناک جگہوں سے روک دیتا ہے۔ وہ دنیا کے عیش و راحت کو ان سے بہت دور رکھتا ہوں اور یہ اس لیے نہیں کہ وہ میری نگاہ میں ذلیل ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ میری کرامت سے پورا حصہ حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

ولولا ان يكون الناس امة	اور یہ نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی گروہ
واحدة جعلنا لمن يكفر بالرحمن	ہو جائیں گے تو ہم خدا تعالیٰ کا انکار کرنے والوں
لبيوتهم سقفا من فضة ۔ الآية۔	کے مکانوں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے۔

پس دونوں امور میں غور کر اگر تجھے بصیرت حاصل ہے۔ اور کہ تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے کہ جس نے ہم پر اپنے اولیاء و اصفیاء کی نعمتوں سے احسان فرمایا۔ اور اپنے دشمنوں کے فتنہ و جہ سے دور کر دیا تاکہ ہم حمد اکبر اور پورے شکر ادا کریں۔ احسان اور نعمت عظمیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں جو ہمیں اور تمام خلق کو حاصل ہے۔ جو کہ اسلام ہے۔ پس یہ نعمت اس قابل ہے کہ تو اس کی شکر گزاری سے دن رات میں کسی وقت بھی غفلت نہ کرے گر تو اس کے قدر کو پہچاننے سے عاجز ہے تو جان لے کہ اگر تو زبان کی ابتدا ہی میں پیدا کیا جاتا اور اسلام کی نعمت کے شکریہ ادا کرنے میں دل و وقت سے لے کر ہمیشہ تک مصروف رہتا تو اس کا حق ادا نہ کر سکتا بلکہ اس فضل عظیم کے بعض حقوق بھی ادا نہ ہوئے۔

میں کہتا ہوں جاننا چاہیے کہ یہ مقام میری دانست کے مطابق جس میں اس نعمت کا قدر بیان ہوں اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اس کے متعلق ایک کروڑ ورق بھی لکھے جائیں تو پھر بھی بیان علم اس سے زیادہ ہوتا۔ باوجود اس اعتراف کے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ نہ جاننے کے مقابلہ میں ایک قطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیا تو نے سید المرسلین کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا:۔

ما کنت تدری ما الکتاب ولا	نہیں تھا تو جانتا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان
الایمان الی ان قال وکانت ما	کیا چیز ہے یہاں تک کہ فرمایا اور تجھ پر اللہ تعالیٰ کا
لم تکن تعلم وکان فضل اللہ	جو تو نہیں جانتا تھا۔ اور تجھ پر اللہ تعالیٰ کا
علیک عظیما	بڑا فضل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم	بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے
للایمان الآیۃ	تم کو ایمان کی راہ نمائی کی۔

اور کیا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں سنا جب کہ آپ نے ایک آدمی سے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا:۔

الحمد للہ علی الاسلام۔	تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ اس نے
	اسلام کی دولت بخشی۔

تو آپ نے فرمایا تو نے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت پر تعریف کی۔

اور جب یعقوبؑ کے پاس خوشخبری لانے والا آیا تو آپ نے فرمایا تو نے یوسفؑ کو کس دین پر چھوڑا۔ اس نے کہا دین اسلام پر تو آپ نے فرمایا اب نعمت پوری ہو گئی اور رہ گیا ہے کہ اس سے زیادہ کوئی کلمہ اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں اور نہ اس سے زیادہ شکر گزاری میں کوئی کلمہ ہے۔ کہ بندہ کہے تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم پر احسان فرمایا اور دین اسلام کی راہنمائی کی۔

اور اس سے ہوشیار رہنا کہ اسلام کے شکر نہ میں کبھی غفلت نہ کرنا اور اسلام اور معرفت و توفیق اور عصمت کے جس دن پر تو خوش نہ ہو۔ اس سے دھوکہ نہ کھا جانا کیونکہ اس کے باوجود امن اور بخشش کا یہ مقام نہیں ہے کیونکہ تمام امور کا تعلق انجام سے ہے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے۔ جو آدمی اپنے دین پر مطمئن ہو جائے اس نے دین کھو دیا ہے۔ اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تو کافروں کے حال دیکھتا ہے تو ہمیشہ ان میں رہنے سے تو اپنے نفس پر مطمئن نہ ہو کیونکہ معاملہ خطرناک ہے۔ اور تو نہیں جانتا کہ تیرے متعلق غیب میں کیا فیصلہ ہو چکا ہے۔ تو بندے کی صفائی پر مغرور نہ ہو کہ اس کے پیچھے نہایت کڑی آفتیں موجود ہیں اور بعض نے کہا اے عصمت سے دھوکا کھانے والے مردہ اس کے پیچھے طرح طرح کی آفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو طرح طرح کی عصمت سے مزین کیا اور وہ حقیقت میں اس کے نزدیک ملعون تھا۔ اور بلعام کو اپنی ولایت کے نور سے مزین کیا۔ حالانکہ وہ اس کے نزدیک حقیقت میں دشمن تھا۔ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کتنے ہی لوگوں کو احسان کرکے مہلت دی جاتی ہے۔ اور کتنے ہی آدمی پکے قول سے فتنے میں مبتلا ہیں۔ اور کتنے ہی آدمی خدا کی پردہ پوشی سے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ مذکورہ مضمون مصرعی سے پوچھا گیا۔ کہ وہ کونسی خطرناک چیز ہے جس سے بندہ دھوکا کھا جاتا ہے۔ تو اس نے عافیت اور کرامات سے کہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ہم ان کو اس طرح آہستہ آہستہ کھینچ لے ہیں کہ وہ نہیں جانتے۔

اہل معرفت نے کہا کہ ہم ان پر نعمتیں پوری کرتے ہیں اور ان کو شکر ادا کرنا بھلا دیتے ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:۔

اَحْسَنْتَ ظَنِّیْ بِالْاَیَّامِ اِذْ حَسُنَتْ ۔۔۔ وَلَمْ تَخَفْ سُوْءَ مَا یَاْتِیْ بِهِ الْقَدَرُ

وسالتك الليالى فاغتررت بها

وعند صفو الليالى يحدث الكدر

ترجمہ:۔ جب تجھ پر اچھے دن بسر ہوں تو تو ان کو اچھا سمجھتا ہے۔ اور اس کا خوف نہیں رکھتا جو تجھ پر برے دن سے آتی ہے۔ اور تیری راتیں سلامتی سے گزرتی ہیں تو تو اس کو دھوکہ کھا جاتا ہے۔ اور تو ان کی صفائی کے وقت کدورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اور جان لینا چاہیے کہ جب تو بہت زیادہ قریب ہو جائے تو تیرا خاتمہ بہت زیادہ خوفناک اور خطرناک ہے۔ اور تیرا امر بہت زیادہ سخت اور باریک ہے۔ اور تیرا خطرہ بہت بڑا ہے۔ کہ کوئی چیز جب اونچی بلندی پر پہنچ جاتی ہے۔ تو جب وہ نیچے گرتی ہے۔ تو بہت بری طرح سے گرتی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

ما طار طير فارتفع الا كما طار وقع

ترجمہ:۔ جب کوئی پرندہ اڑ کر بلند چلا جاتا ہے تو جس طرح سے اڑتا ہے۔ اسی طرح نیچے آتا ہے۔

تو اس وقت مطمئن ہونے اور شکرانے سے غفلت برتنے اور اپنے نفس کی حفاظت میں عاجزی اور لاچاری کو چھوڑ دینے کا کوئی مقام نہیں ہے۔ ابراہیم بن ادھم فرمایا کرتے تھے ہم کیسے مطمئن ہو سکتے تھے جب کہ ابراہیم خلیلؑ یہ عرض کرتے ہیں:۔

واجنبني وبني ان نعبد الاصنام۔ کہ مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھ۔

اور یوسف صدیق علیہ السلام عرض کرتے ہیں:۔

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا۔ مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر۔

ابو سفیان ثوری ہمیشہ کہتے رہتے یا اللہ بچا لے بچا لے یہ آپ کشتی میں ہیں جس کے غرق ہونے کا اندیشہ ہے۔

اور ہمیں محمد بن یوسف رحمہ اللہ سے روایت پہنچی ہے۔ آپ نے کہا میں نے سفیان ثوری کو ایک رات غور سے دیکھا وہ ساری رات روتے رہے میں نے پوچھا کیا گناہوں پر روتے ہو؟ تو آپ نے ایک تنکہ اٹھایا اور گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے میں اس سے ڈرتا ہوں نہ اللہ مجھ سے سلب نہ چھین لے اور اس سے خدا کی پناہ۔

میں نے بعض عارفین سے سنا ہے۔ کہتے تھے بعض بنی اسرائیل سلام نے اللہ تعالیٰ سے بلعام، ور
اس کے مردود ہونے کا معاملہ پوچھا۔ وہ ان آیات اور کرامات کے جو کیسے مردود ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا
جب چاہا میں نے اس کو دیا تھا جس پر اس نے ساری زندگی جو ایک دن بھی شکر ادا نہ کیا۔ اور ایک دفعہ بھی وہ
میرے شکر پر دلالت دیتا تو میں اس سے نہ چھینتا۔

بس سے ادنیٰ بندے پر اور شکر کے کمی کی بات زیادہ حفاظت کرو دینی نعمتوں پر۔ ان کی حمد بیان
کرو سب نعمتوں سے بڑا نعمت اسلام اور معرفت ہے اور سب سے چھوٹی نعمت تسبیح کہنے کی توفیق یا بے قصد
بات کرنے پر ہیز ہے۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کرے۔ اور زبان کی رواہٹ میں
تجھے مبتلا نہ کرے کہ سب سے زیادہ تجھ پر سب سے زیادہ مشکل عزت کے بعد ذلت اور قرب کے بعد بُعد
اور وصال کے بعد فراق ہے۔ اور شقاوت زدہ پر شقاوت اور بدبختی ہے۔

فصل:

جس شخص پر اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے احسانات اور بڑی بڑی نعمتوں کا دروازہ کھولا
اور جن پر دل فکر بھی نہیں پہنچ سکتا اور تیز نہیں ان کا ادراک نہیں کر سکتا یہاں تک کہ تو نے ان نعمتوں
کا پتہ چھوڑ دیا اور علوم اور بصیرتوں کو پا لیا۔ اور بڑے گناہوں کے بوجھ سے پاک ہو گیا۔ اور
معرفت سے آشنا ہو گیا۔ اور اس کو رضامندی اور بڑی بڑی نعمتوں سے سعادت کے آثار اور اللہ کی
نعمتوں پر فائز ہو گیا۔ تو کتنی ہی ثابت حسنات اور بلند رتبے تجھ کو حاصل ہو گئے کہ جن کی ابتدا بصیرت
اور پہچان سے ہوئی تھی ان کی انتہا قرب اور رضا پر ہوئی پھر تو اس میں اپنے عقل کی مقدار اور توفیق کے
مطابق غور کرے گا اور اپنی ہمت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے گا تو تیری زبان اس کی حمد اور ثناء
میں مشغول ہو جائے گی اور تیرا دل اس کی محبت اور شوق سے بھر جائے گا اور تو ایسے مقام پر پہنچ جائے گا
جو تیرے اور تیرے غیر کے درمیان حائل ہو جائے گا اور تجھے اس کی خدمت پر تیری ہمت کے مطابق
آمادہ کرے گا اور اس کے احکام اور احسان کا حق ادا کرنے سے اپنی طاقت کے مطابق کوتاہی کا اقرار کرنے پر
اُبھارے گا اور جب تو اس کے شکر سے غافل ہو جائے یا خاموش ہو جائے یا پھسل جائے تو تو اس کی طرف
تضرع اور زاری کرے گا اور کوشش کرے گا اور وسیلہ تلاش کرے گا اور کہے گا اے میرے مالک جس
طرح تو نے بغیر کسی استحقاق کے محض اپنے فضل سے احسان کی ابتدا کی تھی اسی طرح بغیر کسی استحقاق کے

اپنے فضل سے اسی کو انتہا تک پہنچایا۔ اور اُس کو اُس کے اولیاء کی زبان میں پکارا کہ جنہوں نے اس کی معرفت کا تاج پایا اور اُس کی معرفت کی حلاوت چکھی پھر بھی وہ اپنے اوپر ہانک دینے اور بانٹ کی جنہ اور بعد کی وحشت اور معزولی اور زوال کی کراہٹ سے ڈرتے رہے۔ وہ دور سے پر فریاد کرتے ہوئے روتے اور عاجزی کرتے ہوئے اُسی کی طرف ہاتھ پھیلاتے رہے۔ اور اپنی خلوتوں میں پہنچ پہنچ کر یہ کہتے:۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا	اے ہمارے رب ہدایت دینے کے بعد ہمارے
وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً	دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنی بارگاہ سے رحمت
اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔	عطا فرما بیشک تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم نے تجھ سے نعمت وصول کی اور دوسری نعمت کے ہم امیدوار ہیں کہ تو ہی سخی اور عطا کرنے والا ہے۔ پھر جس طرح تو نے ہمیں انعام کی فضیلت ابتدا میں بخشی ہے۔ اسی طرح انجام کی رحمت انتہا میں عطا فرما۔ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ سب سے پہلی دعا جو اللہ رب العالمین نے اپنے مسلمان بندوں کو سکھائی ہے جس کو اللہ نے اپنی مخلوق کے لیے انتخاب فرمایا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔	ہمیں سیدھا راستہ انعام والا دکھا۔

یعنی ہمیں ہمیشہ اس پر ثابت قدم رکھ اسی طرح ہم بھی اس کی جناب میں التجا کرتے ہیں کہ معاملہ بہت عظیم ہے۔

کہا گیا ہے کہ حکماء نے غور کیا تو انسان کی تمام مصیبتوں اور محنتوں کو پانچ چیزوں میں پایا مسافری میں بیماری۔ بڑھاپا میں فقیری۔ جوانی میں موت۔ اور دیکھنے کے بعد اندھا ہونا۔ اور معرفت کے بعد جہالت ہو جانا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر کسی کا یہ قول ہے:۔

لِكُلِّ شَيْءٍ اِذَا فَارَقْتَهُ عِوَضٌ	وَلَيْسَ لِلّٰهِ اِنْ فَارَقْتَ مِنْ عِوَضٍ

ترجمہ: ہر چیز کا کوئی نہ کوئی عوض ہے جس کو تو چھوڑ دیا جائے لیکن اللہ کو چھوڑنے کا اس کا کوئی عوض نہیں۔

اور کسی اور نے کہا ہے:۔

اذا اضف الدین علی امرء دینہ فمزقتہ منہا فلیس بمنکر

ترجمہ: جب دین کسی شخص کا دین جواب نہ کر سکے تو وہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے

دینے والا نہیں ہے۔

اور اس طرح ہر ایک نعمت کا معاملہ ہے۔ جیسا وہ تجھ کو انعام فرمائے ویسا ہی تجھ سے

کمال کے قطع کرنے میں نہ تأمل کرے۔ اس طرح ہے شکر جو اس نے تجھے دیا ہے تا ہمیشہ رکھے تجھ

تجھ پر بخشش سے بھی زیادہ دے پھر جب تو اس کی طرف سے پھر جائے تو وہ تجھ سے اس طرح

تو نے دی نعمت پیچھے تجھ سے حاصل کر لیتا ہے جو کہ شکر سے زیادہ ہیں۔ پھر موجودہ نعمتیں جو اس نے تجھے

عطا کیں ہیں ہاں ہمیشہ رہیں گی تجھ سے زوال کے خطرہ سے۔ اور جو نعمتیں تجھے اس نے عطا نہیں کیں

وہ تجھے عطا فرمائے گا۔ جب تک تو ان کو بھی طرح مانگتا رہے گا۔ اور جب تک تو اپنی ذات

پر تکیہ نہ کرے اور اس وقت تو اس کو جانے گا جو بادشاہ ہے دین کے مالک ہے تو

توبہ کرنے والے پاک نفوس دنیا سے بے رغبت اور خدا کی رحمت کے لیے لپک جانے والے نیک لوگ

کو مخلوب کرنے والے دل اور اعضاء سے اور ہر طرح تفویض قبول کرنے والے عبودیت بجا لانے والے

ناصح بن خشوع اور تواضع کرنے والے توکل کرنے والے پیدا کرنے والے خدا کے سپرد کرنے والے راضی برضا صبر

کرنے والے شکر کرنے والے مہربانی کرنے والے نیکی سے ہاتھ روکنے والے اور اپنے مالک

رب العالمین کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے ہیں۔ پھر تو اس کے بعد ان لوگوں سے ہو جائے گا جن پر قائم ہے

وہ معزز اور صدیق ہیں ان کے مقام میں خدا کرے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

پھر اگر تو کہے۔ کہ معاملہ اس طرح کا ہے تو پس معبودی عبادت کرنے والے اس مقصود پر

پہنچنے والے بہت تھوڑے لوگ ہوں گے۔ کیونکہ اکثر لوگ مشقتوں کی حالت کو کاٹنے والے اور کون ان

شرائط اور سنتوں کو پورا کر سکتا ہے۔ تو معلوم ہونا چاہیے۔ خداوند تعالیٰ بھی ایسا ہی فرماتے ہیں:۔

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۔ اور میرے تھوڑے بندے شکر کرنے والے ہیں

اور فرمایا:۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے

لَا يَعْقِلُوْنَ۔ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ نہیں جانتے۔

پھر یہ معاملہ اُس آدمی پر نہایت آسان ہے جس پر اللہ آسان کر دے۔ بندے سے ہدایت نہیں ہوتی

اور اللہ سبحانہٗ کے ذمہ ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

جو ہم میں ہو کر کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنے راستوں کی راہنمائی کریں گے۔

اور جب تک کہ بندہ اپنے فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو رب قدیر فیض و رحیم اس

رحیم کے متعلق تم کیا خیال کرتے ہو۔

پھر اگر تو کسے یہ تصور کرتی ہے۔ اور یہ گھاٹیاں بڑی صعب اور سخت ہیں پھر میں کس طرح باقی رہ سکتی

کہ یہ تمام شرائط پوری ہو سکیں۔ اور یہ گھاٹیاں سطے کی جا سکیں۔ تو مجھے اپنی عمر کی قسم یہ گھاٹیاں واقعی بڑی

صعب ہیں اور ان کی شرائط بھی بڑی سخت ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو منتخب کر لیتے ہیں تو

یہ مہم اس پر آسان ہو جاتی ہے۔ اور یہ سختیاں اس پر آسان ہو جاتی ہیں۔ یہ نکتہ بندہ کو ذہن نشین کرنے

کے بعد کہتا ہے کہ یہ راہ کتنی قریب ہے۔ کتنی سہل ہے۔ کتنی آسان اور ہموار ہے۔ اور جب وہ یہ

کھڑا تھا تو میں نے یہ شعر کہا تھا:۔

علم الحجلة واضحة لمريده ... وذوى القلوب عن الحجة في عمى

ولقد عجبت لها ونحن وثيقة ... موجودة ولقد عجبت من نجا

ترجمہ: سیدھے راستے کا علم اس بندے کو ہے جو اس کے لئے صحیح ہے۔ اور دل والے دلیل کے بارے میں

راستے سے اندھے ہیں۔ اور میں نے تعجب کیا ہلاک ہونے والے پر جبکہ ہم اس کے لئے مضبوط موجود تھے اور

نے نجات پانے والے پر بھی تعجب کیا۔

یہاں تک کہ بعض ایسے لوگ ہیں جن کو ان گھاٹیوں کو طے کرنے میں ستر سال لگتے ہیں اور بعض ایسے ہیں

جن کو دس سال لگتے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ جن کو یہ ایک سال میں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اور بعض ان کو ایک مہینہ میں طے

کر لیتے ہیں بلکہ یک بیک جملے میں۔ بلکہ ایک ساعت میں یہاں تک کہ بعض کو خدا وند تعالیٰ کی خاص توفیق اور عنایت

سے ایک لحظہ میں حاصل ہو جاتی ہیں۔

کیا تو اصحاب کہف کا وہ قصہ یاد نہیں کرتا کہ ان کی مدت کتنی محققہ تھی جب انہوں نے بادشاہ

دقیانوس کے چہرے میں تغیر دیکھا تو کہا:۔

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا

کہنے لگے ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں و زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی معبود کو بھی نہ پکاریں گے۔

اُن کو یہ معرفت حاصل ہوئی اور اس راہ کے حقائق غموں نے ملاحظہ کیے اور اس راہ کو سوچ کر کیا تو وہ اپنا معاملہ اللہ کو سپرد کرنے والے اس پر بھروسہ رکھنے والے اور اس راہ پر قائم رہنے والے بن گئے جبکہ انہوں نے کہا:۔

فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ۔

تو غار میں جمع ہو جاؤ تمہارا رب تم پر رحمت پھیلا دے گا۔

اور یہ سب کچھ ان کو ایک ساعت یا ایک لحظہ میں حاصل ہو گیا۔

کیا تمہیں فرعون کے جادوگروں کا واقعہ یاد نہیں کہ ان کو مدت ایک لحظہ میں ملی جب انہوں نے موسیٰؑ کا معجزہ دیکھا تو:۔

وَاٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ۔

کہنے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔

انہوں نے ایک ہی لحظہ میں اس راہ کو دیکھ اور رستے طے کر لئے اور خدا تعالیٰ کو پہچان لیا وہ اس کی تقدیر پر راضی رہنے والوں اور اس کی مصیبتوں پر صبر کرنے والوں اور اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والوں اور اس کی ملاقات کا شوق رکھنے والوں سے ہو گئے اور پکار اٹھے:۔

لَاِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ۔

کوئی پرواہ نہیں ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں۔

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم بن ادہم دنیا میں ایک بادشاہ تھے۔ انہوں نے بادشاہی چھوڑ دی اور اس راہ کا قصد کیا ان کے لیے یہ راہ اتنی ہی ثابت ہوئی جتنی دیر میں وہ بلخ سے مرو تک جاتے تھے یہاں تک کہ وہ اس مقام پر پہنچے کہ ایک آدمی پہل پہلے بہت کھرے پانی میں کر رہا ہے انہوں نے اشارہ کر کے کہا ٹھہر جا تو وہ آدمی ہوا ہی میں معلق ٹھہر گیا اور پانی سے ہٹ گیا۔

اور رابعہ بصری ایک بوڑھی لونڈی تھی جس کو بصرہ کے بازاروں میں گھمایا جاتا تھا وہ بوڑھی ہونے

کی وجہ سے اِس کو کوئی نہ خریدتا یک سودا کر لو اُس پر رحم آیا اُس نے اُس کو سو درہم سے خرید کر لیا۔ پھر اُس نے یہ بات مشہور کرا دیا۔ وہ عبادت پر متوجہ ہوئی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ بڑے بڑے زاہد قاری اور علماء لوگ اُس کے مرتبہ بلند کی وجہ سے اُس کی زیارت کرنے لگے۔

اور جس آدمی کو خداوند تعالیٰ کی عنایت شامل ہو اور اُس پر فضل و ہدایت کا ہاتھ رکھ دیتا ہے تو اسے اُس کے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ پھر بسا اوقات وہ ایک ہی گھاٹی کی کسی وادی میں ستر سال تک پڑا رہتا ہے۔ اور اُسے لے نہیں کر پاتا اور کتنی دفعہ چیخ چیخ کہتا ہے کہ یہ راہ کتنی تدبیروں کتنی محنت سے ہے۔ اور یہ معاملہ کتنا تنگ و دشوار ہے۔ پس حالت ایک ہی نقطہ کی طرف لوٹتی ہے۔ وہ ہے غالب جاننے والا عادل اور حکیم کی تقدیر۔

پھر اگر تو یہ سوال کرے کہ اُس کو توفیق خاص سے کیوں نوازا گیا۔ اور اس کو کیوں محروم کیا گیا۔ حالانکہ یہ دونوں مشترکہ طور پر خدا کی بندگی میں لگے ہوئے ہیں۔ تو اس سوال پر خداوند تعالیٰ کے جلال کے پردوں سے آواز آئی ہے کہ ادب محو نظر کیسہ و ریبت کے دوسرے دو پہلو میں ربوبیت کی حقیقت معلوم کر لو۔ وہ:-

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝

جو کچھ وہ کرتا ہے اُس سے نہیں پوچھا جاتا اور باقی سب لوگ پوچھے جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں دنیا میں اس راہ کی مثال آخرت میں پڑنے والی گھاٹیوں اور مسافروں کے اس کو طے کرنے کی ہے۔ کہ مخلوق کے تمام درجات مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض پر لگا کہ اس طرح چمکنے والی بجلی اور بعض پر تند آندھی کی طرح اور بعض تیز رفتار گھوڑے کی مثل۔ اور کچھ پیدل کی طرح کچھ پیدل چلتے ہوئے کچھ گھسٹتے ہوئے یہاں تک کہ وہ کیڑے کی طرح رینگنے کے اور کچھ اس کی آواز بھی نہیں سنیں گے اور کچھ اس کے آثار میں کرنے ہوں گے اور کچھ جہنم میں پھینک دیے جائیں گے۔ اس راہ کا دنیا میں چلنے مسافروں کے ساتھ ہے۔ پس یہ دونوں راستے ہیں ایک دنیا کا راستہ اور دوسرا آخرت کا راستہ تو نفس کا راستہ ہے۔ کہ وہ اس کی ہولناکیاں آنکھوں سے دیکھیں گے اور دنیا کا راستہ دلوں کا راستہ ہے۔ اس کی ہولناکیاں بصیرت اور عقل والے دیکھتے ہیں۔ اور آخرت میں ٹھہرنے والوں کے حالات مختلف ہوں گے کیونکہ دنیا میں بھی ان کے حالات مختلف ہوں گے پس اس پر پوری طرح

[illegible]

فصل:

[illegible] ہے کہ جو کچھ اس باب میں مذکور ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ یہ [illegible] ہوتے ہیں اُن [illegible] ہیں۔ جن [illegible] سے کرتے ہیں۔ پھر نفس کی قوت اور اُس کے ضعف کے [illegible] ہیں۔ بلکہ یہ [illegible] سے کرتے ہیں۔ پھر [illegible] کرتے ہیں۔ پھر [illegible] کرتے ہیں۔ اور [illegible] ہے۔ جو [illegible] بندے کے دل پر پڑتے ہیں۔ کہ [illegible] کے ساتھ [illegible] ہے۔ پھر یہ [illegible] بندہ [illegible] تک [illegible] رہتا ہے۔ اور [illegible] کا کوئی خیال [illegible] ہے۔ اور [illegible] کے [illegible] ہے۔ اور [illegible] ہے۔ اور [illegible] ہے۔ اور

اور اسی لیے سید المرسلینؐ نے فرمایا:۔

لو علمتم ما اعلم لبکیتم کثیرا ولضحکتم قلیلا۔ اگر تم وہ کچھ جانوں جو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روؤ اور تھوڑا ہنسو۔

اور وہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آواز دینے والا آسمان سے آواز دیتا ہے کہ کوئی نہ پیدا ہوتی۔ اور اگر پیدا ہوئی تھی تو اپنی پیدائش کے مقصد کو سمجھتی اور جب مقصد کو سمجھ لیا تو کاش اس کے مطابق عمل کرتی اور سلف صالحین بھی اسی طرح کہا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا میں پسند کرتا ہوں کہ میں کوئی گھاس ہوتا کہ جانور مجھے کھا جاتے اور میں عذاب کے خوف سے فرماتے اور عمر فاروقؓ نے ایک آدمی کو سنا وہ تلاوت کر رہا تھا۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۔ کہ انسان پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے جب وہ کوئی چیز یعنی ذکر کے قابل بھی نہ تھا۔

تو آپ نے فرمایا کاش معاملہ وہیں ختم ہو جاتا۔

اور ابو عبیدہ بن جراحؓ نے فرمایا میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے گھر والوں کا مینڈھا ہوتا میرے گوشت لوگوں میں تقسیم ہو جاتا اور میرا شوربہ لوگ پی جاتے۔ اور میں قیامت کو دوبارہ پیدا نہ ہوتا۔

اور وہب بن منبہ نے فرمایا آدم کا بیٹا جنتی پیدا ہوا ہے۔ اگر یہ جنتی نہ ہوتا تو دنیا میں اس کی زندگی بھی خوشگوار نہ ہو سکتی۔

اور فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا میں کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل اور بندہ صالح پر رشک نہیں کرتا کیا قیامت کے روز ان پر حساب نہیں کیا جائے گا۔ میں تو صرف اُن پر رشک کرتا ہوں جو پیدا نہیں ہوئے۔

عطاء سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر آگ جلا دی جائے اور کہا جائے کہ جو آدمی اپنے آپ کو اس میں ڈال دے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ تو مجھے ڈر ہے کہ میں کل تک پہنچنے سے پہلے ہی خوشی کی وجہ سے مر جاؤں گا۔

تو معاملہ اے انسان واقعی بڑا سخت ہے۔ جیسا کہ تو نے کہا ہے۔ بلکہ وہ تیرے وہم و گمان سے بھی بہت زیادہ سخت اور عظیم ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو تقدیر میں ازل سے نافذ ہو چکا ہے اور

غرب جھگڑنے والے کی تدبیر نے اس کو جہاری کیا ہے۔ تو اب بننے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا وہ
خدا تعالیٰ کی خدائی اور ستر تعالیٰ کی رسی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عاجزی درزی سے قطع کر چکا ہے کہ اللہ
تعالیٰ اس پر رحم کرے اور اپنے فضل سے اس پر رحم کرے۔

باقی رہا یہ مسئلہ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ تو یہ ایک ایسا کلام ہے کہ جو تیری عظیم عقلت پر دلالت
کرتا ہے بلکہ درست یہ تھا کہ تو کہتا کہ تو کچھ نہیں جانتا ہے اس کے متعلق جسے میں اس کی حقیقت کیا ہے۔
کیا تھے معلوم ہے کہ یہ مزدور بندہ کیا چاہتا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ
سلامت رہے۔ اور دوسری یہ کہ دونوں جہانوں میں بادشاہی کرے۔ سب دنیاؤں سے بڑھ کر اس طرح ہے کہ
دنیا اور اس کی تمام نعمتیں اس قصے اور حقیقت کے پیدا ہونے سے اس طرح گئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر نہیں ہیں
نہیں ہو سکتے بلکہ تو نے دیکھا ہے کہ اس کا واقعہ سنا ہوگا۔ یہ بات تم بیان کرتے ہیں کہ جب بندے
کی روح آسمان پر لے جائی جاتی ہے تو آسمانوں کے فرشتے تعجب سے کہتے ہیں کہ یہ اس دنیا سے آیا
ہے کہ جہاں ہمارے بہترین فرشتے بھی تباہ ہو گئے ہیں اور آخرت کی ہوا تک کیوں اور سختیوں میں اس
طرح کی جب سے یہ بندہ اور رسول بھی پہنچ گئے ہیں۔

نَفْسِیْ نَفْسِیْ لَا اَسْئَلُكَ الْيَوْمَ — اپنی اپنی پڑی ہے کسی سے کچھ نہیں کہتا

اِلَّا نَفْسِیْ — اپنی جان کی امان چاہتا ہوں۔

یہاں تک بیان کیا جا چکا ہے کہ ترقی دنیا کے پاس ستر بیماریوں سے علاج بھی ہوں تو وہ بھی بیکار ہے
کہ نجات مشکل ہے۔ پھر جو دنیا کے فتنوں سے محفوظ رہتے ہوئے تو اسے چاہیئے وہ اس کو اپنے
ہمزہ سے رکھے اس معنی کے ساتھ جیسے کہ اسے کوئی مصیبت نہ پہنچے گی۔ اور آخرت کے ہولناک
منظر سے بچ کر جنت میں اس معنی کے ساتھ داخل ہو جائے کہ اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ سب سوال
کہ یہ معمولی کام ہے؟

اور باقی رہی حکومت اور کرامت تو حکومت یہ ہے کہ انسان کا تصرف اور تسلط نفس اور
حقیقت میں دنیا میں تو خدا تعالیٰ کے دوستوں اور اس کے برگزیدہ بندوں اس کی تدبیر پر ایمان لانے
والوں کے لیے ہے کہ جنگل اور سمندر اور زمین ان کے لیے یک ہی قدم ہے۔ اور پتھر اور مٹی اس کے
لیے سونا ہیں اور جن اور انسان اور پرندے اس کے تابع ہیں۔ وہ جو کچھ بھی پڑھتے ہیں ہوتا

ہے۔ لیکن وہ وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہے وہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ کسی مخلوق سے نہیں ڈرتے۔ وہ ان سے تمام مخلوق ڈرتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی غلامی نہیں کرتے۔ وہ کائنات کی ہر چیز ان کی غلامی کرتی ہے۔ اور دنیا کے بادشاہوں کو اس رتبہ کا حشر عشیر بھی کہاں نصیب ہے۔ بلکہ وہ بہت تھوڑے اور بہت ذلیل ہیں۔

باقی رہی آخرت کی بادشاہی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب تو وہاں دیکھے گا تو ایک بڑی نعمت اور نعمتیں دیکھے گا اور جس کو رب العزت ملک کبیر فرمائیں اس کی عظمت کا اندازہ کرو۔ یہ تو قرآن نے کہہ دیا کہ دنیا ساری کی ساری تھوڑی ہے۔ اور اس کی بنا سے لے کر انتہا تک ساری عمر بھی بہت تھوڑی ہے اور ہم میں سے کسی ایک آدمی کا حصہ اس تھوڑے میں سے تھوڑا ہے۔ اور پھر بھی ہم میں سے بعض آدمی اس کو حاصل کرنے کے لیے اپنا مال اور جان قربان کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات اس کو تھوڑے سے تھوڑا حاصل کر لیتے ہیں اور پھر اس کی مدت بھی تھوڑی ہوتی ہے۔ اور کسی سے حاصل ہو جانے والے کو اس کو مسرور سمجھتے ہیں بلکہ اس پر رشک کرتے ہیں۔ اور جو کچھ اس نے اس کے حاصل کرنے میں اپنی جان اور مال کو خرچ کیا ہے۔ اس کو زیادہ نہیں سمجھتا۔ جیسا کہ امرء القیس نے کہا:۔

بکی صاحبی لما رأی الجد عازباً ... وأیقن أنا لاحقان بقیصرا

فقلت لہ لا تبک عینک إنما ... نحاول ملکاً أو نموت فنعذرا

ترجمہ:۔ میرے ساتھی نے جب مجھے پختہ ارادے کا دیکھا اور اس نے یقین کر لیا کہ ہم قیصر سے ملک حاصل کرنے والے ہیں تو میں نے اس سے کہا تیری آنکھیں نہ روئیں ہم یا تو حکومت حاصل کریں گے یا مر جائیں گے تو دنیا میں معذور سمجھے گی۔

پھر اس آدمی کا یہ حال ہوتا ہے جو ہمیشہ رہنے والی جنت میں بہت بڑی حکومت چاہتا ہے۔ یہ اس کے مقابلہ میں ان دو رکعتوں کو جو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھتا ہے۔ یا زکوٰۃ جو ہم خرچ کرتے ہیں یا دوسرے نیک کاموں کو جو ہم کرتے ہیں ان کو کافی سمجھتا ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں بلکہ اس کے پاس ایک کروڑ یعنی جتنی بھی دنیا ہے اس سے بھی زیادہ دنیا ہو اور ہر عمر دنیا کی عمر کے برابر ہو اس سے بھی زیادہ ہو اور اس مقصد عزیز کے لیے ان تمام کو خرچ کر ڈالے تو بھی یہ بہت تھوڑا ہے۔ اس کے لیے بھی وہ اپنے مقصد پر پہنچ جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے فضل عظیم اور نعمت بڑی ہوگی۔

سوئے مسکین کی غفلت کی نیند سے بیدار ہوتے ہیں تو غور کرتے ہیں کہ مذہب، تصوف کی حقیقت کیا ہے۔ وہ اس کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی عمر کچھ اسی رستے پر چلتے رہنا چاہتے ہیں تو یہ بھی ستر کی کوئی نہایت فرسودہ سی روایت ہے۔ یہ لوگ ذرا مختلف ہیں۔ یہ تبدیلی کے قائل ہیں۔ وہ ہمیشہ ایک ہی جگہ پر نہیں رہتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی زندگی نہیں گزارتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں سے نہیں ملتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی باتیں نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے کام نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی زندگی نہیں گزارتے۔

وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں سے نہیں ملتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی باتیں نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے کام نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی زندگی نہیں گزارتے۔

رب العالمین کی محبت کیسی ہوگی۔

وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں سے نہیں ملتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی باتیں نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے کام نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی زندگی نہیں گزارتے۔

وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں سے نہیں ملتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی باتیں نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے کام نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی زندگی نہیں گزارتے۔

رزق کو اُس کی طرف لاتے رہتے ہیں۔

وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں سے نہیں ملتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی باتیں نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے کام نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی زندگی نہیں گزارتے۔

کو اُس سے رو کنار بتاتا ہے۔

وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں سے نہیں ملتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی باتیں نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے کام نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی زندگی نہیں گزارتے۔

تبدل اور تغیر کا اُسے خوف ہوتا ہے۔

وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں سے نہیں ملتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی باتیں نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے کام نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی زندگی نہیں گزارتے۔

وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں سے نہیں ملتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی باتیں نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے کام نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے لوگوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی طرح کی زندگی نہیں گزارتے۔

دسویں دلیل کا خلاصہ دنیا کے ہر غنی سے زیادہ غنی ہوتا ہے۔ ہمیشہ ہر نفس اور فرد کی سینہ

رہتا ہے۔ اسے کوئی ذرہ بھر بھی نہیں ملتا اور نہ ہی کچھ کہ ہوتا ہے نہ ہوتا ہے۔

اور یہ دسویں دلیل کا خلاصہ ہے۔ ہر بندے کے ساتھ علیحدہ علیحدہ حکمتوں کے ساتھ ہوتا

ہے۔ کسی میں سے بعض کی حاجت اور ضرورت اور خواہش کے ساتھ ہوتی ہے۔

اور بارھویں دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام حیوانات، پرندوں جیسا کہ وہ ہیں

سے دل تنگ نہیں ہوتا۔

اور تیرھویں دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بچوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے کہ سب نیک و بد اس کا احترام

کرتے ہیں اور ہر فرد ان دعاؤں سے غافل نہ ہے۔

اور چودھویں دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام اس کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دیتے ہیں۔ تمام دل

اس کی محبت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ تمام دل اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔

اور پندرھویں دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے تمام دل نفس یا فعل یا پڑوسی مکان غرض ہر چیز سے

پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ لوگ اس مٹی سے متبرک لیتے ہیں جو اس کے پاؤں کے نیچے آئی ہے۔ اور اس

جگہ کو جہاں وہ کسی دن بیٹھا ہو۔ اور اس لکڑی سے جس نے اس کو دبایا ہو۔ اس کے ساتھ بھی

صحبت رکھی ہو۔

اور سولھویں دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام دل اس کی طرف سے ہر طرح سے تسلی پاتے ہیں

ہیں آتا ہے پانی پر چلتا ہے۔ یہ ساری زمین و آسمان کی مخلوق اس کی تابع ہے۔

اور سترھویں دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام حیوانات کی فطرت ہے کہ وہ درندے ہوں یا وحشی

چرند و پرند ہوں اس سے محبت رکھتے ہیں اور اس سے پیار کرتے ہیں۔

اور اٹھارھویں دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جب بھی وہ کسی زمین پر ہاتھ رکھتا ہے

تو اسے خزانے مل جاتے ہیں۔ جب اپنے پاؤں زمین پر مارتا ہے تو فوراً وقت پانی

کے چشمے بہنے لگتے ہیں۔ وہ جہاں بھی تھوکتا ہے۔ اس کے وہ وہ دوائیں بن جاتا ہے۔

اور انیسویں دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت کے دوسرے پیروکار اور ان کے

کی بارگاہ میں اس کی خدمت کر کے وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ اور اس کی وجاہت اور برکت

سے لوگ محبت نہیں کرتے ہیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں عزت دیتا ہے اور اس کی سفارش کرتا ہے تو اس کی سفارش قبول ہوتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہے تو وہ جس طرح بھی چاہے اس کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ [illegible] کی معرفت اشارہ کرے تو وہ بھی پورا ہو جاتا ہے [illegible] ان کے ہاتھ میں کسی چیز کا خیال آ جاتا ہے تو وہ ضائع نہیں ہوتی ہے۔ دوسرا ہاتھ سے اشارہ کرنے تک بھی ضائع نہیں ہوتا۔

یہ کرامات خود ہی ہیں [illegible]

تیسری یہ ہے کہ [illegible] ہیبت سے [illegible] دیتے ہیں۔ [illegible] سے [illegible] کیا [illegible] کرامات خود ہی [illegible] ان کے [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible] نے فرمایا:۔

[illegible] [illegible]

[illegible]

اور تیسری یہ ہے کہ [illegible] ہیبت [illegible] ہیں [illegible] نے فرمایا:۔

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

اور تیسری یہ ہے کہ [illegible] اور [illegible] ہیں [illegible] نے فرمایا:۔

لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ وَبَشِّرْهُ — یہ کہ نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اس

بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۔

جنت کی بشارت حاصل کرو جس کا تم وعدہ کیے جاتے تھے۔

اور آخرت کی آئندہ ہولناکیوں سے خوف نہیں کھاتا۔ اور دنیا میں جو کچھ چھوڑ کر جاتا ہے اس کا اُسے غم نہیں ہوتا۔

اور چھبیسویں جنتوں میں ہمیشہ کی رہائش اور خدا تعالیٰ کی ہمسائیگی ہے۔

اور پچیسویں پاکیزگی میں اُس کے روح کی جلوت ہے آسمان اور زمین کے فرشتوں پر وہ عزت اور احترام سے اٹھایا جاتا ہے۔ اور اُس کے بدن کو ظاہر میں جنازے کی تنظیم حاصل ہوتی ہے اس پر جنازہ کی نماز کے لیے لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ اُس کی تجہیز و تکفین میں لوگ جلدی کرتے ہیں۔ اور اس کو بہت بڑا ثواب سمجھتے ہیں اور بہت بڑی نعمت جانتے ہیں۔

اور چوبیسویں قبر کے سوال و جواب کے فتنہ سے امن ہے کہ وہ اس بیان سے مطمئن رہتا ہے۔ اور اُسے صحیح جواب کا القا ہوتا ہے۔

اور ستائیسویں قبر کی فراخی اور اُس کی روشنی ہے۔ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں قیامت کے دن تک رہتا ہے۔

اور اٹھائیسویں اُس کے روح اور جان کا مانوس ہونا اور معزز ہونا ہے۔ اُسے سبز پرندوں کے جسم میں رکھ دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے نیک بھائیوں کے ساتھ رہتا ہے۔ اور جو کچھ اُن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بخشا ہے اُس پر خوش رہتے ہیں۔

اور انتیسویں عزت و کرامت کے ساتھ اُس کا حشر ہے۔ کہ اُس کو جنت کی خلعت و تاج پہنایا جائے گا اور بُراق پر سوار ہوگا۔

اور تیسویں چہرہ کا منور اور روشن ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔

کئی چہرے اُس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔

اور فرمایا:۔

وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۔

کتنے چہرے اس دن روشن ہوں گے ہنستے ہوئے خوش۔

اور اکتیسویں قیامت کی ہولناکیوں سے امن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اَمِنَ يَّاْتِيْ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔

قیامت کے دن امن سے آنے والا

حالت میں۔

اور بتیسویں دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال کا ملنا ہے

جنہیں حساب و کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔

اور تینتیسویں حساب کی آسانی ہے

اور تینتیسویں

لیے کھڑا نہیں کیا جائے گا۔

اور پینتیسویں

اور اس کے جد

اور چھتیسویں

اس کی نہ

لیے آگ بجھ جائے گی۔

اور سینتیسویں قیامت کے میدان میں

اور اڑتیسویں جنت میں ہمیشہ کا ملک۔

اور انتالیسویں

اور چالیسویں

معبود برحق ہے۔

پندرہ

میرا علم نہایت ناقص

کیا ہے۔ اور ان کو حصوں اور اجمالاً ذکر کر دیا ہے۔ اور کہیں ان میں سے بعض کی تفصیل بیان کر دی ہے اس کی متعلق نہ ہو سکتی لیا تو خوف نہیں کرتا کہ میں نے ہمیشہ کے ملک کریم ہی نعمت شمار کیا ہے اس کو تفصیل سے بیان کرتا تو یہی چالیس خلقتوں سے زیادہ ہو جاتی۔ جیسے کہ قرآن مجید وغیرہ کی تفصیل پھر ان میں سے ہر ایک ایسی تفصیل پر مشتمل ہے جن و غیب اور روحانیت کی ہی جانتا ہے۔ کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور ان کا مالک ہے۔ اور ہمیں ان کی معرفت کی توقع ہو سکتی ہے۔ جبکہ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم — کوئی جان نہیں جانتا جو ان کے لیے

مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ۔ آنکھوں کی ٹھنڈک سے پوشیدہ رکھا ہے۔

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

خَيْرٌ فِيهَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ — کہ اس میں وہ چیزیں ہیں جو کسی

وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور

قَلْبِ بَشَرٍ۔ نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خیال گزرا ہے۔

اور مفسرین اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق کہتے ہیں:۔

لَتَنْفَدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ — کہ اس سے پہلے کہ سمندر ختم ہو جائیں

كَلِمَاتُ رَبِّي۔ رب کے کلمات ختم ہوں۔

کہ یہ وہ کلمات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی جنت کے لیے جنت میں لطف اور مہربانی سے بیان فرمائے جس کی یہ کیفیت ہو تو ہم اس کے ہزارویں حصے کو بھی بیان نہیں کر سکتے ہیں ہم انسان ہیں ہم سے مخلوق کیونکر بیان کر سکتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ ہمیں جواب دینے چاہئیں اور حقوق ان کو سمجھنے چاہئیں اور حق یہ ہے کہ کسی طرح ہونا چاہیئے اور وہ طالب جاننے والے کی اس کے فضل عظیم کے شکر سے متعلق اور اس کی قدیم سخاوت کے موافق ایک جذبہ شعور اس مطلوب عظیم کے لیے عمل رکھنے والے کو عمل کرنا چاہیئے اور کوشش کرنے والوں کو اپنی کوشش خرچ کرنی چاہیئے اور جاننا چاہیئے کہ سب کچھ اس چیز کے مقابلے میں ہدایت قلیل ہے۔ جس کے وہ حقدار ہیں اور جس کو اس نے پیدا کیا ہے اور جس کو مانگنے کے لیے وہ دست سوال دراز کرتے ہیں۔ عدم ہونا چاہیئے۔ جب

چار چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ علم۔ عمل۔ اخلاص اور خوف۔ پہلی کے ساتھ وہ راستے کو معلوم کرے گا ورنہ وہ ایک اندھا ہے۔ پھر ان کے مطابق عمل کرے گا ورنہ وہ روک دیا جائے گا۔ پھر عمل کو خالص کرے گا ورنہ وہ نقصان اٹھائے گا۔ پھر وہ ہمیشہ آفات سے ڈرتا رہے گا یہاں تک کہ وہ امان حاصل کرے ورنہ وہ دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔

ذوالنون مصری نے بالکل سچ کہا کہ تمام مخلوق مردہ ہے۔ سوا علماء کے اور علماء سوئے ہوئے ہیں ماسوائے عمل کرنے والوں کے اور عمل کرنے والے سب دھوکے میں ہیں مگر مخلص لوگ اور تمام مخلص بہت بڑے خطرے پر ہیں۔

میں کہتا ہوں چار آدمیوں سے انتہائی تعجب ہے۔ ایک وہ عقلمند جو عالم نہ ہو کیا وہ اُن چیزوں کی معرفت کا اہتمام نہیں کرتا جو آئندہ پیش نہ آنے والی ہیں کیا وہ اُن چیزوں کو معلوم نہیں کرتا جن کو وہ موت کے بعد دیکھنے والا ہے۔ اُس کو دلائل اور عبرتوں اور اِن آیتوں کے سننے اور اِن خیالات سے دِل کی بے قراری اور نفس کے تصورات سے اِن کو معلوم کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ۔	کیا وہ زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہی اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اُن میں غور نہیں کرتے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝	کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ وہ بڑے دن کے لیے اُٹھائے جائیں گے۔

اور دوسرے اُس عالم سے جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا کیا وہ یقینی طور پر نہیں جانتا کہ اُس کے سامنے بہت بڑی ہولناکیاں اور مشکل گھاٹیاں ہیں اور یہی بہت بڑی خبر ہے۔ جس سے تم منہ پھیرتے ہو۔ تیسرے اُس عامل سے جو مخلص نہ ہو۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور نہیں کرتا:۔

فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ	جو آدمی اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور

رَبِّهٖ اَحَدًا ۝ — اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

چھوٹے اُس مخلص سے جو ڈرنے والا نہ ہو کیا وہ اللہ جل جلالہٗ کے اُس معاملہ کی طرف غور نہیں کرتا جو وہ اپنے اصفیاء اور اولیاء اور اپنے خادموں سے کرتا ہے جو کہ اُس کے اور اُس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی سب سے زیادہ معزز مخلوق کو فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ الْاٰیَةَ — اور بے شک وحی کی گئی تیری طرف اور اُن لوگوں کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے۔

اور اسی طرح کی اور بھی آیات یہاں تک کہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔

پھر قصہ مختصر ان کی تفصیل وہ ہے جو رب العالمین نے اپنی کتاب عزیز کی چار آیتوں میں بیان کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ — کیا تم نے خیال کر رکھا ہے۔ کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کیا اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

پھر اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا:۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ — چاہیے کہ ہر آدمی اُس پر غور کرے جو اُس نے کل کے لیے بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تمہارے عملوں سے خبردار ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔ — جن لوگوں نے ہمارے متعلق کوشش کی ہم ضرور ان کے لیے اپنی راہیں کھول دیں گے۔

پھر ان تمام چیزوں کو ایک جامع آیت میں بیان کر دیا ہے۔ اور وہ سب سے زیادہ سچا

تأمل ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

جو آدمی کوشش کرے گا وہ اپنی جان کے لیے کوشش کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اور ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے قدم کی لغزش اور اپنے قلم کی ہر بے راہ روی سے معافی مانگتے ہیں اور ان تمام اقوال سے بخشش چاہتے ہیں جو ہمارے اعمال کے موافق نہ ہوں۔ اور ہر اُس چیز سے بخشش چاہتے ہیں جس کا ہم نے دعویٰ کیا اور اُس کو دین الٰہی کے علم کی حیثیت سے ظاہر کیا حالانکہ اُس میں بہت سی کوتاہیاں ہیں اور ہم اُس سے ہر اُس خیال سے بخشش چاہتے ہیں جس نے ہم کو تصنع پر آمادہ کیا اور جس کا ہم نے اپنی کتاب میں اندراج کیا یا ہر اُس کلام سے جس کو ہم نے نظم کیا یا ہر اُس علم سے جس کا ہم نے فائدہ دیا اور ہم اُس سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور اے بھائیوں کی جماعت تمہیں بھی ہمارے علم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بخشے اور ہم خالص اُس کی رضامندی چاہیں اور سوال کرتے ہیں کہ وہ اِس علم کو ہم پر وبال نہ بنائے اور اِس کو نیکیوں کے ترازو میں رکھے جب کہ ہمارے اعمال ہماری طرف واپس کیے جائیں یقیناً وہ بڑا سخی اور کریم ہے۔

شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی وہ ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا کہ آخرت کے طریق کے سلوک کی کیفیت کی شرح میں ذکر کریں گے اور ہم نے اپنے مقصود کو پورا کر لیا اور تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں کہ جس کے احسان سے نیکیاں پوری ہوتی ہیں اور جس کے فضل سے برکتیں نازل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی بہترین مخلوق پر ہر حال میں رحمتیں نازل فرمائے جس نے افضل معبود کی طرف دعوت دی یعنی محمد نبی پر اور ان کی آل پر اور سلامتی نازل فرمائے بہت زیادہ اور پاکیزہ اور برکت والی۔

بعد حمد و صلوٰۃ واضح ہو کہ مترجم خاکسار محمد سعید احمد نقشبندی عفی عنہ امام مسجد حضرت داتا صاحب رحمت اللہ نے ترجمہ میں معنی خیزی، سلاست و روانی قائم رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ تاہم سقم کا باقی رہنا ممکن ہے۔ قارئین کرام اگر ایسا پائیں تو آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح ہو سکے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو قبول عام کا شرف بخشے اور مترجم کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم۔

مدارج النبوت

اردو

حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

کی

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص و فضائل

حیات طیبہ پر جامع و مانع کتاب

جلد اول

اس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیات سابق و آخر اور افضل الکائنات کو دلائل عقلی و الہامی اور اثبات فکری اور روحانی سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس جلد میں ان امور پر بھی بحث کی گئی ہے جو شرف حسب و نسب، شرف نبوت و رسالت، شرف ابوت، شرف عصمت اور شرف معجزات سے متعلق ہیں اور کمال توحید سے کان خصائص اور خصائل کو قرآن پاک کی آیات سے ثابت کیا گیا ہے۔ انداز تحریر اور طریقہ استدلال اتنا پیارا اور دلنشیں ہے کہ بات دل و دماغ میں آتی چلی جاتی ہے اور بہت سے ایسے شکوک و شبہات جو مادیت اور الحاد کے پیدا کردہ ہیں خود بخود زائل ہو جاتے ہیں اور دل و دماغ دولت ایمانی سے مالا مال ہو جاتے ہیں ـــــ خوشنما کتابت ـــــ آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت ـــــ مضبوط پلاسٹک کا خوبصورت کور ـــــ سائز ۲۰×۲۶ ـــــ آٹھ سو سے زائد صفحات ـــــ قیمت

جلد دوم

اس جلد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور متعلقات حیات مبارکہ کو پیش کیا گیا ہے۔ طلوع آفتاب رسالت، اہالیان مکہ کے شدائد، رسول اکرم کی استقامت، ہجرت، غزوات، سرایے، دربار نبوی کے فیصلے، اصحاب آپ کا برتاؤ، غیروں سے حسن سلوک، ازواج مطہرات کے حالات، اولادوں کا ذکر، یہاں تک کہ جس کو رسول مقبول سے ذرا سی بھی کسی قسم کی نسبت تھی اس تک کے حالات ایسے دلکش اور پیارے انداز میں تحریر کئے ہیں کہ جنہیں پڑھ کر حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو علم کا بحر ذخار تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ جو کچھ لکھا ہے عشق رسول میں ڈوب کر لکھا ہے اور جو بھی انہیں پڑھے گا ان ہی کیفیات کو اپنے دل میں محسوس کریگا یہ بات بھی پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اردو میں اس کے مکمل ترجمے اور اشاعت کا فخر صرف مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ہی کو حاصل ہے۔ اس کا ترجمہ مفتی غلام معین الدین مراد آبادی نے کیا ہے۔ جس کیلئے وہ ہم سب کے شکریے اور تحسین کے مستحق ہیں ـــــ خوشنما کتابت ـــــ آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت ـــــ مضبوط پلاسٹک کا خوبصورت کور، سائز ۲۰×۲۶ ـــــ ایک ہزار سے زائد صفحات ـــــ قیمت ۔ روپے

مدینہ پبلشنگ کمپنی

بندر روڈ، کراچی